فذکر ان نفعت الذکریٰ

مکتوباتِ صدی

جلد دوم

از ۵۱ تا ۱۰۰

متن با ترجمہ

سید السالکین زبدۃ العارفین سلطان المحققین

مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ العزیز

ترجمہ

حضرت شاہ الیاس یاسؔ بہاری فردوسیؒ

ناشر

سید شاہ محمد نور العین المعروف محمد نعیم ندوی فردوسی القادری

استاد شعبۂ اردو، جامعہ سندھ حیدرآباد (پاک)

کوارٹر نمبر بی ۵، یونٹ نمبر ۶، شاہ لطیف آباد، حیدرآباد (مغربی پاکستان)

Marfat.com

فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ

ترجمہ مکتوباتِ صدی

جلد دوم

از ۵۱ تا ۱۰۰

سید السالکین زبدۃ العارفین سلطان المحققین

مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز

ترجمہ

حضرت شاہ الیاس، یاس بہاری فردوسی رحمہ

ناشر

سید شاہ محمد نور العین المعروف محمد نعیم ندوی فردوسی القادری

استاد شعبۂ اردو۔ جامعہ سندھ۔ حیدرآباد (پاک)

کوارٹر نمبر بی ۵، یونٹ نمبر ۶۔ شاہ لطیف آباد حیدرآباد۔ (مغربی پاکستان).

Marfat.com

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

53268

اشاعت بار اول	سنہ ۱۹۶۸ء
تعداد اشاعت	ایک ہزار
مقام اشاعت	لطیف آباد حیدرآباد
کاتب اشاعت	حکیم ذوقی المصطفائی

مطبوعہ

(سید الیکٹرک پریس ملتان)

Marfat.com

فہرست ترجمہ مکتوبات صدی اُردو جلد دوم

	عنوان	نمبر صفحہ
	پیش لفظ	۲۶۲
	مقدمہ	۲۶۵
۴۱	ایمان کے بیان میں	۲۸۹
۴۲	ایمان کی صداقت کے بیان میں	۲۹۲
۴۳	اسلام کے شکر، رابعہ بصریؒ اور ابراہیم ادہم ...	۲۹۸
۴۴	شرکِ خفی کے بیان میں	۳۰۴
۴۵	معرفت کے بیان میں	۳۱۰
۴۶	محبت کے ذکر میں	۳۱۹
۴۷	محبت کی نشانیوں میں	۳۲۵
۴۸	محبت اور عشق کے احکام میں	۳۳۱
۴۹	طالب کے بیان میں	۳۳۵
۵۰	عشق کی طلب میں	۳۳۹
۵۱	اللہ کی طرف جانے کے راستے کے بیان میں۔	۳۴۳
۵۲	گفتار اور رفتار کے بیان میں	۳۴۸
۵۳	ہمت کا بیان، جمعہ کے دن کی فضیلت اور وظیفہ	۳۵۲
۵۴	مرید کو رغبت دلانے کے بیان میں	۳۶۱
۵۵	قاضی صدرالدین کی صحبت اور علم کی رغبت کے بیان میں	۳۶۵
۵۶	مرید کے پہلے مرتبے کے بیان میں	۳۶۸
۵۷	″ ″ ″ مضمونِ دیگر۔	۳۷۳

Marfat.com

نمبر مکتوب	عنوان	نمبر صفحہ
۵۸	مسلمانی کے حال میں	۳۷۸
۵۹	اچھے اخلاق کے بیان میں	۳۸۵
۶۰	غور کرنے کے بیان میں	۳۹۰
۶۱	تجرید و تفرید کے بیان میں	۳۹۴
۶۲	دوسرے الفاظ میں تجرید و تفرید کا بیان	۳۹۷
۶۳	دین کی راہ پاک صاف رکھنے کے بیان میں	۴۰۱
۶۴	تقویٰ کے بیان میں	۴۰۸
۶۵	صدق کے بیان میں	۴۱۵
۶۶	حضرت آدم علیہ السلام کے نسب کے بیان میں۔	۴۲۱
۶۷	نیک گمان رکھنے کے بیان میں	۴۲۸
۶۸	عالم آخرت کے متعلقات کے بیان میں.....	۴۳۶
۶۹	اسباب کے تعلق اور اُس کے ترک میں	۴۴۰
۷۰	اس گروہ کی صحبت کے بیان میں	۴۴۴
۷۱	خدمت کے بیان میں	۴۴۹
۷۲	بُری عادتوں کو نیک اور بہتر بنانے کے بیان میں۔	۴۵۳
۷۳	مرتبہ اور منصب کی لالچ اور نمازِ عاشورہ کے بیان میں	۴۵۷
۷۴	دنیا کی مذمت اور قضا نمازوں کے کفارے کے بیان میں	۴۶۴
۷۵	ترکِ دنیا کے بیان میں	۴۷۰
۷۶	سعادت و شقاوت کے بیان میں	۴۷۴
۷۷	اسرارِ قضا و قدر کے بیان میں	۴۷۸
۷۸	خوف و رجا کے بیان میں	۴۸۲
۷۹	رُوح کے بیان میں	۴۸۵

Marfat.com

نمبر مکتوب	عنوان	نمبر صفحہ
۸۰	دل کے بیان میں ۴۹۲	۴۹۲
۸۱	نفس کے بیان میں	۴۹۴
۸۲	خواہش کے بیان میں	۵۰۰
۸۳	نفس کی ریاضت کے بیان میں	۵۰۶
۸۴	نفس کی سیاست اور مجاہدے کے بیان میں	۵۱۰
۸۵	نفس کو جدا کرنے کے بیان میں	۵۱۵
۸۶	اپنے ساتھ موافقت کرنے کے بیان میں ..	۵۲۴
۸۷	قدموں کے فرق اور کفایتِ مہمات کی دعائیں	۵۲۷
۸۸	غفلت کے بیان میں	۵۳۵
۸۹	نہ پانے کی حسرت اور ہمیشہ کی دعاؤں کے بیان میں	۵۴۰
۹۰	علاج دل، نماز جمعہ کی دعا اور نیکبختی کے بیان میں	۵۴۶
۹۱	لباس کے بیان میں	۵۵۴
۹۲	ملامت کے بیان میں	۵۵۹
۹۳	سماع کے بیان میں	۵۶۳
۹۴	مخلوق سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی کے بیان میں	۵۷۳
۹۵	خلق سے جدا ہونے کے بیان میں	۵۷۷
۹۶	چلہ کے بیان میں	۵۸۱
۹۷	موت کے بیان میں	۵۸۷
۹۸	وعدہ اور وعید کے بیان میں	۵۹۵
۹۹	دوزخ کے بیان میں	۶۰۱
۱۰۰	بہشت کے بیان میں	۶۰۶
	ختم	۶۲۴

Marfat.com

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سنہ ۱۹۶۵ء میں اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد ابراہیم حسین رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد مجھے بہار شریف جانے کا موقع ملا۔ وہاں حضرت مخدوم جہاںؒ کے موجودہ سجادہ نشین، پیرو مرشد آقائی و مولائی حضرت سید شاہ محمد سجاد صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں مکتوباتِ حضرت مخدوم جہاںؒ کا ذکر آیا۔ اور ترجمہ کی اشاعت پر گفتگو رہی۔ اس وقت خانقاہِ معظم میں دو ترجمے موجود تھے۔ پہلا ترجمہ صرف چالیس مکتوبات کا تھا جو مطبوعہ تھا۔ اس کے مترجم حضرت سید شاہ نجم الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ بقیہ ساٹھ مکتوبات کا ترجمہ حضرت سید شاہ الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا، جو غیر مطبوعہ تھا۔ اور برادرِ عزیز سید شاہ عزیز احمد صاحب طال اللہ عمرہٗ و درجاتہٗ کی ملکیت تھا۔ میں نے خواہش ظاہر کی کہ یہ حصہ مجھے عنایت کر دیا جائے تاکہ پاکستان میں اس کی اشاعت کا انتظام کیا جا سکے۔ چنانچہ ازراہِ شفقت یہ خدمت میرے سپرد کر دی گئی۔ اور مسودہ حوالہ کر دیا گیا۔ واپس آ کر اس کی کتابت و طباعت کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ مگر ہر طرف سے مایوسی ہوئی۔ حالانکہ یہاں وہ لوگ بھی موجود ہیں جنھیں فرزندیت کا شرف حاصل ہے۔ اور معتقدین و متوسلین کی بھی کوئی کمی نہیں۔ ان میں سے اکثر حضرات ایسے بھی ہیں جو اگر چاہیں تو مخدوم جہاںؒ کی تمام کتابوں کے ترجمے کرا کر شایع کرا سکتے ہیں۔ نہایت ہی حسرت کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ صوبہ بہار کے اتنے اہلِ علم اور اتنے اہلِ ثروت کے موجود ہوتے ہوئے مجھے تین سال سے زیادہ مدت تک انتظار کرنا پڑا۔ ساتھ ہی سخت ندامت اور شرمندگی بھی ہے کہ جس وعدے کے ساتھ مسودہ کو لے کر آیا تھا اُسے ایفا نہ کر سکا۔

یہ دیکھ کر جہاں ایک طرف دلی مسرت ہوتی ہے کہ دوسرے سلاسل کے اکابر دین کے مکتوبات وملفوظات اور دیگر تصانیف کے ترجمے شایع ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں، وہاں یہ دکھ بھی ہوتا ہے کہ ہمارے مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ العزیز کی کتابوں کے ترجموں کی طباعت واشاعت کا اب تک کوئی معقول انتظام نہ ہوسکا۔ حالانکہ آپ کے فیوض وبرکات سے عوام وخواص ہر دور میں یکساں طور پر مستفیض ہوتے رہے ہیں۔ ہم پھر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ باوجود دولت وثروت کے حضرت مخدوم جہاںؒ کے معتقدین اور متوسلین میں غیر معمولی طور پر جمود طاری ہے جسے حرکت میں لانا آسان کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں توفیق عطا فرمائے کہ وہ عزم بالجزم لے کر اٹھیں اور مخدوم جہاں کی جملہ تصانیف کے ترجموں کی اشاعت کا معقول انتظام کریں، تاکہ مسلمانوں میں ایمانی حرارت اور دینی حمیت پیدا کر کے احیاے دین اور تبلیغ واشاعت میں معاون ہونے کا شرف حاصل کرسکیں۔

الحمد للہ! کہ اس طویل مدت کے بعد مکتوباتِ صدی کے ترجمہ مع متن کی طباعت کا انتظام ہوگیا۔ اس کو دو جلدوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ترجمے دو الگ الگ حضرات کے ہیں۔ پہلی جلد میں ایک سے چالیس مکتوبات کا ترجمہ مع متن کے ہے۔ اور دوسری جلد میں اکتالیس سے لے کر سو مکتوبات تک، کا ترجمہ متن کے ساتھ شامل ہے۔ برادرِ عزیز سید شاہ عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے ہم شکر گذار ہیں کہ انھوں نے ہم پر اعتماد کر کے ترجمے کا مسودہ ہمارے حوالہ کیا۔

برادرم سید شاہ غلام جیلانی ایگزیکیوٹیو انجنیر کے بھی ہم بے حد ممنون ہیں کہ انھوں نے مبلغ پانچ سو کی رقم سے اس کی کتابت میں میری مدد کی۔ اللہ تعالےٰ انھیں دین ودنیا میں صلاح وفلاح سے بے حد نوازے آمین! اور برادرم سید احمد نعیم مرحوم نے تو دامے، درمے، قدمے سخنے ہر طرح سے میری مدد کی۔ اللہ تعالےٰ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین! اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کرے۔ ثم آمین!

جناب فضل محمود صاحب ڈائرکٹر السندادِ جرائم، لاہور۔ کا شکریہ ہم کس منھ سے

Marfat.com

ادا کریں۔ انھوں نے تو وہ کیا جو اپنے بھی نہ کر سکے۔ جناب فضل صاحب ایک خدا ترس بزرگ ہیں۔ جملہ بزرگانِ دین سے بالعموم اور حضرت مخدومِ جہاں سے بالخصوص بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ انھوں نے دو ایسے مخیر حضرات فراہم کر دیے جنھوں نے ان دونوں جلدوں کی طباعت، کاغذ، جلد بندی اور اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ ان میں سے ایک جناب حاجی محمد احمد صاحب لاہور اور دوسرے حضرت میاں محمد شفیع صاحب لاہور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں حضرات کو دینی و دنیاوی برکتوں کی سعادت سے خوب خوب نوازے آمین! اور عاقبت و خاتمت بخیر فرمائے، ثم آمین! ع

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

پروف کے پڑھنے میں خاصی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ پھر بھی بشریت کا تقاضہ ہے کہ غلطی ہو۔ اس لیے ناظرین سے التماس ہے کہ اس کو اس ہیچمدان کی کم علمی پر محمول کر کے نظرانداز کر دیں۔ اور عیب پوشی سے کام لے کر اعتذار قبول کریں۔

مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کی زندگی و سعادت کے لیے یہ کتاب سرچشمۂ حیات ثابت ہوگی۔ اور شریعت و طریقت و حقیقت کی فہم و بصیرت کا دروازہ ان پر کھل جائے گا۔

اے اللہ! بطفیلِ شفیع المذنبینؐ اس فقیر کی کوشش ناتمام کو شرفِ قبولیت عطا فرما، آمین۔ اور بحق حضرت مخدومِ جہاںؒ اس کتاب کو جملہ مسلمانوں کے لیے نافع بنا دے اور اس ذرۂ خاکپائے سگانِ فردوسیان، گنہگار فقیر حقیر کا خاتمہ بخیر فرما، ثم آمین۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فقیر حقیر شاہ محمد نعیم فردوسی القادری
استاد شعبۂ اردو۔ جامعہ سندھ۔
حیدرآباد مغربی پاکستان۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حدیثِ عشق و سرمستی ز من بشنو، نہ از واعظ
کہ با جام و سبو ہر شب قرینِ ماہ و پروینم

سوانح سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ العزیز کے جدِ اعلیٰ حضرت امام محمد تاج فقیہ رحمۃ اللہ علیہ قدس خلیل سے جو بیت المقدس کا ایک محلہ ہے ۵۷۶ھ میں قصبہ منیر ضلع پٹنہ میں تشریف لائے۔ یہاں کے راجہ سے جنگ کی اور منیر فتح کر لیا۔

حضرت امام کے تین صاحبزادے تھے۔ شیخ اسرائیل، شیخ اسمٰعیل اور شیخ عبدالعزیز۔ حضرت امام نے اپنے صاحبزادوں کو اپنا قائم مقام بنا کر واپسی کا ارادہ کیا۔ اور بیت المقدس چلے گئے۔

حضرت اسرائیل کی سب سے بڑی اولاد حضرت مخدوم یحییٰ رح تھے جن کی شادی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی پیر جگجوت[1] رح کی بڑی صاحبزادی حضرت بی بی رضیہ سے ہوئی آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ شیخ جلیل، شیخ شرف الحق والدین، شیخ خلیل الدین، اور شیخ حبیب الدین۔

پیدائش حضرت مخدوم جہاں رح کی والدہ ماجدہ بی بی رضیہ اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھیں۔ مشہور ہے کہ آپ نے بلا وضو حضرت مخدوم جہاں کو کبھی دودھ نہیں پلایا

[1] حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی پیر جگجوت نے کاشغر کی سلطنت کو چھوڑ کر فقر کی راہ اختیار کی تھی۔

Marfat.com

آپ کی پیدائش ۲۶ ، اور بروایتے ۲۹ ، شعبان المعظم ۶۶۱ھ کو سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں بمقام منیر شریف ضلع پٹنہ میں ہوئی ۔ پیدائش کا مادّہ تاریخ "شرف آگین" ہے۔

تعلیم

حضرت مخدوم جہاںؒ کی ابتدائی تعلیم اس زمانے کے مروجہ نصاب کے مطابق گھر ہی پر ہوئی ۔ آپ کو حضرت علامہ اشرف الدین ابو توامہ جیسا استادِ کامل گیا ۔ جن سے تمام دینی علوم ، کلامِ پاک ، تفسیر ، حدیث ، فقہ اور علمِ کلام کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق و فلسفہ اور ریاضی وغیرہ کی بھی تکمیل کی ۔

حضرت علامہ اشرف الدین ابو توامہ غیاث الدین بلبن (۱۲۲۸ء تا ۱۲۸۱ء) کے عہدِ حکومت میں بخارا سے دہلی تشریف لائے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ آپ کے علمی تبحر کا شہرہ دُور دُور تک ہوا عقیدت مندوں کا ہجوم ہونے لگا ۔ ان کی ہر دل عزیزی سے سلطان کو خطرہ پیدا ہوا ۔ چنانچہ اس نے سنار گاؤں (نزد ڈھاکہ) چلے جانے کا حکم صادر کر دیا ۔ علامہ اثنائے سفر میں منیر شریف میں مقیم ہوئے ۔ حضرت مخدوم یحییٰؒ نے آپ کے تواضع میں کوئی کمی نہیں کی اور جی کھول کر پذیرائی کی ۔ اس قیام کے دوران میں استاد اور شاگرد دونوں نے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھا اور ایک دوسرے کے گرویدہ ہوگئے ۔ والدین کی اجازت کے بعد مخدومنا استاد کے ساتھ سنار گاؤں روانہ ہوگئے ۔ علامہ نے ۶۶۸ھ میں سنار گاؤں پہنچ کر ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی ۔ اور آخری دم تک درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے علوم دینی و دنیوی ، ظاہری اور باطنی کی تحصیل میں اپنے استاد کے ساتھ بائیس سال گذارے ۔ حضرت علامہ ابو توامہ کا وصال ۷۰۰ھ میں ہوا ۔

شادی

جب حضرت مخدومنا تمام علوم کے حصول سے فارغ ہوئے تو حضرت ابو توامہ نے آپ کو اپنی دامادی میں لینے کا خیال ظاہر کیا ۔ پہلے تو مخدوم نے پس و پیش کیا ۔ مگر استاد کی دل جوئی ملحوظِ خاطر تھی ، اس لیے اس رشتہ کو قبول کر لیا ۔ استاد کی دخترِ نیک اختر سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے کچھ عرصہ بعد حضرت والد ماجد مخدوم یحییٰؒ کے وصال کی خبر ملی ۔ تاب و تواں جاتا رہا ۔ بے اختیار ہو کر استاد سے اجازت چاہی اور اپنے خورد سالی

Marfat.com

بچہ حضرت مخدوم ذکی کو ساتھ لے کر منیر تشریف لائے۔ حضرت مخدوم یحییٰؒ کا وصال ۱۱ر شعبان المعظم ۶۹۰ھ کو ایک سو بیس برس کی عمر میں ہوا۔

تلاش پیر مخدوم جہاں منیر پہنچ کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ مگر معرفتِ الٰہی کی وہ آگ جو برسوں سے سینہ میں فروزاں تھی بھڑک اُٹھی۔ آخر ایک روز اپنے صاحبزادہ حضرت مخدوم ذکیؒ کو اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں دے کر فرمایا۔ "حضرت آپ اس بچہ کو شرف الدین کی جگہ سمجھیے اور اپنے بچہ کو طلب الٰہی کیلیے گھر سے باہر جانے کی اجازت دیجیے۔" آپ کی والدہ ماجدہ خود ولیہ کاملہ تھیں، اس بات سے خوش ہوئیں اور بخوشی ورغبت اجازت دے دی۔

مخدومِ جہاں نے رختِ سفر باندھا اور دلّی کی راہ لی۔ آپ کے بڑے بھائی شیخ جلیل، جن کو آپ سے بے پناہ محبت تھی، ساتھ ہو لیے۔ اُس وقت دلّی نہ صرف حکومتِ ہند کا صدر مقام تھی، بلکہ اسے بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے مرکز ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ مخدوم جہاں وہاں کے جملہ مشائخ کرام سے باری باری ملے۔ مگر کہیں تشفی نہ ہوئی۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں بھی پہنچے۔ مگر وہاں بھی سیری نہ ہوئی۔ دل کا اضطراب بڑھتا گیا۔ اور پانی پت حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے یہاں گئے مگر "مردے ہست دلے مغلوب الحال" کہہ کر پھر دلّی لوٹ آئے۔

پانی پت سے واپسی کے بعد لوگوں نے خواجہ خواجگان حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کا پتا بتایا۔ تو اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہنچتے ہی رعب طاری ہوا اور جسم مبارک پسینہ پسینہ ہو گیا۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا ـــ

"درویش آؤ برسوں سے تمھارا انتظار کر رہا
ہوں تاکہ تمھاری امانت تمھارے سپرد کر دوں"

اور بیعت لے لی۔ ساتھ ہی خرقہ، شجرہ اور کچھ نصائح لکھ کر ساتھ دیا اور رخصت کر دیا۔ پھر فرمایا کہ راستہ میں اگر کوئی بُری بھلی بات سنو تو دلّی واپس نہ آنا۔ مخدوم جہاں نے اپنی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ دن قیام کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت نجیب الدین فردوسیؒ نے

Marfat.com

فرمایا کہ تمھاری تعلیم و تربیت بارگاہِ رسالتؐ سے مقدر ہے۔ تم اپنے وطن واپس جاؤ۔ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔

بیعت کے وقت کی کیفیت مختصر مگر نہایت ہی بلیغ انداز میں مخدوم جہاںؒ نے خود تحریر فرمائی ہے:۔

"من چون بخواجہ نجیب الدینؒ پیوستم، حزنے در
دل من نہادہ شد کہ ہر روز آن حزن زیادہ می شد"

بیعت کے بعد دہلی سے جب وطن واپس جا رہے تھے تو پیر کے وصال کی خبر ملی۔ مگر مرشد کے حکم کا احترام کرتے ہوئے دلی لوٹ کر نہ آئے بلکہ وطن کی جانب بڑھتے ہی گئے۔ جب بہیا کے جنگل میں پہنچے تو مور کی آواز سن کر نعرہ لگایا اور جنگل میں غائب ہو گئے۔ برادرِ محترم نے بہت تلاش کیا مگر کہیں پتا نہ پایا۔ چار و ناچار گھر آ کر والدہ سے سارا قصہ سنایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو اس خبر سے فطری طور پر صدمہ ہوا۔ مگر چونکہ وہ خود ولیہ تھیں اس لیے رضائے الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا۔

مشہور ہے کہ آپ بہیا (ضلع شاہ آباد) کے جنگل میں بارہ سال تک یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔ نہایت ہی سخت مجاہدے کیے۔ اور بڑی ریاضتیں کیں۔ وہیں آپ کی تعلیم و تربیت بارگاہِ نبوت سے پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس کے بعد آپ راجگیر کے جنگل میں دیکھے گئے۔ اس طرح تقریباً چالیس سال جنگلوں اور پہاڑوں پر زندگی بسر کی۔ اس چالیس سالہ زندگی میں آپ اپنے پروردگار کے ساتھ کیسے کیسے راز و نیاز کی منزلوں سے گذرے کسی کو خبر نہیں۔

راجگیر کو بہار شریف سے قربت حاصل ہے۔ اس لیے رفتہ رفتہ مخدومِ جہاں کے راجگیر کے جنگل میں قیام کی خبر تمام پھیل گئی اور لوگوں کا ہجوم بڑھنے لگا۔ تو آپ نے بدرجہ مجبوری بہار شریف میں اقامت اختیار کر لی۔ اس طرح درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

وصال صاحبِ تاریخ سلسلۂ فردوسیہ لکھتے ہیں:۔

"پانچ شوال المکرم روز چہارشنبہ کو صبح کی نماز کے بعد ہی سے

Marfat.com

مخدوم الملکؒ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی تھی۔ اور خشیت و محبت کے ملے جلے جذبے کے ساتھ اپنا قدم پیا کے آستانے کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھانے لگے:۔

شرفا گور ڈراؤن، لس اندھیاری رات — واں نہ پوچھے کوئی تم سے کا ہے تمری جات

جی مگن میں ہے کہ آئی ہیں سہانی رتیاں
جن کے کارن تھے بہت دن سے بنائی گتیاں

اور ۶؍شوال جمعرات کی رات کو عشا کی نماز کے وقت ۷۸۲ھ میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ قطرہ سمندر میں اور جزو کل میں مل گیا۔ مادۂ تاریخِ وفات "شرف" ہے۔

این جانِ عاریت کہ بحافظ سپرد دوست — روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

۶؍شوال المکرم جمعرات کے دن بوقت چاشت تجہیز و تکفین ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وصال کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارکِ سلطنت ہو اور حافظِ قرارتِ سبعہ ہو۔ جنازہ رکھا ہوا تھا اور لوگ ایسے شخص کے منتظر تھے کہ یکایک حضرت مولانا اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ یہ تینوں شرطیں آپ میں موجود تھیں اس لیے آپ ہی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور کچھ دنوں مزار مبارک پر چلہ کش رہ کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

دلا ہرگز نیابی در جہاں ہمچون شرف پیرے — کہ مالامال از و شد سیدِ اشرف جہانگیرے

ان سولہ گھنٹوں کی پوری پوری اور لفظ بہ لفظ روئداد اور کیفیات کو مخدوم جہاں کے مریدِ خاص حضرت مولانا زین بدر عربی نے بڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔ جو وفات نامہ مخدوم الملک کے نام سے مطبوعہ ہے۔ اس کے پڑھنے سے مخدوم جہاں کے نزاع کا مکمل منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پڑھنے والا خود اس وقت وہاں موجود تھا۔ طوالت کی وجہ سے اسے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

شجرۂ بیعت

(۱)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مخدوم شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۲)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۳)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۴)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ بدرالدین سمرقندی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۵)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ سیف الدین باخرزی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۶)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۷)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۸)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ وجیہ الدین ابوحفص قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۹)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد عبد اللہ المعروف بہ عمویہ قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۱۰)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ احمد سیاہ دینوری قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۱۱)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری قدس اللہ سرہٗ العزیز۔
(۱۲)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۱۳)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ سری سقطی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۱۴)۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ معروف کرخی قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۱۵)۔ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ۔
(۱۶) شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام موسیٰ کاظم رضا رضی اللہ عنہ۔

(۱۷) ۔ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ۔

(۱۸) ۔ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ ۔

(۱۹) ۔ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ۔

(۲۰) شیخ الاسلام والمسلمین امیرالمومنین سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ۔

(۲۱) شیخ الاسلام والمسلمین امیرالمومنین سیدنا علی ابنِ ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ ۔

(۲۲) سیدالمرسلین خاتم النبیینؐ امام المتقین، شفیع المذنبین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہ وبارک وسلّم

مخدومؒ اور علوم مخدوم جہاںؒ کے مکتوبات، ملفوظات، رسالہ جات اور تصنیفات کے مطالعہ سے ان کے تبحرّ علمی اور وسعتِ نظر کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے۔ علومِ ظاہری کی شاید ہی کوئی شاخ ایسی ہو جس سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو۔ علمائے سلف کی صفِ اول میں آپ کو جگہ دی گئی ہے۔ آپ امامِ وقت تھے اور اجتہاد کا درجہ آپ کو حاصل تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، ادب، منطق، فلسفہ، کلام، ریاضی، ہیئت اور ہندسہ کوئی فن ایسا نہیں جس پر آپ حاوی نہ ہوں۔ اور کوئی علم ایسا نہ تھا جس میں پوری دستگاہ آپ کو حاصل نہ ہو۔

فنِ حدیث ہندوستان میں مسلم حکومت کو قائم ہوئے عرصہ گذر چکا تھا۔ خود مخدوم جہاں کے عہد میں مسلم حکومت قائم تھی۔ مگر علمِ حدیث کی تعلیم و تعلّم کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ عوام تو عوام حکومت نے بھی اس کی ترویج کی طرف کوئی توجہ نہیں کی تھی۔ حالانکہ اُس دَور میں عرب و شام، مصر و اندلس وغیرہ میں بڑے بڑے ائمہ فن موجود تھے اور علم کے دریا بہا رہے تھے۔ مگر ہندوستان میں ایک درسگاہ بھی ایسی نہ تھی جہاں سے کوئی طالب علم اس علم کو کمال کے ساتھ حاصل کر سکتا۔ اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتا۔ مخدومِ جہاں پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم حدیث کو ہندوستان میں عام کیا۔ اور

Marfat.com

حدیث کی اہم کتابوں سے لوگوں کو آشنا کیا۔ آپ کے ملفوظات، مکتوبات اور تصنیفات میں جا بجا احادیث کی تشریحات ملتی ہیں۔

تفسیر تفسیر میں آپ کا رتبہ نہایت ہی بلند واقع ہے۔ دُور دُور سے لوگ آتے اور قرآن کریم کے مشکل مقامات کو سمجھنے کے لیے سوالات کرتے۔ مخدوم عالم بہت ہی سلجھے ہوئے انداز میں ان مشکل مقامات کی عقدہ کشائی فرماتے کہ ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آجاتی۔ تفسیر زاہدی کو مخدوم جہاں ایک معتبر تفسیر سمجھتے تھے۔ "خوانِ پر نعمت" میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دین میں جن باتوں کی ضرورت ہے وہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔ اس میں افراط و تفریط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ اسی جگہ تفسیر کبیر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور تعریف کی ہے۔

فقہ صاحب "سیرۃ الشرف" لکھتے ہیں کہ "فقہ میں مخدوم کو اول درجہ کی دستگاہ حاصل تھی۔ بلکہ ان کو منصب اجتہاد حاصل تھا؎۱" یعنی تفقہ فی الدین کا عجب عالم تھا۔ قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرنا اور پھر اُس پر عقلی دلیل قائم کرنا آپ کے نزدیک معمولی بات تھی۔ سنّتِ الٰہی کے آپ ماہر تھے۔ اور سنّتِ نبویؐ کے تو آپ عاشق ہی تھے۔ اس لیے آپ کی نظر میں بڑی وسعت تھی۔ وہ دوسرے فقہا کی طرح سخت گیر نہ تھے۔ آپ آسانی اور وسعت کے حامی تھے۔ آپ خوب سمجھتے تھے کہ قدم قدم پر جکڑنے سے دنیا چل نہیں سکتی۔ اس لیے کہ فطرتِ انسانی سختی کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس سے مذہب و تمدن دونوں میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ آپ کی نظر افرادِ انسانی کے ہر طبقہ پر تھی۔ اس لیے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کو اجتہاد کے وقت ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے تھے۔

فلسفہ مخدوم جہاںؒ کی نظر صرف قرآن و حدیث اور فقہ تک ہی محدود نہ تھی اور نہ صرف تصوف ہی کے اسرار و معارف اور رموز و نکات آپ بیان فرمایا کرتے تھے بلکہ علم کلام اور فلسفہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ نے علم کلام کی پیچیدہ گتھیوں کو بڑے سلیقہ سے سلجھایا ہے بقول معین دردائی، صاحب تاریخ سلسلۂ فردوسیہ:-

"غور سے دیکھا جائے تو آج کے فلسفہ اور حکمت کو جن مغربی مفکرین پر ناز ہے

؎۱ سیرۃ الشرف صفحہ ۲۰۳۔

Marfat.com

وہ بھی حضرت مخدوم الملکؒ ہی کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں۔" [1]

مولانا عبدالباری ندوی نے مخدوم جہاں کے فلسفہ کو جدید فلسفہ کا لفظی ترجمہ کہا ہے۔ یہ بات امر واقعہ کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ مفکرینِ مغرب اور مخدومِ جہاں کے عہد میں صدیوں کا تفاوت ہے۔ مخدومِ جہاں کی تصنیفات، ملفوظات اور مکتوبات کا ذخیرہ یورپ میں موجود ہے۔ یہ ممکن ہے کہ مغربی مفکرین نے اس سے فائدہ اُٹھایا ہو۔ اور اپنے نظریات کی بنیاد مخدوم جہاں کے نظریات پر رکھی ہو۔ مولانا عبدالباری ندوی اپنی کتاب نظامِ تعلیم و تربیت میں لکھتے ہیں:

"حیرت ہوتی ہے کہ اس شخص (مخدومِ جہاںؒ) کے کلام میں سطر دو سطر نہیں صفحے کے صفحے ایسے نظر آتے ہیں کہ گویا موجودہ زمانہ کے مغربی مفکرین کی کتابوں کا لفظی ترجمہ ہے۔ کانٹ، ہیگل، برکلے اور ہیوم از قبیل فلاسفہ جدید کے نظریات جن پر موجودہ فلسفہ کو ناز ہے شاہ صاحب (مخدومِ جہاںؒ) کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔" [2]

اس موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم جہاں قدس اللہ سرہ العزیز کی تصنیفات ملفوظات اور مکتوبات کا مختصر طور پر تعارف کرا دیا جائے۔ تاکہ اہلِ نظر آپ کی علمی بصیرت کا صحیح طور پر اندازہ کر سکیں۔

تصنیفات

۱ شرح آدابِ المریدین۔ یہ کتاب حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی مایۂ ناز کتاب آداب المریدین جو عربی زبان میں ہے اس کی شرح ہے۔ صاحب مناقب الاصفیاء نے تحریر فرمایا ہے کہ خود حضرت ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خود حضرت ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ میرے ہی فرزند معنوی میں سے ایک شخص اس کتاب کی شرح لکھے گا۔ چنانچہ مخدومِ جہاں نے اس کتاب کی شرح لکھ کر اس قول کو صحیح ثابت کیا۔ راقم السطور کے برادر حقیقی سید شاہ تسیم الدین احمد طال اللہ عمرہٗ واکرمہٗ اللہ تعالیٰ درجاتہٗ نے شرح آداب المریدین کے ایک حصہ کا ترجمہ حال ہی میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ چھپ گیا ہے۔

ارشاد الطالبین یہ مختصر سا ایک رسالہ ہے جس میں طالبانِ حق کو ہدایتیں دی

[1] تاریخ فردوسیہ صفحہ ۲۳۸ - [2] بحوالہ تاریخ سلسلۂ فردوسیہ صفحہ ۱۳۸ -

دی گئی ہیں۔ یہ رسالہ مطبوعہ ہے۔

۳۔ ارشاد السالکین یہ مسئلۂ توحید پر بہت ہی اہم کتاب ہے جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مخدوم جہاں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات بلکہ جملہ موجودات ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں۔ نور عالم لاہوت سے جبروت میں آیا تو روح کہلایا اور جبروت سے ملکوت میں پہنچا تو قالب ہوا۔ اور ملکوت سے ناسوت میں منتقل ہوا تو جسم کے نام سے موسوم ہوا۔ اسی طرح وہی نور عالم کثیف میں آیا تو نار ہوا۔ نار کثیف ہو کر باد ہوئی اور باد کثیف ہو کر آب بنی اور آب کثیف تر ہو کر خاک ہوا۔ پس انسان اور عناصر اربعہ ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں ہیں۔

۴۔ رسالہ مکیہ و ذکر فردوسیہ یہ ایک غیر مطبوعہ رسالہ ہے جس میں اذکار کے اقسام اور طریقے بتلائے گئے ہیں۔ اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ہدایتیں کی گئی ہیں۔

۵۔ فوائد المریدین یہ بھی ایک غیر مطبوعہ رسالہ ہے جس میں مریدوں کے لیے کلمۂ طیبہ کی فضیلت، نماز باجماعت کی برکت، بعض آیتوں کے فیوض و برکات گورستان، منکر نکیر، بہشت و دوزخ، قیامت، ایمان، حقوق الوالدین، حقوق ہمسایہ اور حقوق زوجین جیسے اہم مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ میرے برادر حقیقی سید شاہ قسیم الدین احمد نے کیا ہے جو چھپ چکا ہے۔

۶۔ لطائف المعانی یہ کتاب معدن المعانی کا خلاصہ ہے۔

رسالہ اشارات یہ غیر مطبوعہ رسالہ ہے۔ مگر اپنے موضوعات کے لحاظ سے بہت ہی اہم ہے۔ اس میں کل ۳۹ اشارات ہیں۔ ان اشارات میں عارفانہ مسائل کی طرف خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے اشارات کیے گئے ہیں۔ مثلاً موج عین دریا اور دریا عین موج ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ کم ہی ہیں جو خود شناس واقع ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت مخدومؒ نے خود شناسی ہی کو کائنات شناسی یا خدا شناسی قرار دیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے فلسفۂ خودی کی بنیاد اس رسالہ سے

Marfat.com

متاثر ہو کر رکھی ہے۔

رسالہ اجوبہ[8] یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اور تقریباً ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ حضرت مخدوم جہاں کے ان جوابوں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے بعض دوستوں، عزیزوں اور مریدوں کے سوالات پر تحریر فرمایا ہے۔ سوالات کچھ اس انداز کے ہیں "مردانِ غیب کون لوگ ہیں اور کس قدر ہیں؟" "خدائے بزرگ و برتر تک پہنچنے کی راہ کون سی ہے؟" "اہلِ سلوک کی اصطلاح میں بت و زنار کا کیا مطلب ہے؟" "رویت حق خدا کے فضل کی بنا پر ہوگا یا عمل کی جزا کے طور پر؟" "اللہ تعالیٰ کی معرفت کی انتہا کیا ہے؟" ان ہی سوالات کے جوابات اس رسالہ میں دیے گئے ہیں۔

فوائدِ رکنی[9] یہ ایک رسالہ ہے جس میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنے ایک مرید خاص حضرت رکن الدین کو حج بیت اللہ کے وقت سفر و حضر میں مطالعہ کے لیے ہدایتیں دی تھیں۔ اس کتاب کو حضرت مخدوم جہاں کی تعلیمات کا خلاصہ کہنا چاہیے۔

ان کے علاوہ عقائدِ شرفی، اورادِ کلاں، اورادِ اوسط اور اورادِ خورد میں درود و وظائف بتائے گئے ہیں جو خود ان رسالوں کے ناموں سے ظاہر ہیں۔

ملفوظات

معدن المعانی یہ کتاب دو جلدوں میں ہے جسے حضرت مولینا زین بدر عربیؒ نے جو مخدوم جہاں کے خاص مریدوں میں ہیں، مرتب کیا ہے۔ اس میں ۷۴۹ھ سے ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس میں نہ صرف صوفیانہ نکات بیان کیے گئے ہیں، بلکہ تفسیر، حدیث، فقہی مسائل اور علمِ کلام جیسے اہم موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ صاحب بزمِ صوفیہ، سید صباح الدین نے لکھا ہے کہ:-

> "اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی خانقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے عقدہ ہائے لاینحل حل کیے جاتے تھے۔ بلکہ وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت، اوامر و نواہی، اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم بھی جاری تھی۔ اِن ہی تعلیمات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت

Marfat.com

مذہب و تصوف دو الگ الگ چیزیں نہ تھیں۔ بلکہ دونوں ایک ہی شمع کے
دو پرتو تھے۔"

۲۔ خوانِ پرنعمت مرتبہ حضرت زین بدر عربیؒ۔ اس میں زیادہ تر تصوف کے جزوی نکات بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ فقہی اور شرعی مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں ۱۵ رشعبان ۷۴۶ھ سے ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس لیے اس کو 'معدن المعانی' ہی کا ایک ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔

۳۔ راحت القلوب (مرتبہ حضرت مولانا زین بدر عربیؒ) اس میں دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں۔ یہ ضخامت میں بہت کم ہے۔ مگر مطبوعہ ہے۔ اس میں رضائے الٰہی' مبدا و معاد' خواجہ اویس قرنی رضؓ، سجدۂ آدم صفی اللہؑ، تعظیم تلاوت کلامِ پاک، نماز جمعہ کی فضیلت اور روزِ عاشورہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ کلامِ پاک کی بعض آیتوں کی تفسیر بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

۴۔ مخ المعانی صاحب سیرۃ الشرف نے اس کے مرتب کا نام سید شہاب الدین عماد حالفی لکھا ہے۔ مگر میرے پاس مطبع مفید عام پریس آگرہ ۱۳۲۱ھ کا جو نسخہ ہے اُس کے ناشر حضرت سید شاہ وصی احمد فردوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ کے جامع بھی زین بدر عربی ہی کو لکھا ہے۔

۵۔ مونس المریدین یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے جو ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۲۱ رشعبان المعظم سے محرم ۷۵۸ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس کے جامع صلاح مخلص داؤد خانی ہیں۔ اس میں لفظ سجادہ اور صاحب سجادہ کی تعریف حیا، اور اس کی فضیلت، خواب کے اقسام، شب برات اور اس کی فضیلت، حدیث مَن تشبہ بقوم، شریعت و طریقت اور حقیقت کے معانی اور ماہیتِ روح وغیرہ جیسے مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

گنج لایفنی اس میں یک شنبہ ربیع الاول ۷۶۰ھ سے روز شنبہ ۲۶ ر ذی الحجہ ۷۶۰ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مجلس کے ملفوظات کے

لکھنے میں دن، مہینہ اور سال کی پابندی کی گئی ہے۔ اس کی ضخامت ۴۰ ۱ صفحات پر مشتمل ہے اس میں شب قدر کی علامتیں بتائی گئی ہیں اور اس کے مخفی رکھنے کی حکمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ سکراتِ موت اور تلقینِ میت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مومنوں پر سکراتِ موت بطورِ عذاب نہیں ہوتا۔ احادیث پر بحث کرتے ہوئے لفظ اَخْبَرَنَا اور حَدَّثَنَا کا فرق بیان کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

فوائد الغیبی [۷] اس میں ۳۲ مجلسوں کے ملفوظات قلم بند کیے گئے ہیں جو ۱۹۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اوائل شعبان ۷۵۸ھ سے شروع ہو کر ماہ صفر ۷۵۹ھ میں ختم ہوا ہے۔ اس میں بھی تمام مجالس کے ملفوظات روز اور ماہ کی قید کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ اس میں اکثر بہت ہی اہم مسائل پر عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ مثلاً اسمائے باری تعالیٰ، ذکرِ حکمتِ اشیاء، اقسامِ حقوق العباد، تعریفِ شہود و مشہود، فضیلتِ علم اور ارکانِ حج وغیرہ پر بحث ہے۔

مغز المعانی [۸] اس کے جامع اور مرتب شیخ شہاب الدین عمادؒ ہیں۔ اس میں ذکرِ ذات و صفات، ذکر و مراقبہ، فکر و تفکر اور ظاہر و باطن وغیرہ کا ذکر ہے۔

کنز المعانی، ملفوظ الصفر اور برات المحققین غیر مطبوعہ ہیں اور بدقسمتی سے یہاں میرے پاس موجود نہیں ہیں۔

تحفۂ غیبی [۹] اس میں ابتدائے ۷۵۹ھ سے لے کر ۷۷۲ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس کے جامع بھی حضرت مولانا زین بدر عربی ہیں۔

یہ جملہ ملفوظات وہ ہیں جو حضرت مخدوم جہاں کی حیات ہی میں جمع کیے گئے اور ترتیب پائے۔ ان کے مرتبین کا یہ دعویٰ ہے کہ تہذیب و ترتیب کے بعد مخدوم جہاں کی خدمت میں پیش کیے جاتے تھے۔ اور حضرت جہاں مناسب سمجھتے حک و اضافہ فرماتے اور جہاں کوئی شعر یا رباعی کے لکھنے میں کوئی غلطی ہوتی تو خود درست فرما دیتے۔ اس لیے ان ملفوظات کے متعلق شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

Marfat.com

مکتوبات

(۱) مکتوباتِ صدی۔ (۲) مکتوباتِ دو صدی (۳) مکتوبات بست و ہشت

۱ مکتوباتِ صدی

مخدوم جہاں کے ایک مرید خاص قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام ہیں جو اپنی غیر معمولی مشغولیت اور فرائض منصبی کی انجام دہی کی وجہ سے حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضری سے معذور تھے۔ ان کے اصرار پر ان کی تعلیم کے لیے یہ مکتوبات لکھے گئے ۱؎۔ خود مخدوم جہاں قاضی صاحب کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ وصال کے وقت جہاں اور دوں پر نوازشیں کیں وہاں ان کو بھی بلا کر فرمایا "قاضی شمس الدین کو کیا کہوں، قاضی شمس الدین تو میرے فرزند ہیں۔ متعدد بار میں نے کبھی ان کو فرزند اور کبھی برادر لکھا ہے۔ انھیں کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا۔ انھیں کے لیے مجھ کو کہنا اور لکھنا پڑا۔ ورنہ کون لکھتا ۲؎۔

مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اور مکتوب الیہ کی سمجھ کے مطابق دلائل و امثال سے بڑے محققانہ انداز میں سمجھائے گئے ہیں۔ یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں سپردِ قلم ہوئے۔ مخدوم جہاں کے مرید خاص اور کاتب حضرت مولانا زین بدر عربی نے ان مکتوبات کی نقل اپنے پاس رکھ لی تھی۔

۲ مکتوبات دو صدی

اِس کے جامع اور مرتب بھی حضرت زین بدر عربیؒ ہیں۔ یہ مکتوبات مختلف مریدوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ کسی ایک شخص کے نام سے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مباحث میں توارد و تکرار پیدا ہو گیا ہے۔

۳ برادرم صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب بزم صوفیہ نے مکتوبات کے ایک اور مجموعہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "انڈیا آفس میں حضرت مخدوم کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ ہے جس میں ۲۵ مکتوبات ہیں۔ اس میں خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ کے نام خطوط ہیں۔ ان دونوں کو حضرت مخدوم الملک فرزند کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں۔

۱؎ دیباچہ مکتوبات صدی جلد اول صفحہ ۳۔ ۲؎ راحت القلوب وفات نامہ صفحہ ۲۶۔

Marfat.com

جس سے انڈیا آفس کیٹلاگ کے مرتب کو دھوکا ہوا ہے کہ وہ دونوں حضرات مخدوم الملک کے صاحبزادے ہیں" حالانکہ یہ غلط ہے۔ وہ دونوں مرید ہیں۔

مکتوباتِ نسبت دہشت یہ مکتوبات حضرت مخدومِ جہاں قدس اللہ سرہُ العزیز نے اپنے سب سے زیادہ چہیتے اور عزیز مرید حضرت سیدنا مظفر بلخی قدس اللہ سرہ العزیز کو لکھے ہیں۔ جن کے متعلق فرمایا ہے :۔

"تن مظفر جان شرف الدین، جان مظفر تن شرف الدین
شرف الدین مظفر، مظفر شرف الدین"۔

کہا جاتا ہے کہ مخدومِ جہاںؒ نے حضرت مولانا کے نام دو سو سے زیادہ خطوط لکھے تھے۔ مگر حضرت مولانا اُن کو عوام کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ یہ تمام خطوط اُن کے ساتھ قبر میں رکھ دیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اتفاق سے یہ اٹھائیس خطوط الگ رکھے ہوئے تھے جو دفن ہونے سے رہ گئے۔ اور اب کتابی شکل اختیار کر لی ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر مکتوبات کے متعلق اہلِ قلم حضرات اور مشاہیرِ وقت کے اقوال نقل کر دیے جائیں :۔

معین دردائی۔ صاحبِ تاریخ سلسلۂ فردوسیہ :۔

"مخدوم الملک کی تمام تصانیف اور ملفوظات یوں تو اہم اور مشعلِ ہدایت ہیں لیکن ان کے مکتوبات کی اہمیت، مقبولیت اور افادیت بالخصوص بہت زیادہ ہے۔" [1]

سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب بزمِ صوفیہ :۔

"مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر، مگر محققانہ مباحث ہیں۔" [2]

---

[1] تاریخ سلسلۂ فردوسیہ صفحہ ۱۹۴ ۔ [2] بزمِ صوفیہ صفحہ ۳۷۷

خلیق احمد نظامی۔ استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونی ورسٹی علیگڑھ :۔

"طریقۂ فردوسیہ کو ہندوستان میں پروان چڑھانے کا کام شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا۔ ان کے مکتوبات تصوف کا بڑا بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ ۱

مولانا مناظر حسن گیلانی :۔

"دینی و علمی برتریاں جو حضرت مخدوم کو بارگاہِ ربانی سے ارزانی فرمائی گئی ہیں، اُن سے تو دنیا واقف ہے۔ لیکن کم از کم میرا خیال تو یہی ہے کہ نثر نگاری میں سعدی شیرازی کے بعد کسی کا نام ہند ہی نہیں بلکہ ایران میں بھی اگر لیا جاسکتا ہے تو شاید وہ بہار کے مخدوم الملک ہی ہوسکتے ہیں۔ مکتوبات کی شکل میں جو ارقام فرمایا ہے فارسی زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔" ۲

سید ضمیر الدین احمد صاحب سیرۃ الشرف :۔

"اگر ان مکتوبات کے مضمون کو خیال کرو اور اُن کی غرض کو سوچو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ سارے مکتوبات کا مضمون رشتۂ خداوندی اور بندگی ہے۔" ۳

مولانا عبدالحق قدس اللہ سرہٗ العزیز۔

"حضرت مخدوم کی تصنیفات بہت عالی ہیں۔ آپ کی تمام تصنیفات میں مکتوبات کی شہرت بہت زیادہ ہے۔"

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز :۔

"مکتوبات شیخ شرف الدین کفر صد سالہ ما، بر کفِ دست نمود۔" (حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات نے میرے سو سال کے کفر کو میری ہتھیلی پر رکھ کر دکھلا دیا۔)

حضرت جلال الدین بخاری قدس اللہ سرہٗ العزیز :۔

"حضرت شیخ شرف الدینؒ کے مکتوبات ایسے ہیں کہ بعض مقامات ابھی تک

---

۱ بحوالۂ سبیل الرشاد جلد اول۔ ۲ بحوالۂ سبیل الرشاد جلد اول۔ ۳ سیرت الشرف صفحہ ۳۴۹

53268

Marfat.com

میری سمجھ میں نہیں آئے۔"

حضرت شاہ عبداللہ شطاری قدس اللہ سرہُ العزیز :-

"ہم پر ایک حالت میں انکشاف ہوا۔ یعنی معراجِ روحانی میں عرشِ اعظم تک رسائی ہوئی تو ساقِ عرشِ برین پر میں نے اکابرینِ طریقت کے القاب لکھے دیکھے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کا لقب سلطان العارفین مسطور تھا اور حضرت شیخ شرف الدینؒ کا لقب سلطان المحققین درجِ لوح نظر آیا۔"

پھر حضرت عبداللہ شطاری رح نے فرمایا:-

"کیوں نہ ہو حضرت مخدومؒ کی بزرگی پر اصحابِ شریعت و طریقت کا اتفاق ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"بندہ معتقدِ کسے نیست۔ ہمہ بزرگان یکے اند۔ اما بندہ معتقد سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الحق والدین منیری و بندگی حضرت خواجہ فریدالدین عطار ہستم۔ و جائے کہ این ہر دو بزرگان رسیدہ اند کسے کمتر رسیدہ است۔ و آنچہ کہ این ہر دو بزرگان حقائق و دقائقِ راہِ دین بیان کردہ اند کسے بیان نہ کردہ ہست۔" (معدن الاسرار بحوالہ سیرۃ الشرف)

حضرت احمد لنگر دریا رح :-

"سبحان اللہ زہے حوصلۂ مخدومِ جہاں قدس اللہ سرہُ العزیز کہ حالے و مقامے کہ حضرتِ ایشان را بود معلوم ہست۔ اما ہیچ وقتے سرسوزنے بیرون نہ دادند زہے قوت وزہے مقامِ تمکین کہ حضرتِ ایشان را حاصل شدہ بود۔ و آنکہ یکبار درگرمیِ وقت سخن فرمودہ اند برائے آن چہ نوع عذر کردہ اند۔" (مونس القلوب)

ابوالفضل آپ کی شان میں لکھتا ہے :-

"آن تشنہ نشان یافتہ آب کہ جستنش تشنہ گرداند و نوشیدنش تشنہ تر شرف الدین منیری۔"

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ نے اورادِ غوثیہ کے شروع میں سالک کے لیے

Marfat.com

چند وصیتیں لکھی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "اگر مرشد حاضر نہ باشد مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری مطالعہ کنند تا فریب نفس و وسواس خناس دریابد۔"

مکتوبات کی علمی و ادبی حیثیت

مخدوم جہاں کے تبحر علمی کا اعتراف علمائے کرام وصوفیائے عظام دونوں کو ہے۔ دونوں کو اس امر کا اعتراف ہے کہ آپ کا قلم سرِ مو بھی حدود شریعت سے باہر قدم نہیں رکھتا مسائل کے سمجھانے کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ ایسا ہے کہ نہ صرف سمجھ میں آجاتا ہے بلکہ دل میں اُتر جاتا ہے۔ "آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد" اور یہ اس لیے ہے کہ آپ کے یہاں تصنع نہیں ہے۔ جو بات کہتے ہیں اُس میں اپنے مخاطب کے فہم وادراک کا پورا خیال رکھتے ہیں اس لیے کہ ع "دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر"۔ جس کا جو رتبہ ہوتا ہے اُسی کے مرتبے اور مقام کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔ جہاں کہیں کسی مبتدی سے واسطہ پڑا ہے وہاں نہ تو عبارت آرائی ہے اور نہ بلند پردازی سیدھی سادی بات سیدھے سادے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ اور جہاں کہیں منتہی سے کام پڑا ہے وہاں وہ بلند پروازی، دقتِ نظری اور محققانہ اندازِ بیان پایا جاتا ہے کہ اچھے اچھوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ مولانا شمس الدین کے نام جو خطوط ہیں اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ کا علم محدود ہے۔ برخلاف اس کے جو خطوط حضرت مولانا مظفر بلخی رح کے نام ہیں ان میں اکثر مقامات ایسے ہیں..... جو عام فہم نہیں ہیں۔

مخدوم جہاں سے پہلے بھی ملفوظات اور مکتوبات کا دستور موجود تھا مگر بہت ہی محدود تھا۔ ملفوظات اکثر روایتوں اور حکایتوں پر موقوف تھے۔ یعنی ان میں علمی مضامین کا فقدان تھا۔ اس لیے اہلِ علم حضرات اس کے قبول کرنے سے ہچکچاتے تھے وہاں جن مسائل پر بھی بحث ہوتی ان میں منقولی دلائل سے کام لیا جاتا۔ معقولی دلائل کا گذر نہیں۔ مخدوم جہاں نے ملفوظات میں مسائل کے بیان کا وہ انداز اختیار کیا جس نے ملفوظات کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ محققانہ اور فلسفیانہ انداز میں مسائل کو اس طرح

Marfat.com

سمجھایا ہے کہ ہر مکتب خیال کے لوگوں کو پوری پوری تشفی ہو گئی۔

مخدوم جہاںؒ کے عہد میں مکتوبات کو اہم موضوعات کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا گیا تھا۔ وہ صرف خیریت اور حالات وحاجات کے بیان تک محدود تھے۔ مخدوم جہاںؒ نے اسے مستقل ایک فن بنا دیا۔ جو مضامین مستقل طور پر ایک ایک کتاب میں سموئے جا سکتے تھے انھیں ان چھوٹے چھوٹے خطوط میں لکھ کر عام کر دیا۔ ضخیم کتابوں میں خواہ مضمون کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو پڑھنے میں طبیعت پر گرانی ضرور ہوتی ہے۔ مگر ان مضامین کو مختصر کر کے اس انداز میں لکھا جائے کہ مقصد فوت نہ ہو تو وہ بہت ہی نافع ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات اور مکتوبات ان کی مستقل تصنیفات سے زیادہ شایع ہوئے۔ چونکہ ملفوظات میں روزمرہ کے تذکرے ہیں اور مکتوبات قدرتی طور پر مختصر ہیں اس لیے اول میں سہولت بیان اور دوسرے میں اختصار ہے۔ برخلاف اس کے مستقل تصانیف میں ان باتوں کا خیال رکھنا ناممکن ہے۔ ان ملفوظات ومکتوبات میں مخدوم جہاں کی ذہانت وذکاوت نمایاں ہے۔ آپ کے خیالات کا اچھوتا پن، آپ کی دقت نظری اور پھر آپ کے انداز بیان نے ان کو گنگا جمنی بنا دیا ہے۔ ان کو شروع سے آخر تک تھوڑی دیر میں پڑھا جا سکتا ہے۔ ان کے پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج کوئی بات معلوم ہوئی جسے پہلے نہیں جانتے تھے بار بار ان مکتوبات کو پڑھا جائے تب بھی ہر بار یہی محسوس ہو گا کہ آج ایک نئی چیز معلوم ہوئی۔

صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں:-

"مکتوبات وملفوظات کو اٹھا کر دیکھو کہ مخدوم کی یہ خصوصیتیں ان کتابوں میں کیسی درخشاں نظر آتی ہیں۔ اور اس وقت تک نہ صرف بہار میں بلکہ تمام ہندوستان میں اولیت کا تمغہ پائے ہوئے ہیں۔ مخدوم کا ایک ایک مکتوب اور مخدوم کے ملفوظات کی ایک ایک بحث بڑی بڑی ضخیم کتابوں کا کام دیتی ہے۔ اس آزادی، شوخی اور قوت کے ساتھ بیان کا حق ادا کیا گیا ہے کہ یہ خاص طور سے کہا جا سکتا ہے کہ اس طرز بیان کا مخدوم بلا اشتراک اجارہ لیے ہوئے تھے۔" (سیرۃ الشرف صفحہ ۳۴۷)

Marfat.com

مکتوباتِ مخدوم جہاں کو اعلیٰ انشا پردازی کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اعلیٰ انشا پردازی کی تمام خصوصیات ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ زبان کی بے تکلفی، محاورات کا برمحل استعمال، روزمرہ، تمثیلات، اشارات اور استعارات وغیرہ سے بھی نہایت حسن کے ساتھ کام لیا گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے فصاحت و بلاغت کے بہترین نمونہ ہیں۔ گویا یہ ادبی جواہر ریزے ہیں جو صفحۂ قرطاس پر بڑے سلیقہ سے سجائے گئے ہیں۔ مزید براں جا بجا فارسی اشعار کے برمحل استعمال سے اس کو لالہ زار بنا دیا گیا ہے۔ یہ خطوط قلم سنبھال کر نہیں لکھے گئے۔ بلا تکلف خلوص کے ساتھ لکھے گئے ہیں جس کا صرف ایک مقصد تھا کہ بندے کا رشتہ اللہ سے جوڑ دیا جائے۔

مکتوبات کی زبان نہایت صاف ستھری اور نکھری ہوئی ہے۔ تصنع اور تکلف کا دُور دُور تک پتا نہیں۔ خالق و مخلوق کا باہمی رشتہ اور اخلاقِ انسانی کے متعلق مضامین ان مکتوبات میں افراط سے پائے جاتے ہیں۔ مسئلہ توحید کو جس خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے وہ انھیں کا حق ہے۔ مخدومؒ کی تعلیم، ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق، ان کا مخصوص انداز بیان یہ وہ عوامل تھے جو مکتوبات کو تکمیل کے درجہ تک پہنچا سکے۔ یہ مکتوبات مخدوم جہاں کی تعلیمات کا خلاصہ ہیں۔ اس لیے مخدومنا کی تعلیمات کا ذکر کرنا تحصیل حاصل ہے۔ غرض مکتوبات کی علمی و ادبی حیثیت مکمل ہے۔

مکتوبات کے مضامین پر اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ سارے مکتوبات کا ایک ہی موضوع ہے۔ اور وہ "رشتۂ خداوندی اور بندگی" ہے۔ اس سلسلہ میں جتنے بھی مضامین لکھے گئے ہیں وہ سب کے سب اسی ایک نکتہ کی توضیح و تشریح ہیں۔ یعنی اللہ اور بندے کا رشتہ کیا ہے، بندگی کیا ہے؟ اس کے فرائض و ذمہ داریاں کیا ہیں، بندہ کا اپنے پروردگار کے ساتھ کیا اور کیسا برتاؤ ہونا چاہیے؟ یہی باتیں ہیں جو مختلف انداز میں مختلف پہلوؤں سے دکھائی گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ضمنی طور پر اور بھی بحثیں آتی گئی ہیں جن سے آپ کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر مکتوبات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی رُوح ہے جو سارے مکتوبات میں کارفرما ہے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، سیر، تاریخ، منطق اور فلسفہ وغیرہ

Marfat.com

جس جس سے بحث کی گئی ہے سب کا سب ایک ہی نکتہ کی توضیح و تشریح ہے۔ دنیا کی خرابی کا ذکر ہو یا عمدگی کا، حق العباد کا تذکرہ ہو یا حق النفس کا، معاشرت و تمدّن کا بیان ہو یا علم و جہل کا سب کی غایت و غرض ایک ہی ہے اور سب کی بازگشت اسی اصل کی طرف ہے۔

دنیائے ادب میں شعر و شاعری کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قدر سوز و گداز اس سے پیدا ہوتا ہے اور کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اسرار و رموز کے اظہار کے لیے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لیے بھی اس فن کی اہمیت زیادہ ہے۔ مخدوم جہاںؒ نے تعلیم شریعت و طریقت کا چونکہ بیڑا اُٹھایا تھا اس لیے انھوں نے اس سے بہت کام لیا ہے۔

عام طور پر یہ سب کو معلوم ہے کہ مخدوم جہاں شاعر نہ تھے۔ مگر ان کے دو سہرے موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فارسی کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو فارسی شعرا کے دواوین میں نہیں ہیں۔ اگر قیاس کیا جائے کہ وہ اشعار خود مخدوم جہاں کے ہیں تو بعید از عقل نہ ہوگا۔ جہاں کہیں آپ نے دوسروں کے اشعار لکھے ہیں وہاں ذکر کر دیا ہے کہ فلاں نے اس طرح کہا ہے۔ مگر جہاں کسی کا نام نہیں ہے وہاں اس طرح لکھا ہے "کسی دیوانے نے کہا ہے" یہ دیوانہ خود مخدوم جہاں ہیں۔ ایک جگہ تو نام کو بطور تخلص بھی استعمال کیا ہے۔ ؎

شرف زنار و تسبیحت یکے شد
تو خواہی خواجہ شو خواہی غلامے

شاہ محمد نعیم فردوسی القادری
استاد شعبۂ اُردو۔ جامعہ سندھ
حیدر آباد (مغربی پاکستان)

Marfat.com

جلت کلمتہ

از سلطانِ جہانِ تجرید، اورنگ نشینِ مملکتِ تفرید

حضرت مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی فردوسی قدس اللہ سرہٗ

آن قدسی کہ نورِ جمالش جلال داشت[1] — در لا تمام بود در الا کمال داشت
شرف الحق آن کہ قطبِ زمین بود در زمان — در آسمان بہ جمع ملائک جمال داشت
آن شہسوار گوئے ز میدانِ صدق بُرد — چوگانِ ہمتش بہ فرس گاہ حال داشت
جولانِ رخشِ ہمتِ او در رہِ صفا — سرہائے سرورانِ جہان پائمال داشت
سین بود از سعادتِ خطِ جبینِ او — وز دولتِ او بکفِ قدم نقشِ دال داشت
از نارِ عشق سوختہ بُد پر و بالِ او — از نورِ صرفِ وحدتِ او پر و بال داشت
او در فنا بہ حد و نہایت رسیدہ بود — ملکِ بقائے ایزدِ باقی لزوال داشت
او بود بے عیاں اگرچہ از علوئے قدر — جملہ جہان ز مشرق و مغرب عیاں داشت
بے میلِ مال بود ولے دستِ پاکِ او — از فتح بابِ غیب دو صد گنج مال داشت

بے زلت و زلال قدم بر صراطِ او
عصمت بذاتِ پاک تن لایزال داشت

---

[1] مجموعہ اشعار صفحہ ۵۔

Marfat.com

جلتِ کلمشہ

(از مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی فردوسیؒ)

شدم فریفتہ رویت فسون چہ سود کند[1] | حدیثِ عقل و خرد در جنون چہ سود کند
چو من بہ جان و دلم کشتہ ام بہ غمزۂ تو | اگر بہ تیغ بریزی تو خون چہ سود کند
دلی نہ ام کہ بدنیا ے دون فرود آیم | مرا بدونِ تو دنیائے دون چہ سود کند
سرم کہ تیغ جفایت جدا بکرد از من | بہ آستانت نیفتاد خون چہ سود کند
دلم بہ عشوہ ربود ند چونکہ دلبندان | تو خواجہ پند دہی گر کنون چہ سود کند
برآ زمن کہ ترا دست سوئے خود خوانند | بہ آسمانِ توکل ستون چہ سود کند
پیام دوست چو آمد حدیث خلق گذشت | چو یارِ ناز کشی تو زبون چہ سود کند
چو آہنت بد مید م بسے ولیک ترا | چو آتشے نہ بود اندرون چہ سود کند
گزیدۂ غم او را فسون دمندت گر | بہ زہرِ مارِ محبت فسون چہ سود کند

زاہرِ ہر دو جہان گرچہ پاک شد برہان
بہ عشق و غم برسیدست چون چہ سود کند

[1] مجموعۂ اشعار صفحہ ۳۲۔

Marfat.com

جَلَّت کَلِمَتُہٗ

(از مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی فردوسی)

ما ببالِ عشق بالا می رویم[1]	از زمین بر چرخ اعلیٰ می رویم
خانہ و بازار و شہر و کوہ و دشت	ہر کجا عشق ہست آنجا می رویم
ما خودی از تیغ لا گردن زدیم	بر جمالِ عشق "اِلّاؔ" می رویم
عشق ما را از خمِ چوگان می زند	ہمچو گو از سر دوان، ما می زدیم
جذبِ حق ہست عشق ہم از جذبِ اُو	ما بہ سوے حق تعالےٰ می رویم
آمدہ بودیم از دریا بہ موج	باز ہم از موج دریا می رویم

خود نمی گنجد چو برہان در رہش
وز ہمیں از خویش یکتا می رویم

جَلَّت کَلِمَتُہٗ

(از مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی فردوسی)

عشق را ایمانِ عریان کردہ ام	عقل را از سر مسلمان کردہ ام
سر بریدم این عشق را یا سر دہم	با خدا این عہد و پیمان کردہ ام
اے غمِ کونین برخیز از دلم	من در ینجا دوست مہمان کردہ ام
چیستی و بیماریِ من چون زلست	ہم ترا دارو و درمان کردہ ام

کردہ ام نعلِ قدم از جان براہ
این سفر در سوے جانان کردہ ام

---

[1] مجموعۂ اشعار صفحہ ۵۹ ۔ [2] مجموعہ اشعار صفحہ ۶۱ ۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکتالیسواں مکتوب

ظاہر اور کھلے ہوئے ایمان کے بیان میں

برادر اعز شمس الدین اللہ تعالے اخلاق اور ایمان سے تم کو آراستہ کرے۔ جانو کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے اَلْاِیْمَانُ عُرْیَانٌ وَلِبَاسُہُ التَّقْوٰی (ایمان ننگا اور برہنہ ہے اور اس کا لباس تقوی اور پرہیزگاری ہے)۔ ایمان کا دروازہ بند نہیں ہے۔ ایمان تو بندشوں کا کھولنے والا ہے۔ ایمان تمام قفلوں کی کنجی ہے۔ خود قفل نہیں۔ عقل بھی ایک قفل ہے اور ایمان اس قفل کا کھولنے والا ہے۔ مرید کو چاہیئے کہ ان تمام چیزوں سے جو پیدائش کے زمرہ میں ہیں بالکل برہنہ ہو جائے تاکہ ایمان کا حسن اس پر ظاہر ہو لیکن تم تو اپنی ہی ہستی کے عاشق اور فریفتہ ہو۔ بھلا تم کو یہ توفیق کہاں کہ سرداری اور برتری کی ٹوپی سر سے اتار سکو اور نیک نامی اور شہرت کو برائی اور بدنامی سے بدل سکو، اور سلامتی کو ملامت کے ہاتھ بیچ ڈالو۔ تم روزانہ مدرسہ سے خراماں آتے ہو اور عبادت خانوں میں جاتے ہو تاکہ برتری اور سربلندی کی ٹوپی پہنو، اور پارسائی کے دربار میں بٹھائے علم اور مرتبہ کو بلندی حاصل ہو۔ زبان دراز ہوتی ہے تاکہ گفتگو (اور ڈینگ مارنے) کا میدان اور کشادہ ہو جائے۔ اس کا مقصد یہی تو ہے کہ تمہاری زبان درازی کی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ اور تم عوام پر اپنے علم کی فضیلت ثابت کرو اور خواص پر اپنی معرفت کا سکہ جماؤ۔

اے بھائی! حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی کھوٹی پونجی کے سہارے ہم کو اور تم کو خدا کی درگاہ میں جانے کا راستہ ہرگز نہیں مل سکتا۔ جو لقمہ باز کے حلق اور معدے کیلیے پیدا کیا گیا ہے ہم چڑیوں کے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے۔ جو کپڑے دولت مندوں اور اقبال والوں کیلیے بنائے گئے ہیں ہم جیسے مفلس اور ناداروں کے بدن پر کیونکر ٹھیک ہو سکتے ہیں ؎

ہر قطرے را کہ برافروختند ۔۔۔ جامہ براندازۂ تن دوختند

(جس نظر کو بصارت کی نعمت عطا ہوئی ہے۔ اُس نے بدن کے اندا نے سے کپڑا بنایا ہے)۔
حال یہ ہے کہ روزانہ باریک سے باریک باتیں نکلتی ہیں اور زمانہ ہے کہ اندھیرا ہوتا جاتا ہے۔ سنو، باریکی سوز و گداز میں پیدا ہونی چاہیے نہ کہ گفتگو میں۔ اگر کہیں ایسا ہوا کہ ہماری گویائی اور بکواس نے کل قیامت کے دن اپنا انصاف چاہا، تو ہمارے ساتھ وہی کیا جائے گا جو فرعون، نمرود، ابوجہل اور ابولہب کے ساتھ کیا گیا۔ جو لوگ کہ دیندار بنائے گئے ہیں ان میں کسی طرح کا لاف وگذاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی بُری نسبتیں ان کی ذاتِ گرامی سے جدا کر دی گئی ہیں۔ اور ان بزرگوں کا دامن دنیا کی آلائشوں سے ایک دم پاک وصاف ہے۔ اور جن جن چیزوں پر حدوث کا داغ لگا ہوا ہے ان کے ہاتھ کبھی اس سے آلودہ نہیں ہیں۔ ان کے دلوں پر ایک تجلیِ خداوندی چمکی اور اسی تجلی کی روشنی میں انھوں نے اس کو دیکھا۔ اور اس کے دیدار میں مستغرق ہو کر اپنے کو بھول گئے۔ اور اس کی ہستی کی خوشی میں اپنی ہستی سے بے خبر ہو گئے۔ اور بالکل اسی کے ہو رہے۔ بولے، مگر اس طرح کہ گویا نہ بولے۔ سنا بھی مگر ایسا کہ گویا نہ سنا۔ چلے بھی لیکن اس طرح کہ گویا نہ چلے اور بیٹھے بھی یوں کہ گویا نہ بیٹھے۔ ان کی ہستی میں ان کا کوئی وجود باقی نہ رہا۔ ان کی زبان بند ہو گئی۔ بولنے والے گونگے ہو گئے۔ ان کے کانوں کی قوتِ سماعت جاتی رہی، سننے والے بہرے ہو گئے۔ مخلوقات کے احوال سے بے خبر اور خدا کے دربار میں صاحبِ فہم وادراک بن گئے۔ اور وہ درجہ عطا ہوا کہ کونین کو ان کے مقامات کی خبر نہیں ہوئی یہ لوگ دل سے خدا کے ساتھ اور جسم سے لوگوں کے ساتھ ہیں۔ ان کا وجود دنیا والوں کے لیے مفید ہوتا ہے مگر وہ اپنے لیے کچھ نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ اپنی ہستی کو فنا کر چکے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو کام کرنے کا حکم نہیں دیتے بلکہ ان کے رجحان اور ذوق پر حکم لگاتے ہیں۔ پرندوں کو اُڑ جانے کا حکم نہیں دیتے بلکہ ان کو نیچے اترنے کا حکم دیتے ہیں۔ گِدھ بہت اونچا اڑتا ہے لیکن مردار پر اتر آتا ہے۔ باز اونچا نہیں اڑتا، لیکن جو شکار کرتا ہے زندہ کرتا ہے۔ کیونکہ اسے زندہ شکار میں ہی لذت اور مزہ ملتا ہے۔ اس لیے زندگی ہی تلاش کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب تک جان اس زندگی سے آشنا نہ ہو زندگی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتی۔ جو شخص اس جان سے جیتا ہے وہ اسباب کا غلام ہوتا ہے۔ اور جو خدا کے ساتھ جیتا ہے سارے اسباب اُس کے غلام ہوتے ہیں۔ خدا کے ساتھ زندہ رہنا عالمِ توحید کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا راز "اپنے کو نہیں دیکھنا، اور خود کو کھو دینا ہے۔" کہ مَنْ یَرٰی نَفْسَہٗ فَقَدْ اَشْرَکَ (جس نے اپنے کو دیکھا اُس نے شرک کیا) اپنے کو دیکھنا گویا اپنی شخصیت کو ظاہر کرنا ہے اور اس کے اظہار پر حد ضروری ہے۔ کیونکہ حدِ شریعت

ہونے پر کی جاتی ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ جس تخم سے خدا بچے پیدا کرتا ہے، وہ جب تک اپنی جگہ پر ہو شریعت کا کوئی حکم اس پر لاگو نہیں ہوتا۔ اس پر غسل واجب نہیں۔ لیکن جب اپنی جگہ سے ہٹ کر باہر نکل آئے اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ وہ خواہ جائز یا ناجائز صورت میں برآمد ہوا ہو۔ ہر بولنے والا جو اپنی گفتار سے ظاہر ہو گیا چاہے کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھے یا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی دونوں کی حیثیت ایک ہے یہیں سے حضرت امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تاویل کرو، جیسا کہ آپ نے فرمایا اِنْ صَلَّیْتُ اَشْرَکْتُ وَاِنْ لَّمْ اُصَلِّ کَفَرْتُ (اگر میں نے نماز پڑھی تو شرک کیا اور نہ پڑھی تو کفر کیا) جو علم تم کو تمہاری ہی طرف دوڑائے وہ علم درحقیقت تمہاری ہی آنکھوں پر پردہ ڈالتا ہے! اور جو علم تم کو خدا کی طرف لائے وہی حقیقت اور معرفت کا علم ہے۔ وہ علماء جو اپنی عقل و سمجھ کے دائرے میں مقید ہیں، ان کا علم محسوسات اور ظاہری جز و کل کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ جو کوئی محسوسات کی حدود میں گھر کر رہ گیا ہے، محجوب ہو گیا ہے اور غیبی فائدوں سے محروم رہ گیا ہے۔ اور وہ علم جو زندگی کے چشموں سے ابلتا ہے اُس کو ظاہری حواس کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حواس کے عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کے وقوعِ زمانہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور وہ علم جو تم کو تمہارے ساتھ الجھائے نہ رکھے اور دوسروں کو بھی تمہارے ساتھ اُلجھنے کا موقع نہ دے وہ علم حجاب راہ نہیں ہے۔ استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بالکل سادہ لوح اور اَن پڑھ بن کر علم حاصل کیا ہے۔ لیکن جو اپنے علم میں مغرور رہا اور اس سے ذرا بھی نہ کھسکا اس سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے حرفوں ہی کے حجاب میں مبتلا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس بادام ہے۔ وہ بادام کا چھلکا تو دیکھتا ہے لیکن بادام کا مغز نہیں دیکھتا۔ زندگی اور طاقت چھلکے میں نہیں ہے چھلکا تو صرف مغز کا لباس ہے تاکہ مغز (یعنی معنی) ہر نا اہل پر ظاہر نہ ہو سکے۔ یہ باتیں علمائے ظاہر کے دفتر میں نہیں۔ اگر یہ باتیں علمائے ظاہر کے سامنے بیان کرو تو کہیں گے یہ سب اباحیت ہے اور شریعت میں دھبہ لگاتا ہے۔ اور ایک دوسری جماعت کہے گی یہ تو جبریہ فرقہ والوں کا نظریہ ہے۔ اب تم سمجھو کہ یہ نہ جبر ہے نہ قدر ہے اور نہ ترکِ شریعت ہے بلکہ خالص توحید ہے کسی نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

بندہ بجائے رسد کہ خود شود
بعد ازاں کار جز خدائی نیست

(بندہ خدا کی تلاش میں ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے کہ خود کھو جاتا ہے اس کے بعد خدا کا کام ہے)

Marfat.com

جہاں پہنچا سے)۔ اے بھائی! بہت ممکن ہے کہ بتخانہ مسجد بن جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی دن مزبلہ صدرِ مقام ہو جائے۔ ہاں، معمولاتِ خداوندی کے اسباب اسی طرح جاری ہیں کہ لوہے کا زنگ آلودہ ٹکڑا کبھی آئینہ بن کر چمکنے لگتا ہے اور اس میں چیزوں کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ لیکن کب؟ جب ایک ہنرمند استاد آگ کی دہکتی بھٹی میں اسے جھونکتا ہے اور گھن پر رکھ کر خوب کوٹتا ہے اور میل کچیل صاف کرتا ہے۔ اس کے بعد صیقل گر اُسے خوب رگڑ کر چمکا دیتا ہے اور پہلی جو چیز اس سے ظاہر ہوتی ہے، وہ صیقل گر کا حسن و جمال ہے۔ ٹھیک اسی طرح بشریت کے وجود کو ریاضت و محنت و مشقت کی بھٹی میں ڈال دینا چاہیے اور مجاہدہ کے گھن پر کوٹنا چاہیے۔ اس کے بعد عشق جیسے صیقل گر کے سپرد کرنا چاہیے تاکہ انسانیت کی آلودگی کا زنگ صاف کر دے۔ فوراً عالمِ باطن کا عکس اس میں نظر آنے لگے گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ اپنی صورت دیکھنے کے لیے بادشاہ کو اس آئینہ کی ضرورت پڑ جائے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

ما آئینہ ایم و او جمالے دارد   او را ز برائے دیدِ او در یابیم

(ہم آئینہ ہیں اور وہ حسن رکھتا ہے۔ ہم اس کو اسی کی خود بینی کے لیے تلاش کرتے ہیں)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیالیسواں مکتوب

ایمان کی صداقت میں

برادر اعز شمس الدین معلوم کرو کہ ایمان کی سچائی اللہ تعالےٰ کی بزرگی کو قائم رکھتا ہے اور بزرگی کے قیام کا نتیجہ خداوند تعالےٰ سے شرم کرنا ہے۔ جب ایمان ہوگا تو اسرار کا مشاہدہ ہوگا اور جب مشاہدہ صحیح ہوگا تو تعظیم بجالائے گا۔ جب باطن میں تعظیم ہوگی تو ظاہر بھی اس کی متابعت کرے گا۔ باطن میں تعظیم دیکھے گا تو ظاہر کو اس کے خلاف کرنے سے شرم آئے گی۔ اس گروہ کے نزدیک مشاہدہ کے معنی باطن کا دیکھنا ہے ظاہر کا نہیں اور یہ بات اگرچہ بہت چھوٹی ہے لیکن دونوں جہان کا علم اس میں سمویا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس مرتبے تک اسرارِ خداوندی کا مشاہدہ ہوگا ماسوا کا وجود اس سے جدا ہوتا جائے گا۔ جب کمالِ استغنائے الٰہی کا مشاہدہ ہوگا ساری خواہشیں اور لالچ اس سے دور ہو جائیں گی۔ جب کمالِ قدرت کا مشاہدہ کرے گا تو سارا خوف اس کے دل سے جاتا

رہے گا۔ اور جب خدا کے اکرام و مہربانی کا مشاہدہ ہوگا تو خدا کے ساتھ اس کو اتنی محبت ہوگی کہ کسی اور کی محبت اُس کے دل میں باقی نہ رہے گی۔ اور جب خدا کے انتہائی فضل و عطا کا مشاہدہ ہوگا تو افعال و احوال کے دیکھنے کی طاقت اس کے وجود میں باقی نہ رہے گی! اور جب خدا کے کرم و بخشش کا مشاہدہ ہوگا تو اس کو خدا کی ذات کے ساتھ اس قدر سرور و نشاط ہوگا کہ سارے جہان کو اس کی ضرورت لاحق ہوگی۔ اور جب خدا کے قہر کا مشاہدہ ہوگا تو ساری عقل و سمجھ اس کے دل و دماغ سے نکل جائے گی! اور جب خدا کے کاموں کی بے سببی کا مطالعہ کرے گا تو اس کو اپنے کسی کام پر بھروسہ نہ رہے گا۔ اور جب اس کی بزرگی اور جلال کا مشاہدہ ہوگا تو اس کو بے تعلقی کا خوف و ہراس ایسا ہوگا کہ اس کو کسی طرح قرار و آرام حاصل نہ ہو سکے گا۔ اصل بھید یہ ہے جیسا کہ کہا ہے ؎

ہیچ نہ در محمل و چندین جرس ہیچ نہ در کاسہ و چندین مگس

خلوتِ خود ساخت عدم خانہ را باز گذار این دہ و ویرانہ را

(محمل میں کوئی نہیں ہے اور اس قدر گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ پیالے میں کچھ نہیں ہے اور اس قدر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ عدم آباد میں اپنا گھر بنایا (تو) اس دنیا کی ویران بستی کو چھوڑ دو) پھر اگر ایمان میں اس درجہ کی صداقت نہ ہو کہ مشاہدہ ہو سکے تو کم سے کم ایمان میں اتنا صدق تو ہو کہ اگر ہم خدا کو نہیں دیکھتے تو خدا ہم کو دیکھ رہا ہے۔ اس وقت کم سے کم اس کی اتنی تعظیم تو کرے جتنی مخلوق کی کرتا ہے۔ پس اس وقت جبکہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ مخلوق اس کے کاموں کو دیکھے تو وہ یہ بھی نہ چاہے گا کہ خالق اس کے کاموں کو دیکھے۔ اور یہ جو ہم نے کہا معاملہ فہموں کی زبان ہے۔ لیکن اربابِ حقیقت کے نزدیک یہ بھی کفر ہے کہ خداوند تعالےٰ سے اتنی ہی شرم کرے جتنی مخلوق کی کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے نزدیک خلق اور خالق دونوں برابر ہیں۔ اور اور نعوذ باللہ جس شخص کا اعتقاد ایسا ہو وہ کافر ہے۔ اے بھائی! پھر ہم سیاہ رویوں کا حال جس کو مخلوق کی شرم خدا کی شرم سے کہیں زیادہ ہے، تو پھر ہم اور تم کہاں اور ایمان کہاں؟ ایمان یہاں سے ہے جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

چون مردِ دین نبودم کیشِ مغان گزیدم وین رفت از میانہ زناری نہ بستم

(ہم دین اور شرع کے آدمی نہ تھے اس لیے بت پرستوں کا مذہب اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین تو چلا ہی گیا، ہم زنار بھی نہ باندھ سکے)۔ اگر بزرگوں کے شرعی حیلے اس مسئلہ میں نہ ہوتے تو ہم اور تم کبھی کے درگاہِ خداوندی کے رانندۂ دربار ہو جاتے اور بتخانوں میں بھی ٹھکانا نہ ہوتا ؎

اے برہمن یاد دہ رد کردہ اسلام را یا چوں من گمراہ را در پیش بت ہم بار نیست

(اے برہمن اسلام کی درگاہ سے نکالے ہوئے کو جگہ اور پناہ دے یا مجھ جیسے گمراہ کو بتوں کے سامنے جانے کی بھی اجازت نہیں) ۔ اور وہ حیلۂ شرعی یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ ملامت کرنے والوں سے خوف زدہ رہتے ہیں اور بخشش کرنے والوں کے لطف و کرم پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ تو ہمارا اور تمھارا یہ ترکِ ادب کسی بے حرمتی کے خیال سے نہیں ہے بلکہ خداوند تعالےٰ کی بے انتہا بخشش کی وجہ سے ہے! اور بے انتہا نوازش و بخشش بندے کو شوخ بنا دیتی ہے۔ اور مخلوق چونکہ درگذر نہیں کرتی اس لیے ان کی ملامت سے بندہ خوف زدہ رہتا ہے۔ اس کا اصل مطلب یہی ہے، نہ یہ کہ بندے کو خدا پر فضیلت دیتا ہے۔ بزرگوں کی اسی ایک تاویل سے کچھ امید باقی رہ جاتی ہے نہیں تو اپنے اس ایمان کو جو زنار کے برابر ہے اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ کسی دل جلے نے یہی بات کہی ہے مرباعی۔

بستر دنی است ہر انچہ بنگاشتہ ایم فگندنی است ہر انچہ بر داشتہ ایم

سود الودست ہر انچہ پنداشتہ ایم دردا کہ بہ عشوہ عمر بگذاشتہ ایم

(جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ مٹا دینے کے لائق ہے ہم نے جو کچھ اٹھایا ہے پھینک دینے کے لائق ہے۔ جو کچھ ہم نے جانا اور سمجھا وہ خیال اور وہم تھا۔ افسوس! افسوس!! کہ دل لگی میں ہم نے عمر ضایع کردی) ۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے وَ اَسْوَاتَاہُ وَاِنْ عَفَا اَلَیْسَ یَعْلَمُ مَا فَعَلْتُ (برابر ہے اس کو اگر وہ بخش دے۔ کیا وہ نہیں جانتا جو کچھ میں نے کیا ہے) جب علم کی یہ تردیگی حاصل ہوتی ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ حق تعالیٰ یہی دیکھتا اور یہی جانتا ہے۔ اس وقت بندے اور گناہوں کے درمیان ہزار آہنی دیواریں حائل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ بندے کا حال گناہ کرنے کے وقت تین حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ یا خداوند تعالیٰ کے جلال کو بھول بیٹھا۔ اس فراموشی کی سزا یہ تھی نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ (وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔ یا خود ہی نہیں جانتا اور خدا کے جلال کی عظمت سے واقف نہیں ہے۔ اگر یہ حال ہے تو اس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں ہے۔ اور اگر جانتا ہے اور سب کچھ یاد بھی ہے اس کے باوجود ڈھٹائی کرتا ہے تو یہ سخت بے حرمتی ہے۔ اگر سو ہزار ایمان بھی رکھتا ہوگا، ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب ان بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ نے خدا کو کیونکر پہچانا تو کہا ہم نے کبھی کسی گناہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا مگر یہ کہ اسی وقت ہم نے خدا کو یاد کیا۔

Marfat.com

اُس سے شرم کی اور باز آیا۔ اور یہ قرب، قربِ قدرت ہے۔ خدا کی توانائی کا مشاہدہ کرنے والوں کے لیے ہر سانس، ہر لحظہ اور ہر خطرے میں ان کا یہی حال ہوتا ہے کہ نافرمانی اور خلاف کرنے کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا۔ اعضا سے ارتکاب کرنا کب ممکن ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ قرب "قرب معرفت تعظیم" ہو۔ اور تعظیم کے انداز سے احترام ہوگا جس قدر احترام ہوگا اتنی ہی شرم ہوگی اور جتنی شرم ہوگی اتنا ہی گناہوں سے دُوری ہوتی جائے گی۔ جسے گناہوں سے دوری نہیں ہے، شرم نہیں ہے۔ اور جب شرم نہیں تو احترام نہیں جب احترام نہیں تو تعظیم نہیں جب تعظیم نہیں تو مشاہدہ بھی نہ ہوگا۔ اور جب مشاہدہ ہی نہیں ہے تو خدا کی معرفت کہاں؟ یہاں سے صاحب شریعت کا فتویٰ معلوم کرو کہ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ لَآ اِیْمَانَ لِمَنْ لَاحَیَاءَ لَہٗ (شرم ایمان کا ایک جزو ہے جس کو شرم نہیں اس کو ایمان بھی نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا ہے اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَۃِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ (شرم ایمان کا ایک حصہ ہے جیسا کہ جسم میں سر کا مرتبہ) جب کوئی جسم بغیر سر کے قائم نہیں رہ سکتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان بھی بغیر شرم کے باقی نہیں رہ سکتا۔ ؎ قطعہ

اے دلِ فاسق بگو این چہ تبہ کاری ست	فسق نہ باشد نکو این چہ گنہگاری ست
دعوئے مہر و وفا می کنی اے بے صفا	ترک نہ گیری جفا این چہ وفاداری ست

(اے بدکار دل بتا، تو کس تباہی میں مبتلا ہے۔ برائی کوئی اچھی چیز نہیں کیوں گناہ کرتا ہے۔ اے تاریک دل تو محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جفائیں چھوڑتا نہیں، اسی کو وفاداری کہتے ہیں۔ قِیْلَ الْمُؤْمِنُ مُنِیْبُ الْقَلْبِ اِلٰی رَبِّہٖ (مومن منیب قلب کہا جاتا ہے جو اپنے پروردگار کی طرف نیابت کرنے والا ہوتا ہے) یعنی ہر وقت اور ہر حال میں خدا ہی کی طرف لوٹتا ہے۔ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ کا بیان ہے۔ ان میں ایک نے نعمت اور دولت پائی اور ایک نے بلا اور مصیبت نعمت اور بلا دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن ان دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک نے خدا کی طرف رجوع کیا۔ اور انھوں نے نعمت کے باوجود نعمت کی لذت نہیں اٹھائی وہ نعمت دینے والے کی طرف دھیان لگائے رہے۔ اور شکر لانے میں نِعْمَ الْعَبْدُ کا خطاب پایا۔ اور دوسرے نے بلا کی حالت میں بلا دینے والے کو دیکھا صبر و شکر کے ساتھ اسی کی طرف رجوع کیا اور بلا سے فریاد نہیں کی نعم العبد کہہ کر سراہے گئے اور خدا کے ساتھ رجوع کرنا یہ ہے کہ بندے کو جو واقعہ کہ دنیا میں سامنے آتا ہے دو حال سے خالی نہیں ہے۔

یا نعمت ہے یا بلا۔ اور دونوں کے وسیلہ سے خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور ان ہی دونوں کے ذریعہ خدا سے جدا بھی ہو سکتا ہے۔ اور آخرت کے علم میں بھی دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا پرہیزگاری ہے یا گنہگاری اور ان دونوں کے ذریعہ خدا سے کٹ سکتا ہے۔ اور خدا تک پہنچ بھی سکتا ہے۔ خدا سے کٹ جانے کے اسباب ان دونوں میں سے یہ ہوں گے کہ اپنی عبادت پر نظر رکھے اور گھمنڈ کرے اور گناہوں کو نہ دیکھے اور فراموش کر دے جب اپنی عبادتوں کا دھیان لایا خدا کے احسان اور اکرام کو بھول گیا۔ اور جب گناہوں کو نہیں دیکھا خدا کا احترام بھول بیٹھا۔ یہ دونوں باتیں بندے کو خدا سے کاٹ دیتی ہیں لیکن دونوں کا خدا تک پہنچنا اس طرح ہوگا کہ عبادت کو نہ دیکھے اور گناہوں کو دیکھے۔ جب عبادت کی پونجی کو دھیان میں نہ لائے گا تو خود کو مفلس پائے گا اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ سوال کرتا ہوا آگے بڑھے گا۔ یہ سمجھ کر نہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں۔ محض اس کے فضل و احسان پر نظر رہے گی نہ کہ اپنی عبادت اور خدمت پر۔ اور جب گناہوں اور نافرمانی کو دیکھے گا عذر اور معافی چاہے گا اور اس کا وہم و گمان تک نہ لائے گا کہ گناہ کر کے ہم نے بے حرمتی کی ہے۔ اس کی عظمت کا جلوہ گناہوں سے روکے رکھے گا۔ اور دونوں اس لیے خدا تک پہنچنے کا وسیلہ بن جائیں گے۔ یہی راز ہے جس کو کہا ہے ؎

فسقے کہ تو بہ باشد پایان کار او | بہتر ز طاعتے کہ بہ پندار سر کشد

(جس برائی کے بعد توبہ کی جائے گی وہ اس نیکی سے کہیں اچھی ہے جو غرور اور تکبر پیدا کرتی ہے) اور کہا گیا ہے اَلْمُؤْمِنُ مُحْتَرِقٌ بِقُرْبِہٖ وَصَارِخٌ مِنْ بُعْدِہٖ (اس کی نزدیکی سے مومن کا دل جلا جاتا ہے اور اس کی دوری سے فریاد کرتا ہے۔ یہیں سے کہا گیا ہے ؎

آن کس کہ بدید کیسہ یارا | با نقش قبا چہ عشق بازد

(وہ کپڑوں کے گل بوٹوں سے کیوں عشق کرے گا جس نے خود خدا ہی کو دیکھا ہے)۔ قرب حاصل ہونے پر بھی اس طرح فریاد کرتا ہے کہ اس کو قرب حاصل نہیں ہوا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب مطلوب کی صفات کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ جہاں تک ڈھونڈتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تلاش ہی نہیں کیا اور جتنا بھی پاتا ہے وہ نہیں پانے کے درجہ میں ہے۔ اس لحاظ سے قرب سے محروم اور جلا ہوا رہتا ہے اور اس قرب پر بھی دوری کی فریاد کرتا ہے۔ اسی کیفیت کی بنا پر کسی کہنے والے نے کہا ہے ؎

تا یار جمال خویش بنمود | مسکین دل من گہے نیاسود

(جتنا بھی دوست نے اپنا جمال دکھایا میرا غریب دل کبھی سیر نہ ہوا)۔ اور ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ یہ جانے کہ قرب اور بُعد میرے ساتھ نہیں ہے بلکہ دونوں خدا کے ساتھ ہیں جس طرح وہ کسی کے ساتھ رُکا ہوا نہ رہے گا اسی طرح اس کا کام بھی کسی چیز سے رک نہیں سکتا۔ ایسا ہوگا کہ قرب کو بُعد کا لباس اور بُعد کو قرب کا لباس پہنا دیا گیا ہو کیونکہ اس کا کام قیاس پر ٹھیک نہیں اترتا جب ایسا ہے تو اگرچہ اپنے بدن پر قرب کا خلعت دیکھے گا تو بھی بُعد کے مکر سے بے پروا نہ رہے گا۔ ورنہ وہ نعمتوں کے خوف کو محنت بنا دے گا اور کل نعمتوں کی لذت کو چھین لے گا۔ مکر کے خوف سے جو قرب کی لذت اس نے حاصل کی تھی اس کے دل سے سب رخصت ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرب ہونے کے باوجود بھی آرام نہ پائے گا۔ اور جس چیز سے آرام نہ پائے گا اس کا وجود نیست و نابود ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے قرب سے جل جاتا اور بُعد سے فریاد مچاتا ہے۔ کسی دل جلے نے کہا ہے ؎

بندہ را با تو چہ نسبت کہ بہ گنجِ خوبی پادشاہے تو ئی و من مفلس مادر زادم

(بندے کو تیرے ساتھ کیا نسبت ہے کیونکہ تو خوبیوں کا خزانہ ہے۔ تیری حیثیت ایک شہنشاہ کی ہے اور میں پیدائشی ایک قلاش فقیر ہوں)۔ اے بھائی! خدا کے احکام عقل و سمجھ اور قیاس سے بالاتر ہیں۔ آدم صفی اللہ نے کیا کیا تھا کہ ان کو صفوت کا خلعت پہنایا گیا۔ اور کم بخت شیطان نے کیا کیا تھا کہ فرشتوں کا لباس اُس کے بدن سے اتار لیا گیا۔ اگر اصطفا یعنی پاکیزگی کا سبب صفائی ہے تو چاہیے کہ علت کے ذخیرے میں آگ لگا دے تاکہ پہلے ہی قدم میں اس کو جنت عدن میں پہنچا دے۔ اگر شیطان کی نافرمانی کو اصل قیاس کیا جائے اسی قیاس کا اس نے جواب دیا۔ اس معنی کر کہ اگر شیطان سے کہا گیا کہ حضرتِ آدمؑ کو سجدہ کر اور اس نے سجدہ نہیں کیا۔ اور اسی طرح حضرتِ آدمؑ سے بھی کہا گیا کہ گیہوں نہ کھاؤ اور انھوں نے کھا لیا۔ پھر کیا سبب تھا کہ ان کو پاکیزگی اور صفائی کا تاج پہنایا گیا اور اُس بدبخت کو راندہ دیا گیا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ کبھی بھی وہ مردود مقبول نہ ہو سکے۔ سر پر خاک اڑاتا ہے اور کہتا ہے رباعی۔

نے روزِ بہی نہ جائے فریاد مرا نے نیز کند بہ وصل دل شاد مرا
بنگر کہ بہ عاقبت چہ افتاد مرا معشوق بدستِ دشمنان داد مرا

(نہ بہبود کو خوشی کے دن ہی نصیب ہیں نہ فریاد کرنے کا کوئی موقع ہے۔ نہ کبھی اپنے وصال کے پیغام سے میرے دل کو خوش کرتا ہے۔ ذرا دیکھو تو اس کے نتیجہ میں میرے اوپر یہ مصیبت آئی۔ ہے کہ معشوق نے

مجھ کو دشمنوں کے سپرد کر دیا ہے)۔ ابھی تک حضرت آدمؑ نے گیہوں نہ کھایا تھا کہ اجتباء کا تاج ان کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اور اب تک شیطان نے دم مارا بھی نہ تھا کہ لعنت کی تلوار کو عتاب کے پانی سے زہر آلود بنا دیا گیا تھا۔ وہ کم بخت کہتا ہے کہ اگر ہم کو کہا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرا اور ہم نے نہیں کیا تو حضرت آدم سے بھی کہا گیا گیہوں نہ کھاؤ انھوں نے کھا لیا تو دونوں ہی ایک دوسرے کے برابر ہو گئے۔ اسی موقع پر کہا ہے ؎

نے، مکن چندین قیاس اے حق شناس زانکہ ناید کار بے چون در قیاس
عقل در سودائے او حیران بماند جان زعجز انگشت در دندان بماند
در جلالش عقل و جان فرتوت شد عقل حیران ماند جان مبہوت شد

(اے حق شناس اس قدر قیاس کے گھوڑے نہ دوڑا۔ کیونکہ خدائے بے چون کے کام عقل و فہم سے باہر ہیں۔ عقل اس کی حقیقت کے ادراک میں حیران ہے اور جان اپنی بے بضاعتی کو دیکھ کر انگشت بدندان۔ اُس کی عزت و جلال کے سامنے عقل ضعیف و عاجز ہو گئی۔ بلکہ عقل و جان دونوں ششدر ہو کر رہ گئیں۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تینتالیسواں مکتوب ۴۳

اسلام کے شکر اور رابعہ بصریؒ اور ابراہیم ادہمؒ کے ذکر میں

برادر اعز شمس الدین آگاہ ہو کہ اسلام سب نعمتوں کی جڑ ہے تم کو چاہیے کہ کسی وقت بھی اس نعمت کے شکریہ سے خاموش نہ بیٹھو۔ اور ایسا خیال کرو کہ اگر ابد لائے آفرنش میں پیدا ہوتے اور اس وقت سے قیامت تک اس انعام کا شکر بجا لاتے جب بھی اس نعمت کی عطا کا حق شکر ادا نہ کر سکتے۔ روایت ہے کہ جب قاصد مصر سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشخبری ان کو دی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کس دین و مذہب پر تو نے پایا۔ قاصد نے کہا دینِ اسلام پر۔ آپ نے فرمایا ہاں، اب نعمت ختم ہوئی۔ تم کو چاہیے کہ کسی وقت بھی اس نعمت سے غافل نہ رہو کیونکہ روایت ہے حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اسلام کے نقصان سے

Marfat.com

بے پرواہ ہو اس کے دل سے اسلام بالکل زائل ہو جائے گا۔ اس سے خدا کی پناہ۔ اور آپ ہی کا یہ واقعہ ہے کہ ہر سانس میں فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ (اے اللہ ہم کو مسلمان بنا مسلمان بنا) یعنی سلامتی عطا فرما۔ جیسا کہ کشتی ڈوبنے کے وقت کوئی کہے کہ اے اللہ ہم کو سلامت رکھ۔ اور ایک بزرگ سے نقل ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک پیغمبر نے خدا سے سوال کیا بلعم باعور کے حال اور اس کے مردود بارگاہ ہونے کے متعلق۔ کیونکہ اس قدر بزرگی اور علم کے باوجود کہ جب سر اٹھاتا تھا تو عرش معلی کو دیکھتا تھا۔ اس کی مجلس میں بارہ ہزار علما سبق پڑھتے تھے جب خدا کا فرمان پہنچا کہ ہم نے اس کو علم کی دولت عطا فرمائی تو شکر بجا نہیں لایا۔ اگر تمام عمر میں ایک دفعہ بھی شکر کرتا تو کبھی وہ نعمتیں اس سے نہ چھینی جاتیں۔ اور نعمت کا چھن جانا نعمت ملنے کے بعد بڑا سخت عذاب ہے۔ اسی موقع پر کہتے ہیں اَلْفِرَاقُ بَعْدَ الْوِصَالِ اَشَدُّ یعنی وصل کے بعد جدائی بڑا سخت کٹھن معاملہ ہے۔ دانشمندوں نے کہا ہے کہ ہم نے دنیا کی تکلیف اور مصیبت کو دیکھا تو پانچ بہت سخت نظر آئیں۔ ایک پردیس میں بیماری، دوسری بڑھاپے میں مفلسی، تیسرے جوانی کی موت، چوتھی بینائی کے بعد آنکھوں کی روشنی کا چلا جانا۔ پانچویں وصل کے بعد جدائی۔ اور اگر تم کہو کہ ان سختیوں اور دشواریوں کے باوجود کس شخص میں اس کی تاب و طاقت ہے کہ اس کی شرطیں بجا لائے تو سن لو کہ قرآن مجید یہی فتویٰ دیتا ہے وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (ہمارے بندوں میں شکر کرنے والے بہت کم ہیں)۔ لیکن فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (یعنی جو لوگ ہمارے لیے جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں)۔ تو کمزور بندے کے سامنے جو کچھ آتا ہے اس پر وہ قائم رہے۔ تم کیوں خدائے قدیر و غنی و کریم و رحیم پر گمان کرو گے کہ تمھاری جدوجہد کو وہ برباد کر دے گا۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ اور اگر یہ شبہ کرو کہ انسان کی زندگی تھوڑی ہے اور راستہ کی مشکلیں سخت اور بہت ہیں۔ زندگی کیونکر ساتھ دے سکتی ہے کہ آدمی کل شرطیں بجا لائے اور ان مشکلات کو طے کرے۔ جان لو کہ راستہ کی دشواریاں بہت ہیں اور اس کی شرطیں بھی بڑی کڑی ہیں لیکن جب خدا چاہے کہ بندے کو قبول فرمائے تو اتنا لمبا راستہ مختصر کر دے گا اور مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ تا کہ ان مشکلوں کے حل ہو جانے پر یہ کہے کہ راستہ کس قدر نزدیک ہے۔ اور کتنا آسان یہ کام ہے یہیں پر بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ خدا تک پہنچنے کی راہ صرف دو قدم ہے۔ اور اس میں فرق ہوتا گیا ہے کسی نے ستر برسوں میں راستے کی مشکلیں طے کی ہیں اور کسی نے بیس ہی برس میں اور

Marfat.com

کوئی دس برس میں، اور کوئی ایک برس میں، اور کوئی ایک مہینہ میں، بلکہ ایک ہفتہ میں، بلکہ ایک گھڑی میں۔ اور کوئی ایسا بھی ہے جو خدا کی مدد سے پل بھر میں راستہ طے کر لے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اصحاب کہف کو پل بھر سے زیادہ نہیں گذرا کہ جب دقیانوس کے ملک میں گڑبڑی دیکھی کہا ہمارا پروردگار زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور دیکھ لیا اس راستہ میں جو جو حقائق ہیں۔ اور اس راستے کو طے کر لیا اور مستقیموں اور متوکلوں کے گروہ میں داخل ہو گئے۔ اور ان کے لیے اس راہ کی مسافت پل بھر میں حاصل ہو گئی اور فرعون کے جادوگروں کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ان کی مدت بھی ایک لحظہ سے زیادہ نہ تھی۔ کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو پکار اٹھے ہم خدائے دوجہاں پر ایمان لائے اور راستہ دیکھا اور طے کر لیا۔ اور ایک گھڑی سے دوسری گھڑی تک بلکہ ایک گھڑی سے بھی کم مدت میں عارفوں کے گروہ میں شامل ہو گئے اور دیدار الٰہی کے مشتاق بن گئے۔ یہاں تک کہ دفعۃً بول اٹھے ہم لوگ اپنے خدا کی طرف لوٹنے والے ہیں ہمارے لیے کوئی نقصان نہیں ہے تیرا جو جی چاہے کر۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اسی بھید کو سامنے رکھ کر کہا ہے ؎

گہ سگے را رہ دہد تا پیش گاہ   گہ کند مر گربہ را مکسوف راہ

(کبھی کتے تک کو اپنی کرسی کے پاس بلا لیتا ہے کبھی بلی کے لیے راستہ بند کر دیتا ہے)۔ قصہ ہے کہ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے کام دھندوں میں لگے رہتے تھے جب دنیا سے منہ پھیر کر آپ نے سلوک کا راستہ اختیار کیا اُن پر ایک نماز کے وقت سے زیادہ کی مدت راہ کے طے کرنے میں نہیں لگی۔ کہ بلخ سے آپ مرو تک پہنچے۔ یہ واقعہ ہوا کہ ایک شخص پل پر سے ندی میں گر رہا تھا آپ نے انگلی سے اشارہ کیا کہ رک جا۔ وہ شخص ہوا میں معلق کھڑا ہو گیا اور مرنے سے بچ گیا۔ اور حضرت رابعہ بصریؒ ایک لونڈی تھیں جو ادھیڑ ہو چکی تھیں۔ بصرے کے بازار میں ان کی طرف کوئی خریدار توجہ نہیں کرتا تھا چونکہ ان کا سن زیادہ ہو چکا تھا سوداگروں میں سے کسی نے سو روپیہ میں آپ کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ اور حضرت رابعہؒ نے جب سلوک کا راستہ اختیار کیا عبادت کرنے لگیں۔ ابھی سال ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ بصرہ کے عابد اور علماء ان کے مرتبے کی عظمت اور بڑائی کی وجہ سے زیارت کو آنے لگے۔ لیکن جو محروم القسمت کہ اس پر خدا کی عنایت کی نظر نہ ہو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مشکلات راہ کی کسی ایک شاخ میں ستر برس تک اٹک کے رہ جاتا ہے اس طرح کہ راستہ طے نہیں کر سکتا اور ہمیشہ چیختا چلاتا

رہتا اور فریاد کرتا ہے کس قدر یہ راستہ باریک اور کس قدر کام سخت ہے۔ اور سمجھو کہ ایک ہی اصل حقیقت کی طرف سب کام لوٹتا ہے۔ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (اور یہ خدائے دانا و بزرگ کی مشیئت ہے۔ اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایک شخص خاص عنایت کے ساتھ کیوں نوازا گیا اور ایک دوسرا شخص خاص توجہ سے کیوں محروم کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں عبادت اور بندگی میں بالکل شریک تھے۔ اے بھائی! بہت عرصہ ہوا کہ جہاں میں آواز دے چکے ہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا)۔ سارے علم و عقل یہاں نیست و نابود ہو جاتے ہیں جیسا کہ کہا ہے ؎

صد ہزاراں سر درین رہ گوے شد
بسکہ خونہا زین سبب در جوے شد

صد ہزاران عقل این جا سر نہاد
وانکہ او ننہاد سر در رہ فتاد

(اس راستہ میں ہزاروں سر گیند بن کر ٹھوکروں سے اڑ گئے۔ اسی سبب سے ندیوں میں خون بھر گیا۔ ہزاروں عقلوں نے یہاں سر ڈال دیا۔ اور جس نے سر نہیں رکھا وہ راستہ میں پڑا رہ گیا)۔ ایک بزرگ نے اسی موقع پر کہا ہے قَتَلَتْنِي مَسْئَلَةُ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ (ہم کو مار ڈالا قضا و قدر کے مسئلہ نے۔ اس راستے کی مثال عقبیٰ میں پل صراط کی ہے۔ یعنی کوئی شخص ایسا بھی ہوگا کہ بجلی کی طرح وہ پل صراط کو عبور کرلے اور کوئی ایسا ہوگا جو ہوا کی طرح پل سے گذر جائے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا جو پرندوں کی طرح طے کرلے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا جو گھوڑے کی طرح دوڑ لگا کر چلا جائے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا کہ جب دوزخ کی آواز اس کے کان میں پہنچے گی اس کی ہیبت سے گر پڑے گا۔ اور کوئی ایسا بھی ہوگا کہ دوزخ کے سپاہی اس کو پکڑلیں گے اور دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے۔ تو یہ دو پل ہوئے ایک دنیا اور ایک آخرت کا۔ آخرت کا پل روحوں کے لیے ہے اس کی ہیبت بینائی رکھنے والے لوگ دیکھتے ہیں۔ اور دنیا کا پل دلوں کے لیے ہے۔ اس کی خوفناکی ظاہری آنکھ رکھنے والے دیکھتے ہیں۔ اور سالکان طریقت کا حال مختلف ہونا ان کی دنیاوی حالتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس پر غور کرو اور یہاں تک معرفت کا حق ہے پہچاننے کی کوشش کرو۔ جب کہیں ممکن ہے کہ کسی کام تک پہنچ سکو۔ کیونکہ بے خبر آدمی کا کہیں گذر نہیں جیسا کہ کہا ہے ؎

از پئے صاحب خبران ست کار
بے خبران راچہ غم روزگار

(خبر والوں ہی کو کام سپرد کیا گیا ہے۔ بے خبر لوگوں کو زمانے کی اونچ نیچ کی کیا فکر) اب جانو کہ

اس کام کی حقیقت یہ ہے کہ یہ راستہ درازی اور کوتاہیِ مسافت کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے کہ اس کو پا پیادہ چل کر طے کیا جاسکے۔ بلکہ اس کی مسافت کاٹے کرنا دل سے متعلق ہے اپنے اپنے عقیدے اور بصیرت کی بنا پر۔ اور اس میں اصل انوار آسمانی اور خداوند کریم کی نظر ہے جو بندے کے دل پر پڑتی ہے کہ اسی نظر کی مدد سے فرشتوں اور عالم ملکوت کے کاموں کو یقین کی آنکھ سے دیکھے۔ اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ ہزاروں برس سے بندے کو اس نور کی تلاش وطلب ہوتی ہے، مگر پاتا نہیں۔ اور ایک دوسرا دس برس میں پالیتا ہے۔ اور ایک دوسرا ایک دن اور کوئی دوسرا ایک گھڑی میں اور کوئی دوسرا صرف پل بھر میں خدا کی عنایت کی برکت سے پالیتا ہے۔ اور بندے کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ اس کو کہا گیا ہے وہ بجالائے۔ اور یہ کام ایسا ہے کہ مشیئت کے پردے میں پوشیدہ ہے اور باری تعالے حاکم وعادل ہے یحکم ما یشاء و یفعل ما یرید (یعنی جو چاہتا ہے فرمان دیتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے کرتا ہے) اگر تم کہو کہ اس قدر جدوجہد آخر کیوں ہے جب نتیجہ پوشیدہ ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو تمھاری غفلت پر دلالت کرتی ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ تم کہو ضعیف بندہ جو کچھ مانگتا ہے اس کے مقابلہ میں وہ عمل اور جہاد سخت کچھ نہیں ہے۔ ایک تو دین دنیا کی سلامتی دوسرے دونوں جہان میں بزرگی کا سرمایہ۔ لیکن دنیا کی سلامتی اس لیے کہ اس کے فسادات اور فتنے اتنے زبردست ہیں کہ وہ فرشتے جو خدا کی بارگاہ میں مقرب تھے وہ بھی اس سے دامن بچا نہ سکے جیسا کہ ہاروتؑ ماروتؑ کے قصہ میں تم نے سنا ہوگا۔ روایت ہے کہ جب بندے کی روح آسمان پر لے جاتے ہیں تو ساتوں آسمان کے فرشتے متعجب ہو کر کہتے ہیں اس روح نے کیونکر نجات پائی ایسی سرائے سے جہاں کہ ہمارے بہتر سے بہتر لوگ ہلاک ہو گئے۔ اور سرائے آخرت کی سختیاں اور مصیبت ناکیاں اس حد تک ہیں کہ انبیا اور رسول نفسی نفسی کہہ کے فریاد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تجھ سے سوائے اپنے نفس کے کچھ نہیں چاہتے۔ پھر کیا کہو گے کہ اس کام کی سلامتی معمولی اور تھوڑی ہے۔ لیکن ملک اور کرامت اور وہ مشیئتِ الٰہی کے کاموں میں دنیا کے اندر دخل دینا ہے۔ اور یہ بات سوائے اولیا کے کسی کو نصیب نہیں کہ ان کے لیے دریا اور بیابان ایک قدم کی راہ ہے۔ اور آدمی، جنات، چوپائے اور جنگلی چرند و پرند ان کے حکم کے تابع ہیں۔ یہ جو کچھ چاہیں ہو جائے۔ مگر جو اللہ نے چاہا ہے یہ اس کے سوا اور کچھ نہ چاہیں گے۔ اور وہ یقینی ہو کر رہے گا۔ تو اس مالک کے مقابلے میں کیا کہو گے؟ دو رکعت نماز ادا کرنا یا دو روپیہ خیرات دینا۔

یا دو راتیں جاگنا کافی ہے؟ خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ اگر آدمی میں ہزاروں ہزار جان ہوں اور ہزاروں روحیں ہوں اور ہزاروں برس کی عمریں ہوں دنیا کی عمر کے برابر بھی تو اس بلند مقصد کے لیے سبھوں کو تج دینا پڑے گا۔ آخر تھوڑا تھوڑا ہی ہے۔ اے بھائی جہاں تک ہماری اور تمھاری نظر پہنچتی ہے یہی دیکھتے ہیں کہ انسان ضعیف البنیان واقع ہوا ہے اور اس کے قویٰ محض مختصر ہیں۔ لیکن باطنی خزانے اور اسرار جو اس کو سونپے گئے ہیں ان کے اعتبار سے یہ عالمِ اکبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ آسمان کے تارے جو اس دنیا میں ہم کو اتنے اونچے دکھائی دیتے ہیں اور یہ چاند جو بادشاہ کا درجہ رکھتا ہے اور یہ آفتاب جو سبھوں کا شہنشاہ ہے اور جہان کی روشنی کی خدمت اسی کے سپرد ہے یہ سب کے سب مومن کے دل سے روشنی اخذ کرتے ہیں۔ اور مومن کا دل حق تعالیٰ کی نظر سے نور حاصل کرتا ہے۔ اس نے عرش پیدا کیا اور مقربوں کے حوالے کیا اور بہشت پیدا کیا رضوان کے سپرد کیا۔ اور دوزخ بنایا مالک کے حوالہ کیا مومن کا دل پیدا کیا۔ کہا اَلْقُلُوْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اَصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (مومن کا دل خدا کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں ہے اور اَصْبَعَیْن کی تاویل فضل و عدل سے کی گئی ہے۔ جب کبھی خدا کے فضل کی ہوا چلتی ہے وہ مست و خوش ہو جاتا ہے۔ اور جب قہر و عتاب کی لو اس پر سے گذرتی ہے پگھل جاتا ہے۔ ان دونوں صفتوں کے بیچ میں یہ ضعیف مدہوش۔ اور ان دو حالتوں کے بیچ میں بے ہوشی اس کا کام ہے۔ یہی اسرار ہیں جس کو کہا ہے رباعی

گہ شربتِ وصل تو مرا مست کند | گہ ضربتِ ہجر تو مرا پست کند
چون بگذارم زہجر نقدے زغمت | نقدے دگرم عشق تو بر دست کند

(کبھی تمھارے وصل کی شراب ہم کو مست بنا دیتی ہے۔ کبھی تمھاری جدائی کی مار ہم کو بے سدھ کر دیتی ہے۔ جب فراق کے عالم میں تمھارے غم کی پونجی ہم چھوڑ دیتے ہیں تو یہ عشق اسی طرح کے غم کی پونجی ہمارے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے)۔ والسلام

—— ؞ ——

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چوالیسواں مکتوب ۴۴

شرک خفی کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین جانو کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلشِّرْکُ اَخْفٰی فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ عَلَی الصَّخْرَۃِ السَّمَاءِ فِیْ لَیْلَۃِ الظَّلْمَاءِ (میری امت میں شرک اس چیونٹی کی چال سے زیادہ چھپا ہوا ہے جو اندھیری رات میں کالے پتھر پر چل رہی ہو)۔ تو جانو کہ اگرچہ یہ شرک ایمان کو نقصان نہیں پہنچاتا مگر ایمان کی حقیقت اور ایمان کے فائدوں میں نقصان ضرور لاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے خالص سونا بھی سونا ہے اور وہ سونا جس میں ملاوٹ ہو اس خالص سونے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی قیمت کم ہو گی۔ اور حقیقت میں ایمان خداوند تعالیٰ کی توحید ہے اور توحید شرک کی ضد ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب تک شرک نہیں اٹھ جائے گا توحید حاصل نہیں ہو سکتی جب شرک کی جڑ اکھڑ گئی اپنی اصلی شکل میں توحید ظاہر ہو گئی۔ اگر مقصود یہ ہے کہ ایمان اور توحید اصلی صورت میں سامنے آئے تو جتنی شرک کی آلودگی اور آمیزشیں ہیں ایک ایک کر کے نکال دو۔ اور وہ آلودگی شرک خفی ہی ہے۔ اور شرک خفی کے معنی خدا کے سوا کسی دوسری شخصیت سے نفع اور نقصان کا دیکھنا ہے امید اور ڈر خدا کے سوا کسی دوسری ذات سے کرنا ہے برکاری کی باریکیاں اور بناوٹی پوشیدگیاں اور غرور اور تکبر کے چھپانے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کی تعریف سے خوش ہونا اور اپنی مذمت اور برائی سن کر رنجیدہ ہونا یہ سب شرک خفی میں داخل ہے۔ اور حکم یہ ہے وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا یعنی اللہ ہی کو پوجو اور کسی کو اس کے ساتھ ذرہ بھر شریک نہ کرو۔ یہی بھید ہے جس کو کہا ہے۔ مثنوی۔

نکو گوئے نکو گفتہ ست در ذات　　کہ اَلتَّوْحِیْدُ اِسْقَاطُ الْاِضَافَاتِ

چرا در وحدتت پیوند جوئیم　　توئی مطلوب طالب چند گوئیم

(ایک اچھے کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ توحید اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام اضافتوں کو گرا دینا ہے۔ تیری وحدانیت میں کسی غیر کو ہم کیوں شریک کریں۔ تو ہی مطلوب ہے اور تو ہی طالب ہم کہاں تک

بیان کریں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک شرک ظاہر ہے اور ایک پوشیدہ ہے۔ پوشیدہ شرک حضرت پیغمبر علیہ السلام کی امت میں جاری ہے جیسا کہ ایک حدیث پڑھ کر میں نے سنائی۔ اور حدیث کے معانی لکھے گئے ہیں ایک معنی یہ ہے کہ شرکِ خفی کو چیونٹی کی چال سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی دبیب النمل کہا گیا ہے۔ اور چیونٹی کی چال معلوم کرنا ناممکن ہے کوئی کان اس کے پاؤں کی آواز نہیں سن سکتا۔ اور نہ کوئی آنکھ اس کے پاؤں کی حرکت دیکھ سکتی ہے۔ اسی طرح شرک خفی بندوں کے اندر جاری ہے۔ اور خود بندوں کو اس کی خبر نہیں ہے

مست چہ خسپی کہ کمین کردہ اند کارشناساں نہ چنین کردہ اند

چرخ نہ بر بے درماں می زند قافلۂ محتشمان می زند

(تو کیا غافل سوتا ہے کہ لوگ گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ عارف لوگ تو ایسی غفلت نہیں کرتے۔ آسمان غریبوں کو نہیں لوٹتا بلکہ امیروں کا قافلہ لوٹا کرتا ہے)۔ اور پھر اس چیونٹی کی چال کو پتھر پر کہا گیا ہے نہ مٹی پر۔ اس لیے کہ مٹی پر چلنے سے اس کے پاؤں کا نشان رہ جائے گا۔ اس نشان کے دیکھنے سے پتہ چل جائے گا کہ ادھر سے چیونٹی گذری ہے اور جب پتھر پر چلے گی تو کوئی نشان نہ رہے گا۔ اور کسی کو اس کے چلنے کی خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ شرکِ خفی بندوں میں جاری ہے اور بندوں کو اس کی خبر تک نہیں۔ اور پھر اندھیری رات کہا۔ اس لیے کہ وہ پتھر کالا ہوتا ہے، اور چیونٹی بھی اپنے طور پر کالی ہی ہوتی ہے۔ سیاہی میں سیاہی، اس پر پھر سیاہی۔ کیونکر دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اگر شرکِ خفی برابر سرزد ہو تو تاریکیاں جمع ہو جائیں گی۔ اس وقت گناہ صغیرہ گناہ کبیرہ کا کام کرنے لگے گا۔ اور ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ سب چیزوں کو وہ حق ہی دیکھے۔ اور بالکل حق ہی کا ہو رہے جس نے دونوں جہان میں کسی غیرِ حق کو دیکھا اس نے شرک کیا۔ ایک بزرگ نے اسی مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے ہے

چون یکے دانی و یکے گوئی پہ دو سہ و چہار چون پوئی

یہ الف ہست با وت ہمراہ ب وت بت شمر الف اللہ

(جب تو ایک ہی کو دیکھتا ہے اور ایک ہی کہتا ہے تو دوسرے تیسرے کی طرف کیوں جاتا ہے۔ الف کے ساتھ ب اور ت بھی ہے تو ب اور ت کو بت سمجھ اور الف کو اللہ جان) اور اس بات کی دلیل حضرتِ حارثہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب انھوں نے ایمان کی حقیقت کا دعویٰ کیا۔ اور

Marfat.com

اپنے دعوے کی سچائی کی جو دلیل قائم کی اس میں نفع اور نقصان غیر حق کے ساتھ منقطع کر دیا گیا تم نہیں جانتے کہ انھوں نے کہا اِسْتَوٰی عِنْدِی ذَهَبُهَا وَ فِضَّتُهَا وَحَجَرُهَا وَمَدَرُهَا ہمارے نزدیک سونا چاندی اور جواہرات ٹھیکری کے برابر ہیں۔ اصل میں سونا اور چاندی کا نفع ہے کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں انھیں کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہیں۔ ان کے نزدیک سونا اور چاندی خاک دھول کے برابر ہو گئے! اور نفس انسانی کے فائدے کھانے اور سونے میں ہیں دونوں کو برابر رکھا اور کہا اَسْهَرْتُ[1] لَيْلِي وَاَظْمَأْتُ نَهَارِيْ (میں نے رات کی صبح کی اور دن کو تشنہ رہا) اور اس فائدے کا ان کو ایک خاص نفع ہوا جب کہ موجودہ جہان سے انھوں نے نفع کا ہاتھ اٹھالیا تو دنیا ان کی نظر سے غائب ہو گئی۔ جب ایمان کی حقیقت پر دلیلیں قائم کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا اَصَبْتَ فَالْزَمْ (تم نے پالیا پس اسی پر قائم رہو) یہ راز ہے جس کو کہا ہے۔

خلق تا در جہانِ اسباب اند ہمہ اندر شب اند و در خواب اند
ترکِ ترتیب رخش توحید ست نقص ترتیب محض تجرید ست

(جب تک لوگ اسباب کی اس دنیا میں ہیں وہ گویا رات میں سوئے ہوئے ہیں۔ تدبیر کا ترک کرنا توحید کی سواری ہے۔ اور ترتیب کو توڑ دینا تجرید محض ہے)۔ اور بھی پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ لَا رَاحَةَ لِلْمُؤْمِنِ دُوْنَ لِقَاءِ اللّٰهِ۔ اَلْمَوْتُ دُوْنَ لِقَاءِ اللّٰهِ۔ (مومن کے لیے آرام نہیں ہے سوائے خدا کے دیدار کے۔ اور خدا کا دیدار نہ ہونا موت ہے مومن کے لیے آرام اُس وقت ہے کہ اس کا ایمان حقیقی ہو جائے! اور اس کے ایمان کی حقیقت تعلقات سے کٹ جاتی ہے۔ اگر دنیا کے اندر یہ صفت اس میں ہو جائے اس کی آنکھوں میں دنیا قیامت کی طرح نظر آنے لگتی ہے۔ جیسا کہ حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ مثنوی۔

ہر کہ جوید ولایتِ تجرید وانکہ خواہد ولایتِ توحید
از درونش نیاید آسائش وز برونش نہ شاید آرائش
کشف اگر بند گردد ت برتن کشف را کفش سازد بر سر زن

---

[1] بعض نسخوں میں اَسْهَرْتُ لَيْلِي وَاَظْلَمْتُ نَهَارِيْ۔ جس کے معنی ہیں میں نے اپنی رات کو منور اور دن کو تاریک کیا۔

سگ دون ہمت استخوان جوید پنجۂ شیر مغز جان جوید

(جو شخص چاہتا ہے کہ تجرید اور توحید کا ملک حاصل کرے اس کو چاہیے کہ ہمیشہ بے چین رہے اور ظاہری بناؤ سنگار سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اگر کشف و کرامت اس کے بدن کا ایک ایک جوڑ ہو جائے تو چاہیے کہ اس کشف کو پاؤں کا جوتا بنا کر اپنے سر پہ مارے۔ پست ہمت والا کتا ہر جگہ ہڈی تلاش کرتا ہے مگر شیر کا پنجہ زندہ مغز ڈھونڈتا ہے) ۔یہ نہیں حاصل ہو سکتا جب تک کہ تو اپنے تعلقات کو نہ چھوڑے۔ جو شخص سوائے خدا کے کسی دوسرے سے ڈر گیا یا غیر خدا سے اس نے امید باندھی اگرچہ حقیقۃً وہ شرک کا مرتکب نہیں ہوا لیکن خوف اور امید کے معاملے میں وہ مشرک ہو جائے گا۔ اور دوسری صفتیں بھی اسی پر قیاس کر لو۔ اور یہاں سے سمجھو کہ جس کسی نے اپنے کو عبادت کے ذریعہ واصل بحق سمجھا اور گناہوں سے الگ تھلگ جانا تو گویا اس نے وصل اور جدائی غیر خدا کے ذریعہ دیکھی۔ یہ بھی شرک ہو گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ ایمان کی ڈینگ نہ ہانکے جب تک کہ اس کی صفتیں ویسی ہی نہ ہو جائیں۔ کُلُّہٗ مِنَ الْحَقِّ وَ بِالْحَقِّ وَ لِلْحَقِّ وَ اِلَی الْحَقِّ (اس کا سب خدا ہی سے ہے اور خدا ہی کے ساتھ ہے اور خدا ہی کے لیے ہے اور خدا ہی کی طرف ہے) ۔یعنی ہر چیز کی ابتدا خدا ہی سے ہے اور سب چیز کا وجود و قیام خدا کے ساتھ ہے اور ساری ملکیت اور بادشاہت خدا ہی کی ہے اور سب کی واپسی اور لوٹنا خدا ہی کی طرف ہے جب یہ صفتیں پیدا ہو جائیں تو ایسا شخص اپنے ایمان میں متحقق ہو جائے گا۔ اور بھی حضرت پیغامبر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ تَعِسَ عَبْدُ الدُّنْیَا وَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ وَ تَعِسَ عَبْدُ بَطْنِہٖ وَ تَعِسَ عَبْدُ فَرْجِہٖ وَ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْسَۃِ (دنیا کے بندے ہلاک ہو گئے اور روپیہ پیسے کے بندے ہلاک ہو گئے اور پیٹ کے بندے ہلاک ہو گئے۔ اور شہوت کے بندے ہلاک ہو گئے اور پوشاک کے بندے ہلاک ہو گئے) یہ جو آپ نے فرمایا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بد دعا دی ہو یعنی ایسا ایسا شخص ہلاک ہو جائے جو کہ ان چیزوں کا بندہ ہے۔ یا آپ نے خبر کے اعتبار سے فرمایا کہ ایسے ایسے لوگ ہلاک ہو چکے جو ان چیزوں کے بندے ہیں۔ اگر یہ بد دعا ہے تو حضرت کی دعائیں یقینی مقبول ہیں۔ اور اگر خبر ہے تو آپ کی باتیں بالکل سچی ہیں۔ پس زمانہ گذر گیا کہ ہم جیسے بدبخت لوگ ہلاک ہو چکے اور اپنی جہالت اور گمراہی سے آگاہ بھی نہیں ہوئے اور مسلمانی کے دعوے کا ڈنکا بجا رہے ہیں۔ یہیں سے کہنے والے نے کہا ہے۔ رباعی۔

در دیدہ رہے از تو خیالے بگماشت | بہر دیدنِ آن خیال عمرے بگذاشت
چون خلعتِ خورشید عیان سر بر داشت | در دیدہ غلط بماند در سر پنداشت

(تیرے دیدار کے لیے آنکھوں کا راستہ اور سر میں ایک خیال بنایا۔ پھر اس خیال کو دیکھنے کے لیے ایک عمر گذار دی۔ لیکن جب آفتاب کی چمک بلند ہوئی تو ظاہر ہوا کہ آنکھوں کا راستہ غلط اور خیال محض دھوکا تھا)۔ اسی مطلب کو لے کر کسی دوسرے آشفتہ حال نے کہا ہے۔ رباعی

بستردنی ست ہر آنچہ بنگاشتہ ایم | افگندنی ست ہر آنچہ برداشتہ ایم
سودا بود ست ہر آنچہ پنداشتہ ایم | دردا کہ بہ عشوہ عمر بگذاشتہ ایم

(جو کچھ ہم نے لکھا وہ مٹا دینے کے لائق ہے۔ اور جو کچھ ہم نے جمع کیا وہ پھینک دینے کے لائق ہے۔ اور جو کچھ ہم نے جانا وہ خیال خام اور وہم تھا۔ افسوس صد افسوس کہ ہم نے محض دل لگی اور ہنسی ہی میں عمر گذاری)۔ جب بندہ ان چیزوں کی خواہش کرے گا تو خدا کے ساتھ جو بندگی کی صفت ہے وہ اُٹھ جائے گی یعنی ان چیزوں کا بندہ ہو جائے گا اور خدا کا بندہ نہ رہے گا کیونکہ جب تک زید کی ملکیت ہے عمر کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک غیر خدا کی نسبتیں اس سے زائل نہ ہو جائیں وہ خدا کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ شریعت میں اس کی مثال اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص سرائے میں داخل ہونا چاہتا ہے ایک پاؤں اس نے سرائے کے اندر رکھا اور دوسرا پاؤں سرائے سے باہر ہے۔ ایسی حالت میں اُس کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ سرائے کے اندر داخل ہے اور یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ وہ سرائے سے باہر ہے اگر کوئی اس کو داخل یا خارج کہے گا یقینی جھوٹا ہے۔ تو اس شخص نے بھی اپنے کو غیر خدا کا بندہ بنا لیا۔ اپنی خواہشات سے، اور ڈر سے، اور ڈر کر بھاگنے سے، اور کسی شے کی طلب سے جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی گئی ہو۔ اگر بالکل یہ صفتیں اس میں آگئی ہیں تو ایمان کے دائرے سے وہ ایک دم خارج ہو گیا۔ اور ان دونوں صفتوں میں جس شخص کو تردد اور شک باقی ہے وہ دوسراؤں میں مقیم ہے اس کو وہاں سے نکال سکتے ہیں۔ اور یہ شرک جو تم نے سنا، اور یہ دوسرا یعنی غیر خدا کا بندہ ہونا جو کہا گیا یہ سب اس لیے ہے کہ ہماری نظر غیر خدا پر پڑتی ہے اور ہم غیر کو دیکھتے ہیں جس طرح ہم اس کو دیکھتے ہیں دوسروں کو بھی دیکھتے ہیں اور جس طرح دوسروں کی بندگی کرتے ہیں اُس کی بندگی کرتے ہیں۔ اور جیسا اُس سے ڈرتے ہیں دوسروں سے بھی ڈرتے ہیں۔ اور جس طرح اس سے امید رکھتے ہیں دوسروں سے بھی امید رکھتے ہیں۔

Marfat.com

ایک بزرگ نے کہا ہے۔ مثنوی۔

چو در ہر دو جہان یک کرد گاریست | ترا با چار ارکان خود چہ کاریست
یکے خوان ویکے خواہ ویکے جوئے | یکے بین یکے دان ویکے گوئے

(جب دونوں جہان میں ایک ہی خدا ہے تو تجھے اپنے چار عناصر سے کیا کام۔ ایک ہی کو پکار، ایک ہی کو چاہ اور ایک ہی کو تلاش کر۔ ایک ہی کو دیکھ، ایک ہی کو جان اور ایک ہی کا ذکر کر) اے بھائی! جب پیغمبر علیہ السلام نے لوگوں کو بلایا اور اسلام اور ایمان پیش کیا اور تبلیغ کے لیے کمر باندھی اور فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ (اے اللہ میں نے لوگوں تک تیرا حکم پہنچایا) حکم خداوندی آیا۔ تو یہ کرو، تم نے اپنی تبلیغ کیوں دیکھی ہمارے بھیجنے پر نظر رکھو۔ یہی بھید ہے جس کو کہا ہے۔ ؎

ز تو تا ہست موئے ماندہ برجائے | بدان یک موے مانی بند بر پائے
جنب را بر تن ار خشک ست یک موئے | ہنوزش نا نمازی دان بصد روئے

(اگر تیرے بدن پر ایک بال بھی باقی ہے تو اس ایک بال کی وجہ سے تیرے پاؤں میں بیڑی پڑی ہوئی ہے جس شخص کو غسل واجب ہے اگر اس کے بدن پر ایک بال بھی سوکھا رہ گیا تو وہ کسی صورت سے بھی نمازی یعنی پاک نہیں ہو سکتا۔ ایک دن کوئی فقیر نماز پڑھتا تھا جب نماز سے فارغ ہوا اس نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی التَّوْفِیْقِ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ عَلَی التَّقْصِیْرِ (خدا کی تعریف اور اس کا شکر کہ اس نے توفیق دی۔ اور میں بخشش چاہتا ہوں اپنی کوتاہی پر)۔ ایک بزرگ نے ان کو ڈانٹا اور کہا میں جانتا تھا کہ تو موحد ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ اب تک تو مشرک ہے۔ اُس نے کہا اے حضرت کیوں؟ انھوں نے فرمایا جب تک تو نے نماز نہیں دیکھی قصور نہیں دیکھا۔ اور نماز تیری صفت ہے میں سمجھا کہ تو خدا کو دیکھتا ہے۔ حالانکہ تو نے اپنے کو دیکھا۔ اور جو شخص اپنے کو دیکھتا ہے وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور یہ انھیں حضرات کی شان کے لیے زیبا ہے۔ تیری میری عبادت بھی کوئی چیز ہے۔ ہم بدبختوں کو اتنی بڑی دولت کہاں سے ہاتھ لگ سکتی ہے۔ اب ہاتھ اٹھاؤ۔ اور خدا سے دعا مانگو۔ مناجات

یا الٰہ العالمین درماندہ ام | غرقِ خون در خشک کشتی راندہ ام

دستِ من گیر و مرا فریاد رس — دست بر سر چند دارم چون مگس
بادشاہا در منِ مسکین نگر — گر ز من بد دیدی آن شد این نگر
ماتمم از حد بشد سودے فرست — در میانِ ظلمتم نورے فرست

ایضاً

یارب آگاہی ز زاریہاے من — حاضری در ماتمِ شبہاے من
من کہ باشم تا کسے باشم ترا — این بسم گر نا کسے باشم ترا
مبتلاے خویش و حیرانِ توام — گر بدم ور نیک ہم زانِ توام

(اے سارے جہان کے خدا میں بالکل مجبور ہوں۔ میں خون میں ڈوبا ہوا ہوں اور خشکی میں کشتی چلا رہا ہوں۔ میری مدد کر اور میری دہائی سن۔ مکھی کی طرح میں کب تک اپنا سر پیٹتا رہوں۔ اے بادشاہ مجھ غریب پر نظر کر۔ اگر تو نے مجھ سے گناہ دیکھا تو اُسے جانے دے اور میری عاجزی دیکھ۔ میرا رونا دھونا حد سے گزر گیا اب کوئی فائدہ عنایت فرما۔ میں تاریکی میں گھرا ہوا ہوں کوئی روشنی بھیج۔ اے خدا میرے گڑگڑانے سے تو باخبر ہے اور میرے راتوں کے واویلا میں موجود ہے میں کون ہوں اور کس قابل ہوں کہ تیرا کہلاؤں۔ یہی غنیمت ہے کہ تو مجھ کو کچھ بھی نہ سمجھے۔ میں اپنے غم میں مبتلا اور تیرے لیے حیران ہوں۔ برا ہوں یا بھلا ہوں بہرحال تیرا ہی ہوں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پینتالیسواں مکتوب ۴۵

معرفت کے بیان میں

برادر شمس الدین خدا اپنی معرفت سے تم کو بزرگ بنائے۔ جانو کہ معرفت مومن کی روح کا جوہر ہے جس شخص کا خدا کی معرفت میں کوئی حصہ نہیں گویا حقیقتاً اُس شخص کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور پیدا کرنے والے کی معرفت پیدا ہونے والوں کی معرفت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور پیدا کرنے والے کی معرفت سے عارفوں کو بقا اور نجات حاصل ہوتی ہے۔ معرفت کا پہلا جزیہ ہے کہ دنیا کی تمام مخلوقات کو مجبور عاجز اور خدا کا قیدی سمجھے اور سب چیزوں سے اپنے لگاؤ اور نسبت کو توڑ دے اور سمجھے کہ بس ایک ہی خدا ہے۔ اس کی ذات ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی اور اس کے صفات بھی ہمیشہ قائم

Marfat.com

رہنے والے ہیں۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یعنی اس کے مثل کوئی نہیں ہے۔ اور وہ دیکھنے والا سننے والا ہے۔ اور دوسرا راستہ صانع اور خالق تک پہنچنے کے لیے اپنے نفس کی پہچان ہے جیسا کہ کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) خدائے برتر نے پہلے پہل اپنی قدرت آسمانوں کی پہنائی میں پیش کی یعنی پیدا کرنا اور پھر نیست و نابود کرنا۔ اور مخلوقات کی حالتوں کا بدلنا جیسے رات اور پھر دن کا ہونا اور کسی چیز کی زیادتی اور پھر کمی۔ اور کشادگی اور تنگی۔ اور دنیا اور اس کے سوا جو کچھ کہ دنیا کی حالتوں میں ردو بدل ہوتا رہتا ہے تاکہ خدا کی وحدانیت کے پجاری ان میں غور سے دیکھیں اور خدا کی معرفت حاصل کریں۔ کہا ہے سَنُرِیْہِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ (ہم ان کو اپنی نشانیاں جہان میں، قریب ہے، کہ دکھلا دیں گے) یہ راستہ عارفوں کے لیے بڑا لمبا ہے۔ کل موجودات اور مخلوقات کی حقیقت انسان کے اندر رکھی اور کہا وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (اور تمہارے اندر بھی۔ کیا تم نہیں دیکھتے)۔ نفوسِ انسانی کو موجودات کے لیے ایک مثال قائم کیا ہے۔ اور اپنی معرفت کی ایک سیڑھی بنائی ہے۔ اس لیے کہ جو شخص اپنے نفس کو پہچانے گا خدا کو پہچان لے گا۔ اور وہ نفس کی حالتوں کا بدلنا ہے۔ جیسے بیماری اور صحت، سونا اور جاگنا، موت اور زندگی، خوشی اور رنج۔ یہ فی الآفاق کے حال اور معانی ہوئے۔ اور فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ یہ ہے جہان میں حالتوں کا بدلنا۔ اور مخلوقات کے نفس کی بے اختیار تبدیلی۔ یہ ایک بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ ایک بہت بڑا قدرت والا مدبّر ایسا موجود ہے کہ ساری دنیا اور مخلوقات اس کی قدرت کی قیدی ہیں اور اسی کی تدبیر کے محتاج اور مجبور ہیں۔ نشانیوں سے راستہ کا سراغ لگانا ایسا ہی ہے۔ اور طریقت والے لوگ معرفت کے راستہ میں اپنی ذات میں کھو جاتے ہیں اور اپنے وجود ہی سے تلاش کی ابتدا کرتے ہیں۔ اور اپنی ذات ہی سے کثیف اور لطیف کی کل باتیں ڈھونڈتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کی معرفت کی دلیلیں اور نشانیاں پا لیتے ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ (اس میں خاص لوگوں کے لیے البتہ ذکر اور فکر کا موقع ہے) ان میں سے بعض لوگوں کو خداوند تعالیٰ النظر بے کر دیتا ہے تاکہ یہ لوگ موجودات کی ہستی میں غور و فکر کریں اور اس کو پہچان لیں۔ جیسا کہ کہا ہے قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (کہہ دو کہ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے)۔ اور کسی کو ریاضت و مشقت کے

Marfat.com

ذریعہ معرفت تک پہنچاتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جن لوگوں نے مجاہدہ کیا اور میرے لیے تکلیف اٹھائی ان کو ہم اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں)۔ اور کسی کو بغیر کسی وسیلے اور اسباب کے ہدایت کا نور اس کے دل کو منور کر دیتا ہے۔ اور اپنی معرفت کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے۔ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (وہ اپنے رب کی مہربانی سے نور کی منزل پر پہنچ گئے)۔ اور بعض لوگوں کو معرفت کی حقیقت سے پردے میں ڈال دیتا ہے مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اے مَا عَرَفُوا اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ (جہاں تک خدا کی معرفت کا حق تھا وہاں تک نہیں پہچانا)۔ اور بعض لوگوں کو معرفت کی راہ سے بالکل حجاب میں ڈال دیتا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے۔ غزل

چون جمالش صد ہزاران روے داشت	بود در ہر ذرہ دیدارے دگر
لاجرم ہر ذرہ را بنمود باز	از جمال خویش رخسارے دگر
چون یکیست اصل عدد از بہر آنکہ	تا بود ہر دم گرفتارے دگر

(اس کا حسن لاکھوں چہرے رکھتا ہے اس لیے ہر ذرہ میں ایک دوسرا ہی نظارہ دکھائی دیتا ہے اُس کے چہرے کے ہر حصے نے اپنے بے انتہا حسن کی وجہ سے ہر ذرہ کو ایک دوسرا ہی رخسار دکھایا ہے۔ اعداد و شمار کا اصل عدد ایک ہی ہے اور باقی اعداد اس لیے ہیں کہ وہی ایک ہر عدد میں ایک نیا جلوہ دکھائے)۔ اور ان تفرقوں سے معلوم ہو گیا کہ خدا کی معرفت عقل و دانش سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ نا واقف اور بیگانے اگرچہ صاحب عقل ہیں لیکن خدا کی معرفت سے محروم ہیں۔ اور محض سننے سے بھی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ پیغمبروں نے اپنے اپنے وقتوں میں کفار کو بلا کر معرفت کو بیان کیا۔ اور کفار نے سنا مگر کسی طرح کی معرفت اُن کو حاصل نہ ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی معرفت بغیر اس کی رہنمائی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہیں سے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا عَرَفْتُ اللّٰهَ بِاللّٰهِ وَ عَرَفْتُ مَا دُوْنَ اللّٰهِ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ (ہم نے اللہ کو اللہ ہی سے پہچانا اور ماسوی اللہ کو اللہ کے نور سے پہچانا)۔ قَالَ رَجُلٌ لِلنُّوْرِیِّ مَا الدَّلِیْلُ عَلَی اللّٰهِ۔ قَالَ اللّٰهُ۔ قَالَ فَمَا بَالُ الْعَقْلِ۔ قَالَ الْعَقْلُ عَاجِزٌ وَالْعَاجِزُ لَا یَدُلُّ اِلَّا عَلٰی عَاجِزٍ مِّثْلِهٖ۔ (ایک شخص نے حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ خدا کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ کہا خدا کی دلیل خود خداوند بزرگ

برتر ہے۔ پھر کہا عقل کا کیا کام ہے؟ کہا عقل اس کام میں عاجز ہے وہ راستہ نہیں دکھا سکتی۔ مگر اسی کی طرف جو اس کی طرح عاجز ہو۔

چون تو نمودی جمال، عشقِ بتان شد ہوس | رُو کہ ازین دلبران کار تو داری و بس
با رخِ تو نیست عقل جز کہ یکے بوالفضول | با لبِ تو نیست جان جز کہ یکے بوالہوس

(جب تو نے اپنا جمال دکھایا تو معشوقانِ مجازی کا عشق ہوس بنکر رہ گیا۔ اگر تم ان مجازی دلبروں سے سروکار رکھنے والے ہو تو عشقِ حقیقی سے ہاتھ اُٹھالو۔ یعنی یہاں سے چلے جاؤ۔ جہاں تیرے حسن کی جلوہ گری ہے وہاں عقل فضول اور بیکار ہوتی ہے۔ اور تیرے لبوں کے سامنے عاشقوں کی جان ہوسناکیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے)۔ عقل کا کام یہ ہے کہ سب چیزوں کو یا جسم، یا جوہر، یا عرض دیکھے۔ اور مکان میں یا زمان میں دیکھے۔ اور مخلوقات کی دوسری صفتیں بھی اسی طرح ہیں۔ تو اُن دو صفتوں سے باہر نہیں ہو سکتا۔ یا ان صفتوں میں سے کوئی صفت اس کے لیے جائز سمجھتا ہے تو کافر ہے۔ اور جب اس کو کسی چیز سے معنی میں مشابہ نہ پائے گا تو حیران و پریشان ہوگا اور پکار اُٹھے گا کہ میں ان صفتوں کے ساتھ موجود نہیں دیکھتا ہوں۔ جب ان صفتوں کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہے تو اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ اور وہ خود نہیں ہے۔ جب بھی کافر ہو گیا۔ کیونکہ پہلی صورت میں تشبیہ اور دوسری صورت میں تعطیل واقع ہو گئی۔ تو معلوم ہو گیا کہ جب تک وہ خود ہی نہ پہچنوائے پہچاننا ناممکن ہے۔ اور ان باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کا پانا تلاش اور طلب سے نہیں بلکہ محض اس کی عطا ہے۔ وہ شخص نہیں پاتا جو اس کو ڈھونڈتا ہے۔ مگر وہ شخص پا لیتا ہے جس پر بخشش و کرم فرمایا جائے۔ اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے جو دیکھنے کی کوشش کرے۔ مگر وہی جس کو اپنا جلوہ خود ہی دکھائے۔ دکھلانے کے اسباب دیکھنے کی کوشش کرنا نہیں بلکہ خود اسی کا دکھلانا ہے۔ اور پانے کا سبب جستجو اور تلاش نہیں بلکہ اسی کی عطا و بخشش ہے بہتیرے ڈھونڈنے والے ایسے ہیں جنھوں نے آج تک نہیں پایا۔ اور بہت سے پانے والے ایسے ہیں جنھوں نے بغیر تلاش و جستجو کے پا لیا۔ جہاں تک تلاش کرنے کا تعلق ہے سب برابر ہیں۔ مگر پانے میں فرق ہے۔ بتوں کے پجاری اس کو بت کے اندر ڈھونڈتے ہیں! اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام سے اس کو مانگتے ہیں۔ قطعہ

میلِ خلق جملہ عالم تا ابد | گر بباشد در نباشد سوے تست

Marfat.com

جز ترا چون دوست نتوان داشتن دوستی دیگران بر بوے تست

(سارے جہان کا رجحان قیامت تک بظاہر ہو یا نہ ہو حقیقت میں تیری ہی طرف رہے گا۔ سوا تیرے اور کسی سے دوستی نہیں کر سکتے۔ دوسروں کے ساتھ دوستی بھی تیرے ہی ادنیٰ تعلق کی بنا پر ہے)۔ سارے جہان کے لوگ اسی کی تلاش میں ہیں اور ٹھیک اسی طلب میں راستہ کھو دیتے ہیں۔ ہر شخص کے سامنے ایک ایسی چیز رکھ دی ہے کہ اس میں وہ خود چھپ کر رہ گیا ہے۔ اور ایک گروہ کے لیے یہ اسباب ہی راستے سے اٹھا لیے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے اس کی راہ پائی۔ رباعی

یک شہر پر از حدیث آں روے نکوست دلہاے جہانیان ہمہ پردۂ اوست

تا می کوشیم و دیگران می کوشند تا بخت کرا بود کرا دارد دوست

(ہر جگہ اس کے حسن کا چرچا ہے۔ سارے جہان والوں کے دل اس کے حسن کے پردے بنے ہوئے ہیں ہم بھی اس کی دوستی کی کوشش کرتے ہیں اور دوسرے بھی کوشش کر رہے ہیں۔ اب دیکھیں کس کی قسمت یاور ہوتی ہے اور وہ کسے اپنا دوست بناتا ہے)۔ اور معرفت کی حقیقت معبود کی پہچان ہے جبکہ وہ اپنی ذات اور صفات اور فعل میں بغیر اس کے کہ کوئی غلطی اور خطا اور کوئی کیفیت اس میں داخل ہو۔ اور معرفت کے طلبگار کو خدا کے ساتھ ایسا لگاؤ ہونا چاہیے جیسا کہ خدا کو اپنی ذات و صفات کے ساتھ ہے۔ اور اس بات کو اپنے کلام میں خود ہی فرمایا ہے۔ لیکن معرفت کے کمال کے متعلق دو باتیں ہیں۔ بعض متکلموں کا قول یہ ہے کہ بندہ خدا کو جانے جیسا کہ خود خدا اپنے کو جانتا ہے۔ اگر پوری طرح نہیں جان سکتا تو بعض کو جانے اور بعض کو نہ جانے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات میں تجزی محال ہے۔ تو سب معرفت کی تلاش کرنے والے اس معرفت میں برابر ہیں۔ سب خدا کو ایسا جانتے ہیں جیسا کہ خدا اپنے کو جانتا ہے۔ اس گروہ کو معرفت کے کمال کا دعویٰ ہے۔ اور دوسرا قول بعض عقلا اور متکلموں کی ایک جماعت اور صوفیوں کا مسلک وہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کو کمال کے درجے تک کوئی نہیں جان سکتا۔ اور سب اس کو اتنا جانتے ہیں جیسا کہ وہ ہے اور اسی قدر جانتے ہیں کہ نجات پا سکیں۔ لیکن کمال کا دعویٰ نہیں کرتے۔ جیسا کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ۔ یعنی خدا کی معرفت کی دریافت سے عقل کو عاجز سمجھنا بھی ایک ادراک ہے۔ اور کہا ہے لِلّٰہِ تَعَالیٰ اَخَصُّ وَصْفٍ لَا یَعْرِفُہٗ سِوَاہُ اللہ تعالیٰ کی بعض خاص صفات ایسی بھی ہیں

کہ کوئی اُسے پہچان نہیں سکتا۔ جو طریقہ خدا کی معرفت کا بیان کیا گیا اور خبر دی جائیں اور اختیار کریں لیکن کمال کا دعوٰے نہ کریں۔ یہ کہیں کہ جیسا تو نے فرمایا ہے میں اسی طرح تجھ کو جانتا ہوں۔ اور وہ خود اس سے بہت بڑا ہے کہ ہم اس کے کمال تک پہنچ سکیں۔ رباعی

آن عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد آن روح کجا کہ در جلالِ تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگرفتی زجمال آن دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

(وہ عقل کہاں جو تیرے کمال کے درجے تک پہنچ سکے۔ وہ روح کہاں جو تیرے جلال کا دامن تھامے ہم نے فرض کیا کہ تو اپنے جمال سے پردہ اُٹھا بھی لے تو وہ آنکھیں کہاں جو تیرا جلوہ دیکھیں اور اُس کی تاب لا سکیں) معرفت بندوں کی نجات کی علت رکھی گئی ہے۔ اگر معرفت کی شرطوں میں سے ذرہ بھی کوئی چیز کم ہو جائے گی تو نجات کا حکم صحیح نہ ہوگا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ معرفت تلاش کرنے والوں کے پاس ایک شفاف آئینہ ہے اور یہ اس کا دل ہے جو اس کے سامنے رکھ دیا ہے اور اسی میں وہ دیکھتا ہے۔ وہ مصنوعات کی حد اور صانع کے حق کو پہچانتا ہے۔ اور معرفت کا جو طریقہ ہے وہ جاری رہتا ہے۔ قطعہ

ہر دم کہ در فضاے رُخِ یار بنگرد گردد ہمہ جہان بہ حقیقت مصورش

چون باز در صفائی دل خود نظر کند بیند چو آفتاب رخِ خوب دلبرش

(جب دوست کے عالمِ جمال کو دیکھتا ہے تو بہ نظرِ حقیقت سارا جہان اسی کی تصویر نظر آتا ہے۔ پھر جب اپنے دل کی صفائی کو دیکھتا ہے تو اس میں آفتاب کی طرح معشوق کی صورت چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے)۔ اور جو بزرگ ہستی عارف ہو گئی تو سارا جہان اس کی آنکھ میں سما گیا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے۔ شعر

وَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

(ہر چیز میں اُس کی نشانی ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ذات وحدہٗ لاشریک ہے)۔

رو دیدہ بدست آر کہ ہر ذرہ از خاک جامے ست جہان نما کہ در وے نگری

(جاؤ اور بینائی حاصل کرو۔ کیونکہ خاک کا ایک ایک ذرہ جامِ جہاں نما ہے جس میں سارا جہان نظر آتا ہے۔ تاکہ تم اس کو دیکھو)۔ مَارَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ۔ (میں نے کوئی چیز

Marfat.com

ایسی نہیں دیکھی جس میں اللہ نظر نہ آیا ہو)۔ اشیا میں خدا کا جلوہ نظر آنا صنعت کو دیکھ کر صانع کے وجود کی بہت بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ ہر بنی ہوئی چیز ایک بنانے والے کا پتہ دیتی ہے۔ اور ہر کام کے لیے ایک کرنے والا ضروری ہے ؎

گوید آں کس درین مقام فضول کہ تجلی نہ داند او ز حلول

(اس جگہ وہ شخص فضول بکواس کرتا ہے جو تجلی اور حلول کا فرق ہی نہیں جانتا)۔ اور طریقت والوں کی معرفت کا ایک حال ہے۔ یعنی یہ لوگ حال کی صحت صاحب معرفت سے چاہتے ہیں۔ علمائے اصول، علم اور معرفت میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ ناواقفیت کی بنا پر یہی کہا کہ خدا کو عالم ہی جان سکتے ہیں لیکن مشائخ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم نے اس علم کو جس کو حال اور معاملہ سے لگاؤ ہو اور اس کا جاننے والا اس کے ذریعہ اپنا حال ظاہر کرے اس کو معرفت کہتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عارف کہتے ہیں۔ اور جس کسی کی مشق بغیر معنی و مطلب کے وقوف کے محض حفظِ عبارت تک ہو گی اس کو عالم کہتے ہیں۔ یہیں سے ہے کہ جب اس گروہ کو دوستوں اور اپنوں پر مستحق بنائیں تو اس شخص کو دانشمند کہتے ہیں۔ اور ظاہر والوں کو ان کا یہ قول اچھا نہیں لگتا۔ کیونکہ ان کی مراد اس کی ملامت کرنا علم حاصل کرنے کی غرض سے ہے۔ اور ان کی مراد اس کی ملامت کرنا اس علم کے معاملے کو چھوڑنے سے ہے۔ اگرچہ یہ گروہ معرفت کی راہ میں بڑے عارف ہونے کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ مگر یہ اپنے کو بہت زیادہ عاجز اور انجان جانتے ہیں۔ اور معرفت کو دعویٰ اور ڈینگ مارنے سے پاک و صاف سمجھتے ہیں۔ اور معرفت کو طول دینا نہیں چاہتے۔ اس کے لکھنے میں حرف اور صرف پر ناز نہیں کرتے۔ اور عارف کی جان کو معروف کے حسن کے ساتھ معرفت کی خلوت میں دم بدم اس قدر فتوحات ہوتے ہیں جن کو اگر لکھا جائے تو دفتر دل میں سمو نہیں سکتے ؎

در تنگنا ئے صورت، معنی چگونہ گنجد در کلبۂ گدایان سلطان چہ کار دارد

(صورت کے تنگ مکان میں معانی کا وجود کیونکر سما سکتا ہے۔ فقیروں کی جھونپڑی سے بادشاہ کو کیا کام۔ اور اس راہ میں چلنے والوں کے لیے یہ شرط ہے کہ جب تک معروف تک پہنچ نہ جائے باز نہ رہے اور معرفت کی منزل میں چپ چاپ بیٹھ نہ جائے۔ اور جس قدر زیادہ علم ہوتا جائے جستجو کا قدم اور بھی زیادہ بڑھاتا جائے۔ اور جس قدر محبت کے پیالے سے معرفت کی شراب زیادہ پیئے اور زیادہ مانگے۔

Marfat.com

پیاس زیادہ بڑھتی جائے۔ ؎

چہ حسن ست این کہ گر ہر دم رخت را صد نظر بینم ہنوزم آرزو باشد کہ یک بار دگر بینم

فرد

گر در روزے ہزار بارت بینم در آرزوے بار دگر خواہم بود

(اللہ اللہ کیا حسن ہے کہ اگر ہر وقت تیرے چہرے کو میں سو مرتبہ دیکھوں تو یہ تمنا باقی رہتی ہے کہ ایک دفعہ پھر دیکھوں۔ اور اسی معنی کا یہ شعر بھی ہے۔ اگر ایک دن میں ہزار مرتبہ تجھ کو دیکھوں تو دل میں یہی آرزو رہے گی کہ ایک بار پھر دیکھتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کی دولت کا خزانہ یہ ہے لَوْ اتَّزَنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ اُمَّتِیْ لَرَجَحَ۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایمان ہماری امت کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو اُن کے ایمان کا پلّہ جھک جائے گا (یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے)۔ کہا یا رسول اللہ! کیا ایمان بھی پیاس ہے؟

اور وہ جو تم نے سنا ہے کہ حضرت معاذ جبل رضی اللہ عنہ نے یہی شراب پی تھی اور اس کی مستی سے دوستوں کے حجرے کے دروازے پر جاتے تھے اور فرماتے تھے تَعَالَوْا نُؤْمِنُ بِاللّٰہِ سَاعَۃً۔ (اے لوگو آؤ! تاکہ ہم اس وقت اللہ پر ایمان لائیں) یاروں نے جب یہ بات سنی حضرت پیغمبر علیہ السلام کے پاس آئے۔ اور کہا یا حضرت! (صلی اللہ علیہ وسلم) معاذؓ ہم سے ایسا کہتے ہیں۔ کیا ہم ایمان نہیں لائے ہیں؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ معاذ محبت کی شراب پی کر یاروں سے اُلجھتا ہے۔ اصل میں یہی پیاس ہے ؎

مستک شدۂ تو ہمی دانی ہے یارانت کہ بودند کجا خوردی مے

(تو مست ہو گیا ہے۔ افسوس یہ نہیں جانتا کہ تیرے ہم پیالہ و ہم مشرب کون لوگ ہیں اور تو نے شراب کہاں پی ہے؟)۔ ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا ؎

بیش منما جمال شہرا فروز چون نمودی بر و سپند بسوز

آن جمالے تو چیست ہستی تو وان سپند تو چیست ہستی تو

(تیرا وہ حسن جو جہان کو روشن کر دیتا ہے، اس کا جلوہ زیادہ نہ دکھا۔ اور اگر دکھایا تو نظر بد کے خیال سے کالا دانہ جلا دے۔ اور وہ حسن تیرا کیا ہے، وہی تیری ہستی ہے۔ اور وہ کالا دانہ کیا ہے؟ وہ تیری ہستی ہے) اور وہ جو کہتے ہیں کہ ہر روز کتنی ہی دفعہ عرش کرسی سے پوچھتا ہے۔

Marfat.com

هَلْ لَكَ خَبَرٌ (کیا تجھ کو کوئی خبر ہے)۔ اور کرسی بھی عرش سے کہتی ہے "کیا تجھ کو کوئی خبر ہے!"۔ اور آسمان زمین سے کہتا ہے هَلْ مَرَّ بِكَ طَالِبٌ (کیا تیری طرف کوئی طالب گزرا ہے)۔ اور زمین آسمان سے پوچھتی ہے۔ هَلْ سَافَرَ فِيكَ عَاشِقٌ (کیا کسی عاشق نے تیری طرف سفر کیا ہے)؟۔ ان سب چیخ وپکار کا مقصد وہی پیاس ہے۔ اے بھائی! اس راہ میں اس کے ہزاروں مقتول اور شہید ہیں۔ اس کے ہزاروں مجروح اور گھائل ہیں عقل والے لوگ اس کی جستجو میں حیران ہیں اور علم والے اس کی عزت وجلال کی بارگاہ کے آس پاس تلاش میں محو ہیں جن کی آنکھیں روشن اور دل بینا ہیں اُس کی بزرگی کے دریا کے ایک قطرہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اس کے قہر وجلال کی چنگاری سے جھلس گئے ہیں۔ ے

دست بر دلہاے سوختہ زدہ گوئی مشعلے دارند عاشقان بدست

(دل جلوں کے دل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ عشاق ایک مشعل اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں) سارے جہان کو محض امید اور باتوں میں خوش کر دیا۔ اور عزت وجلال کی شراب کی ایک بوند بھی نہیں دی۔ رباعی

گفتم کہ کرائی تو بدین زیبائی گفتا خود را کہ خود منم یکتائی
ہم عاشق وہم عشقم وہم معشوق ہم آئینہ ہم جمال ہم بینائی

(میں نے کہا تو اس حسن وجمال کے ساتھ کس کے لیے ہے؟ اس نے کہا اپنے لیے۔ کیونکہ میں یکتا اور بے مثل ہوں۔ میں خود عاشق، خود عشق اور خود معشوق ہوں۔ خود ہی آئینہ ہوں خود ہی حسن اور خود ہی نگاہ)۔ ایک شراب کا دلدادہ بھٹی کے دروازے پر آیا۔ اور تھوڑی شراب مانگی جواب ملا مٹکا خالی ہو چکا۔ اُس شرابی نے کہا میرا ہاتھ پکڑ کر مٹکے کے منہ پر رکھ تا کہ میں خوشبو سونگھوں۔ اور اس کی مہک سے اتنا مست ہو جاؤں کہ دوسرے سو گلاس پینے پر بھی اتنا مست نہیں ہوتے۔ ے

مست از مئے عشق آن چنانم کہ اگر یک جرعہ ازان بیش خورم نیست شوم

(عشق کی شراب سے میں اس قدر مست ہوں کہ اگر ایک گھونٹ اس سے زیادہ پی لوں تو فنا ہو جاؤں) اور سخت تعجب کا مقام یہ ہے کہ اس درگاہ کا ایک فقیر بھی اتنی مستیاں رکھتا ہے کہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے بھی اس کا بوجھ اُٹھا نہیں سکتے۔ اس کی مہربانی کی ہوا کا ایک جھونکا جب ایک شتربان پر پہنچا تو فرشتے بیہوش ہو گئے۔ جب ان کو ہوش آیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا ہم نے سات

لاکھ برسوں میں ایسی خوشبو نہیں سونگھی جیسی کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آتی ہے جبرئیل علیہ السلام نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ (البتہ میں پاتا ہوں خدا کی خوشبو ملک یمن کی طرف سے)۔ یہ ایک دل جلے شتربان کے جلے ہوئے سینے کی بو ہے جو یمن کی طرف سے آتی ہے۔ ؎

شور در شہر فگند آن بتِ زنار پرست چون خرامان زخرابات برون آمد مست

(اس زنار پرست معشوق نے شہر میں شور مچا دیا جب شراب خانے سے مستی میں لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چھیالیسواں مکتوب ۴۶

محبت کے ذکر میں

بھائی شمس الدین خدا تم کو اپنے دوستوں اور ولیوں کی زندگی نصیب کرے۔ جانو کہ دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی ہمتیں بلند نہیں ہیں۔ فرشتوں کا کام جو سیدھے طریقہ پر چل رہا ہے، وہ اس لیے ہے کہ ان تک محبت کا گذر نہیں ہوا ہے۔ اور یہ اونچ نیچ جو انسان کے ساتھ پیش آیا کرتی ہے اس لیے ہے کہ اس کو محبت سے سروکار ہے۔ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ (وہ دوست رکھتا ہے ان کو، اور وہ دوست رکھتے ہیں اس کو) تو جس کے دماغ میں ذرا بھی اس کی محبت کی بو پہنچتی ہے اس سے کہہ دو کہ سلامتی سے اپنا دل اٹھا لے اور اپنی ہستی کو خیرباد کہہ دے اَلْمَحَبَّةُ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ (محبت کچھ باقی نہیں رکھتی اور کچھ بھی نہیں چھوڑتی) ؎

عشقِ تو مرا چنان خراباتی کرد ورنہ بسلامت و بسامان بودم

(تیری محبت نے مجھ کو ایسا برباد کر دیا ہے ورنہ میں بھی کسی وقت سلامتی اور سروسامان والا تھا) جب حضرت آدمؑ کی باری آئی تو جہان میں ایک ہلچل مچ گئی۔ فرشتوں نے فریاد کی یہ کیسا حادثہ ہوا کہ ہزاروں ہزار برس کی ہماری تسبیح و تہلیل برباد ہو گئی۔ اور ایک مٹی کے پتلے یعنی آدمؑ کو سرفراز کیا اور ہمارے رہتے ہوئے اُن کو چنا۔ ایک آواز سنی کہ تم مٹی کو نہ دیکھو اس پاک امانت کو دیکھو یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ

Marfat.com

(وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کو دوست رکھتے ہیں) اور محبت کی آگ ان کے دلوں میں سلگائی ہے۔ اور آواز دی کہ اَلْحَقُّ عَزِیْزٌ (خدا ہی برتر اور غالب ہے) جس کو سن کر سب کے کلیجے بھن گئے۔ اور پتا پانی ہو گیا۔ اور یہ کیا ہے جس طرح کہ اس کی مثال کسی کے ساتھ نہیں دی جا سکتی اسی طرح اس کا کام بھی کسی کے کام کے ساتھ مشابہ نہیں ہو سکتا۔ جب دنیا کے بادشاہ اپنے نوکروں کو نوازا کرتے ہیں تو ٹوپی اور عبا کا خلعت پہناتے ہیں۔ اور کوئی بڑی جاگیر اس کو دیتے ہیں۔ مگر جب وہ کسی پر کرم فرماتا ہے تو پہلے ٹوپی اور اس کا عبا اتار لیتا ہے اور ننگا بھوکا بنا کر بٹھا دیتا ہے۔ اور اس بات کا چلن اس طرح ہے کہ جو کوئی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب تک اپنے آپ کو نہیں مار ڈالتا واپسی کا موقع نہیں پاتا۔ رباعی

مارا خواہی تن بغمان اندرده چون شیفتگان سر بجہان اندرده
دل پر خون کن بدیدگان اندرده وانگہ زپئے دو دیدہ جان اندرده

(اگر تو ہم کو چاہتا ہے تو رنج و غم میں اپنے کو جھونک دے۔ دیوانوں کی طرح دنیا کی خاک چھان مار۔ دل کو خون بنا کر آنکھوں کے سپرد کر۔ پھر دونوں آنکھیں کھونے کے بعد جان بھی گنوا دے)۔

ایک فقیر اس کے راستے میں چلتے چلتے مجبور ہو گیا تھا۔ ایک زمانہ تک اس کی جستجو اور رنج و مصیبت میں رہا۔ اور عرصہ تک اپنی جان سے بیزاری کا اظہار کرتا رہا۔ آخر جب مر گیا تو اُس کے سینے پر لکھا ہوا دیکھا گیا۔ "یہ خدا کی محبت کا مارا ہوا ہے"۔ رباعی

آن دل کہ زدستِ دلبران بربودم ہرگز بہ کسے نہ دادم و نہ نمودم
جانان چو بیک نظر دلم بربودے گوئی کہ ہزار سال بیدل بودم

(وہ دل جو معشوقوں کے ہاتھ سے میں لے آیا تھا، میں نے کبھی نہ کسی کو دیا نہ کسی کو دکھایا۔ اے میرے محبوب جب تو نے ایک نگاہ میں میرا دل چھین لیا تو ایسا لگتا ہے کہ ہزاروں برس سے میرے سینے میں دل تھا ہی نہیں)۔ غوطہ لگانے والے جب دریا میں غوطہ مارتے ہیں، وہ جو دریا کی جان ہے اس کی باتیں کرتے ہیں۔ یعنی وہ مچھلی نہیں چاہتے جو روپے پیسے سے خریدی جا سکتی ہے۔ بلکہ وہ ایسا موتی ڈھونڈتے ہیں جو اندھیرے گھر کو روشن کر دے۔ یہ کام بڑی ہوشیاری اور سر دھڑ کی بازی لگا دینے کا ہے کوئی کھیل نہیں ہے۔ فرشتے سب جانتے تھے کہ کوئی بڑا کام سپرد ہونے والا ہے۔ اور ہماری جماعت میں سے کسی کو

اس کام کے لیے چنا جائے گا۔ جبریل علیہ السلام ابلیس کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے جب اس کا موقع آجائے تو تم میرے لیے سفارش کرنا۔ وہ کہتا تھا یہ میرا کام ہے اور میں ہی اس کا مستحق ہوں سب فرشتے آیا کرتے تھے اور ابلیس سے اسی کی درخواست کرتے تھے۔ وہ سب کو یہی جواب دیتا تھا کہ یہ میرا ہی کام ہے اور میرے ہی سپرد کیا جائے گا۔ یہیں سے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید میں اعتقاد کی پختگی کے لحاظ سے ابلیس جیسی صفت ہونی چاہیے تاکہ اس سے کام نکلے۔ اے بھائی! جو کوئی اپنا سر ہتھیلی پر نہ رکھے گا اس راہ میں قدم نہیں ڈال سکتا۔ جواں مرد وہ ہے کہ جب محبت کی باتیں چھڑیں اور غیبی تلواریں چمکنے لگیں تو وہ دل وجان سے اس کا استقبال کرے۔ قطعہ

من کہ باشم کہ بہ تن رخت وفائے تو کشم
دیدہ حمّال کنم بارِ جفائے تو کشم

ور تو بر من بہ تن و جان و دلے صلح کنی
ہر سہ را رقص کناں پیش ہوائے تو کشم

(میں کون ہوں جو تیری محبت اور وفا کا دم بھر دوں اور آنکھوں کو مزدور بنا کر تیرے جور وستم کا بوجھ سنبھالوں۔ اگر تو میرے تن اور دل اور جان کے عوض صلح کرے تو میں ان تینوں کو ذوق وشوق کے ساتھ تیری محبت پر قربان کر دوں)۔ بے حقیقت چیونٹی کے دل میں اگر یہ لالچ سما جائے کہ وہ آسمان تک پہنچے تو یہ ناممکن ہے۔ کل مخلوقات کی عاجزی اور مجبوری خداوند کے جلال وبزرگی کی بار گاہ میں اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی کمزور چیونٹی کو ایک بڑے سانپ کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ ایک قوم مٹی کے ڈھیلوں کی پجاری بن گئی۔ اور ایک گروہ نے پتھر کی پرستش شروع کی۔ اور ایک قوم ساری توجہ مشرق کی طرف کر کے سورج کو بھگوان سمجھنے لگی۔ اور ایک گروہ نے مغرب کی طرف منہ پھیرا۔ اور کوئی ہر وقت اُس کے لیے دوڑ لگاتا ہے۔ اور کوئی اس کی تلاش وجستجو میں سرگرداں ہے۔ اَلْحَقُّ عَزِیْزٌ وَالطَّرِیْقُ بَعِیْدٌ وَالْقُرْبُ بُعْدٌ وَالْوَصْلُ هَجْرٌ وَبِیَدِ الْخَلْقِ قِیْلٌ وَقَالٌ۔ (اور خداوند کریم اس سے کہیں برتر وغالب ہے اور راستہ دشوار اور لمبا ہے اور اس کی نزدیکی بہت دور ہے اور اس کا وصال ہجر ہے اور مخلوق کے ہاتھ میں صرف قیل وقال ہے۔ رباعی

گر در غم تو نیست شوم ننگے نیست
صد جان بہ ترانہ ے تو سنگے نیست

من در طلبِ تو از تو ام رنگے نیست
مور از فلک پر نہ زند جنگے نیست

(اگر میں تیرے عشق میں فنا ہو جاؤں تو کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ سو جانیں بھی تیری ترانہ کا با سنگ

نہیں ہوسکتیں۔ میں تیری جستجو میں پریشان ہوں اور اس کا کوئی اثر نہیں۔ ٹھیک ہے اگر چیونٹی آسمان تک نہیں اڑسکتی تو اس میں کوئی شکایت کی بات نہیں، ایک جہان اس کی جستجو اور تلاش میں ہے مگر اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا۔ اور ایک جہان اس کی طلب میں حیران ہے مگر کوئی راستہ نہیں پاتا۔ اور ایک جہان اُس کی گفتگو میں مشغول ہے مگر گمان کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ ایک جہان اس کی تلاش میں ہے لیکن سوائے ٹھنڈی سانس بھرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور ایک جہان خلوت میں جلتا ہے اور سوائے حسرت و انتظار کے کچھ میسر نہیں آتا۔ اور ایک جہان نے عبادت خانوں میں عمریں گذار دیں مگر سوائے حسرت و افسوس کے کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ ؎

دردا و دریغا کہ ازیں خاست و نشست خاکے بہت مراد رسر و باد لبست بدست

(ہائے افسوس کہ اس ساری نشست و برخاست کا نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ میرا سر خاک آلود ہو کر رہ گیا اور سوائے ناامیدی کے میرے ہاتھ کچھ نہ آیا)۔ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے کانوں نے سنا تھا اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (خداوند جل وعلیٰ کا مقام عرش پر ہے۔ ہم نے عرش پر جست لگائی کہ دیکھیں عرش کی کیا حالت ہے۔ جب وہاں پہنچے تو اس کو اپنے سے بھی زیادہ پیاسا دیکھا۔ اور اُس کی زبان پر جاری تھا۔ رباعی

در تہمتِ عشق تو منم فرسودہ بے آنکہ مرا با تو وصالے بودہ

در سرزنشِ خلق منم بے ہودہ چون گرگ شکم تہی دہن آلودہ

(تیرے عشق کی تہمتوں کا میں نشانہ بنا ہوا ہوں۔ حال یہ ہے کہ اب تک تیرا وصال میسر نہیں ہوا۔ مجھ پر لوگوں کی ملامت اور طعنوں کی بوچھار ہے۔ مگر بھیڑیے کی طرح میرا پیٹ خالی اور منہ خون سے آلودہ ہے)۔ جب اس کی عظمت و جلال پر تو آنکھ ڈالے گا تو دیکھے گا کہ کلیجہ خون ہوگیا۔ اور جب اُس نے جمال پر نظر کرے گا تو معلوم ہوگا کہ غمگین دل کی راحت اسی میں ہے۔ عارفوں کی ہستی اُس کے جلال کے سامنے غم کی آگ میں پگھل رہی ہے اور عشاق اس کے حسن کے نظارے سے خوش ہیں اور ناز کرتے ہیں۔ اَلْمَعْرِفَۃُ نَارٌ وَالْمَحَبَّۃُ نَارٌ فِیْ نَارٍ (معرفت ایک آگ ہے اور محبت آگ کے اندر ایک ایسی آگ ہے جس نے ایک جہان کو جلا ڈالا۔ اور تمام اس کی دھوم مچ رہی ہے ؎

در کوے من از عشق زہے شور زہے شر در کوے تو از حسن زہے کار زہے بار

Marfat.com

(میری گلی میں عشق کا شور و غوغا ہے ۔ اور تیرے کوچہ میں حسن کا شہرہ اور خوب چرچا ہو رہا ہے) ۔ لوگ قصّہ بیان کرتے ہیں کہ ایک حسینہ جو حسن میں بے مثال تھی بغداد میں ایک دن سورج کی طرح چمکتی ہوئی ظاہر ہوئی اور وہاں کے لوگوں میں ایک تہلکہ پڑ گیا ہر شخص اس کے پیچھے دوڑا ۔ وہ ایک گھر میں گھس گئی اور دروازہ بند کر لیا ۔ اس سے پوچھا گیا کہ جب کسی سے ملنا ملانا نہ تھا تو پھر اس رُونمائی کا کیا مطلب؟ اُس نے کہا میں جہان والوں کے شور و غوغا کو دوست رکھتی ہوں ۔ آسمان والے چکر میں اور زمین والے حیران و پریشان ۔ اس کے بغیر کسی کو چین نہیں ۔ اور کسی کو اُس تک پہنچنے کی راہ نہیں ۔ روزانہ کتنی ہی دفعہ عرش کرسی سے کہتا ہے ۔ هَلْ عِنْدَكَ اَثَرٌ (کیا تیرے پاس اس کا کوئی نشان ہے ۔ کرسی عرش سے کہتی ہے هَلْ عِنْدَكَ خَبَرٌ (کیا تجھ کو اس کی کوئی خبر ہے) آسمان زمین سے پوچھتا ہے هَلْ مَرَّبِكَ طَالِبٌ (کیا تیری طرف کوئی طالب گذرا ہے) زمین آسمان سے پوچھتی ہے هَلْ سَافَرَ فِيْكَ عَاشِقٌ (کیا کسی عاشق نے تیری طرف سفر کیا ہے) ۔ اے بھائی! گوشہ گوشہ میں اس کے کشتے اور کونے کونے میں دل جلے بھرے پڑے ہیں ۔ کون سی جان ہے جو اس کے قہر کی آگ سے جھلسی ہوئی نہیں ہے ۔ اور کون سا دل ہے جس کو اس کے لطف و کرم نے نہیں نوازا؟ اگر تم فقیروں کی کٹیا میں جاؤ تو اسی کی طلب کی گرما گرمی پاؤ گے ۔ اور اگر کسی بھٹی پر تمہارا گذر ہو تو وہاں بھی اس کے نہ ملنے کا درد ملے گا ۔ اور اگر تم نصاریٰ کے کلیسا میں پہنچو گے تو سبھوں کو اس کی تلاش میں مست پاؤ گے ۔ اور اگر تم یہودیوں کے کنشت میں جاؤ گے تو سبھوں کو اس کے حسن کے دیدار کے شوق میں سرگرداں پاؤ گے ؎

ہزار عاشق آمد بہ طمع صحبتِ ما ۔۔۔ نثار کرد دل و دیدہ خادمانِ مرا

(ہزاروں عاشق ہم سے ملنے کی تمنا میں آئے ۔ لیکن ہمارے خادموں کا حسن دیکھ کر ایسے مبہوت ہوئے کہ اپنا دیدہ و دل اُن پر قربان کر بیٹھے) ؎

ہمہ ز آتشِ اندوہ ہجر سوختہ گشتند ۔۔۔ کہ کس نہ دید و نہ دانست خود نشانِ مرا

(سب اس کی جدائی کی آگ میں جل کر خاک ہو گئے لیکن کسی نے میرا نشان نہ پایا) غریب عرش پر عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کی تہمت لگی ۔ اور وہ بے چارہ مفلس کی طرح درد سے شور مچاتا ہے ؎

تہمت زدۂ عشقِ یکے مہر دیم ۔۔۔ جز خامشیم ہیچ نہ دارد روئیم

(ایک ماہ پارہ کے عشق کی مجھ پر تہمت لگائی گئی ہے ۔ سوائے چپ رہنے کے میرے لیے کوئی چارہ

Marfat.com

نہیں ہے) سبحان اللہ! سات لاکھ سال گذر گئے اور اب تک اس آگ کا شعلہ تیزی کے ساتھ لپک رہا ہے۔ اور ہر طرف ہزار دل جلے بھنے لوگ ہیں۔ اس کا ڈر ہے کہ کہیں دونوں جہان جھلس کر نیست و نابود نہ ہو جائیں۔ جب روزِ ازل سے یہ آگ سلگ رہی ہے تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔

اے بھائی! اس مٹی اور پانی کی دولت تھوڑی نہیں ہے۔ اور حضرتِ آدم اور انسان کے کام مختصر نہیں ہیں۔ عرش اور کرسی، لوح اور قلم، آسمان اور زمین سب اُسی کی بدولت ہیں۔ حضرت استاد ابو علی نے فرمایا۔ اگر حضرتِ آدم کو اپنا خلیفہ کیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اِتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰہِیْمَ خَلِیْلًا (اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنالیا)۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اِصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ (ہم نے تجھ کو اپنے لیے بنایا)۔ اور ہم کو یُحِبُّہُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کو دوست رکھتے ہیں) کہا۔ لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اس حدیث کو دلوں کے ساتھ مناسبت نہ ہوتی، تو دل، دل باقی نہ رہتا۔ اور اگر عشق و محبت کا آفتاب آدم اور آدمیوں پر نہ چمکتا تو آدم کا کام اور دوسری مخلوقات کی طرح رہ جاتا۔ ابتدا میں یہی بات تھی اور بیچ میں اور آخر میں بھی یہی۔ آج بھی یہی ہے اور کل بھی یہی رہے گی۔ اصحابِ تحقیق نے کہا ہے، یہ جہان اور وہ جہان دونوں کے دونوں طلب کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ وہ جہان طلب کے لیے نہیں بنا ہے تو یہ محال ہے۔ یہ درست ہے کہ نماز اور روزہ باقی نہیں رہے گا۔ مگر یہ بھی تو طلب کا ایک جزو ہے۔ قیامت کے بعد ہر ایک شریعت مٹادی جائے گی۔ لیکن یہ دو چیزیں ہمیشہ ہمیشہ قائم رہیں گی۔ اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ (خدا کے لیے محبت اور خدا کی حمد و ثنا)۔ کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حج، جہاد روزہ، نماز کے احکام منسوخ کردیے جائیں۔ مگر محبت کا پیمان منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ اور بہشت میں روزانہ جس جس کی شکل تیرے سامنے آئے خداوند تعالیٰ کی معرفت کا ایک عالم تجھ کو نظر آئے گا۔ کہ اس سے پہلے تو نے کبھی دیکھا نہ ہوگا۔ یہ ایسا کام ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اور خدا نہ کرے کہ ختم ہو۔ رباعی

تا من بزیم پیشہ و کارم این است | آرام و قرار و غم گسارم این است
روزم این است روزگارم این است | جویندۂ صیدم و شکارم این است

(جب تک میری زندگی ہے میرا یہی کام ہے۔ میرا سکون و آرام اور دوست یہی ہے۔ میرے دن

Marfat.com

رات کا مشغلہ اور پیشہ یہی ہے۔ میں شکار ڈھونڈھتا ہوں اور شکار یہی ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سینتالیسواں مکتوب ۴۷

محبت کی نشانیوں میں

بھائی شمس الدین جانو کہ بندوں کے ساتھ خدا کی دوستی چھپی ہوئی ہے جب بندہ اس بات کو جاننا چاہے کہ وہ خدا کا دوست ہے یا نہیں تو اس کی نشانیوں سے دلیل قائم کرے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا اِبْتَلَاہُ فَاِنْ اَحَبَّہٗ الْحُبَّ الْبَالِغُ اِقْتَنَاہُ۔ (جب خدائے بزرگ و برتر کسی بندہ کو دوست بناتا ہے تو اس کو بلاؤں میں ڈال دیتا ہے۔ اور جب وہ دوستی میں زیادتی کرتا ہے تو اس کو اقتنا فرماتا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا اقتنا کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کا مال اور اس کے بال بچوں کو چھین لیتا ہے۔ تو بندے کے ساتھ خدا کی دوستی کی نشانی یہ ہے کہ اس کو غیر خدا سے بیگانہ کر دے۔ اور بندے اور خدا کے بیچ میں کوئی دوسری ہستی نہ آنے پائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ خچر کیوں نہیں خریدتے کہ اس پر سواری کریں؟ آپ نے کہا کہ میں خدا کے نزدیک اس سے زیادہ عزیز ہوں کہ مجھ کو اپنے سے جدا کر کے ایک خچر کی طرف متوجہ کرے۔ اگر تو کہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ دولت مند گذرے ہیں تو کیا ان کو مال اور دولت کی محبت روکتی نہ تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کل کے کل جن کو خدا دوست رکھتا ہے مراد نہیں ہیں بلکہ ان میں کے بعض بعض جیسا کہ کہا ہے۔ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ (ہمارے دوست ہماری قبا کے نیچے چھپے ہوئے ہیں جس کو کوئی دوسرا سوائے ہمارے پہچان نہیں سکتا) یہاں اولیاء کا لفظ کل پر واقع ہوتا ہے لیکن اس سے بعض ہی مراد ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا اِبْتَلَاہُ فَاِنْ صَبَرَ اِجْتَبَاہُ وَاِنْ رَضِیَ اِصْطَفَاہُ (جب خدائے بزرگ و برتر کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو بلاؤں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر اگر اس نے صبر کیا "اجتبا" کے لقب سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور اگر سرِ تسلیم خم کر دیا تو "اصطفا" کی خلعت سے نوازتا ہے۔ اجتبا کے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالے

Marfat.com

خاص فیض بندہ کو عنایت فرماتا ہے جس سے تمام نعمتیں بغیر کوشش کے اس کو حاصل ہو جاتی ہیں اور اصطفا کے مطلب یہ ہیں کہ اس کو ساری آلودگیوں سے پاک و صاف کر دے۔ ایک عالم نے کہا ہے اگر تو دیکھے کہ تو اس کو دوست رکھتا ہے۔ تو وہ بھی تجھ کو دوست رکھتا ہے! اور پھر اگر تو دیکھے کہ تجھ کو مبتلا کرتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ تیری صفائی چاہتا ہے اور وہ صفائی دوسروں کے لگاؤ سے اپنے کو الگ کر لینا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

روزان و شبان نشستہ ام در کارت   با ہر کہ بہ سازی شکنم بازارت

(میں دن رات تیرے کام میں لگا ہوا ہوں۔ اگر تو کسی دوسرے سے تعلق رکھے گا تو میں تیری دھاک اُکھاڑ دوں گا)۔ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ مجھ کو دوستی کا ذرا سا حصہ دکھلایا گیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اے لڑکے تجھ کو اپنے سوا کسی دوسرے محبوب کے ساتھ مبتلا کیا ہے؟ تو نے اس کو اس محبوب پر اختیار کیا اور چن لیا ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ انھوں نے کہا تو پھر دوستی کی امید مت رکھ کیونکہ اس وقت تک دوستی نہیں ہو سکتی جب تک کہ بندے کو مبتلا نہ کریں۔ اور حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا جَعَلَ لَہٗ وَاعِظًا مِنْ نَفْسِہٖ وَزَجْرًا مِنْ قَلْبِہٖ یَاْمُرُہٗ وَ یَنْھَاہُ (جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اُس کے نصیحت کرنے والا، اور اس کے دل کو تنبیہ کرنے والا بنا تا ہے جو اُسے نیکی کا حکم دیتا اور بدی سے منع کرتا ہے)۔ اور کہا اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ لِعَبْدِہٖ خَیْرًا اَبْصَرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ (جب خدا اپنے بندے کے لیے نیکی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اپنے نفس کے عیبوں کو دیکھ لیتا ہے)۔ اور کہا گیا ہے خدا کے ساتھ بندے کی دوستی کی بعض خاص خاص علامتیں ہیں۔ یہی خدا کی دوستی کی اس کے لیے دلیل ہیں جس طرح پھل درخت کی دلیل ہوتا ہے۔ اور دھواں آگ کی۔ اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَمْ یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ۔ (جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کا کوئی گناہ اُسے نقصان نہیں پہنچاتا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو موت سے پہلے اُسے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اُس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اور زاہد اسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ خدا جب کسی بندے کو دوست بنا لیتا ہے تو یہاں تک دوستی بڑھاتا ہے کہ اس کو فرماتا ہے جو تیرے دل میں آئے کر، میں نے تجھ کو بخش دیا۔ اور اگر تو کہے کہ معصیت محبت کی ضد ہے کہ نہیں؟ تو اس کا جواب

Marfat.com

یہ ہے کہ معصیت کمال محبت کی البتہ ضد ہے نہ کہ صرف محبت کی۔ تو نہیں دیکھتا کہ بہتیرے لوگ طبیعت اور مزاج کو دوست رکھتے ہیں جب وہ بیمار پڑ جاتے ہیں تو صحت تندرستی کی تمنا کرتے ہیں اور کوئی چیز نقصان کرنے والی کھا لیتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ اس سے ضرر پہنچے گا۔ اور یہ اس چیز کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ طبیعت اور مزاج کو دوست نہیں رکھتے۔ لیکن ممکن ہے کہ طبیعت اور مزاج کے متعلق اس کی معرفت کمزور اور خراب ہو۔ اور بھوک اور رغبت اور خواہش زیادہ ہو تو محبت کا جس قدر حق ہے اس کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک عارف نے فرمایا ہے کہ جب محبت دل کی ظاہری سطح میں ہوگی تو خدا کی محبت درمیان میں ہوگی اور جب محبت دل کی گہرائیوں میں پہنچ جائے گی تو کمال کے درجے کو پہنچے گی اور اس سے گناہ سرزد نہ ہوں گے۔ اور تمام دعودل میں محبت کا دعویٰ کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ اس لیے ہے کہ خواجہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب تجھ سے سوال کیا جائے کہ تو خدا کو دوست رکھتا ہے؟ تو چپ رہ۔ کیونکہ اگر تو نے نہیں کہی تو یہ کفر ہوگا۔ اور اگر تو نے ہاں کہی، تو چونکہ تجھ میں دوستوں کی صفت نہیں ہے اس لیے دشمنی کا خوف لازم آئے گا۔ سمجھو کہ محبت کا دعویٰ کرنا تو بہت آسان ہے۔ مگر اس کے معنی بڑے سخت اور کٹھن ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ شیطان کے بہکانے اور نفس کے فریب میں نہ آجائے اور جس وقت خدا کی محبت کا دعویٰ کرے تو جب تک ان علامتوں کو آزما نہ لے اور ان دلیلوں کو پرکھ نہ لے مطمئن نہ ہو۔ محبت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ خلوتوں میں مناجات کے وقت حد درجہ کی موانست ہو۔ اور جب محبوب کے ساتھ خلوت نصیب ہو تو اس میں ایسی لذت پائے جس پر دین و دنیا کی لذتیں قربان ہو جائیں۔ برخ کے قصہ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بزرگی اور عظمت کے باوجود ان سے درخواست کی کہ پانی برسنے کی دعا کیجیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تھا کہ برخ ہمارا نیک بندہ ہے۔ مگر اس میں ایک عیب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا وہ عیب کیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا وہ صبح کی ٹھنڈی ہوا پسند کرتا ہے اور جو کوئی میری دوستی کا دعویٰ کرے اُس کو غیر اللہ کے ساتھ چین و آرام کہاں۔ ایک قصہ ہے کہ ایک عابد کسی جنگل میں ایک زمانہ دراز تک خدا کی عبادت کرتا رہا۔ اُس نے ایک چڑیا دیکھی جو کسی درخت پر گھونسلا بنائے ہوئے تھی۔ اُس کی

Marfat.com

سریلی آواز اس عابد کو بھلی لگی۔ اس عابد نے چاہا کہ اس درخت کے نیچے اپنی جھونپڑی بنائے۔ اس کے نغموں سے لطف اٹھائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس زمانے کے پیغمبر پہ وحی آئی کہ فلاں عابد کو جاکر کہو کہ تو نے ایک مخلوق سے محبت اختیار کی ہے اس لیے میں نے تجھ کو تیرے مرتبے سے اتنا نیچے گرادیا ہے کہ اب تو کسی ریاضت کے ذریعہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اے بھائی بعض لوگوں کو مناجات میں محبت کا اس حد تک مزا ملا ہے کہ ان کا سارا گھر جل کر خاک ہوگیا۔ اور ان کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوئی۔ اور بعضوں کا پاؤں نماز کی حالت میں کسی بیماری کی وجہ سے کاٹا گیا ہے اور ان کو اس کا مطلق احساس تک نہ ہوا۔ تو جب انس اور محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو مناجات اور خلوت اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے۔ اس کے دل سے جملہ افکار دُور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک دنیا کا کوئی کام وہ نہ جانے گا جب تک کہ چند بار اس کے کان میں نہ کہا جائے جب خدا کا عاشق کسی سے بات بھی کرتا ہے تو اس کا باطن خدا کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ لہٰذا محبت کے یہ معنی ہیں کہ کرنے والے کو سوائے اپنے محبوب کے کبھی سکون و آرام نہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے جس میں یہ باتیں نہ ہوں وہ خدا کا دوست نہیں ہو سکتا۔ ایک وہ کہ مخلوق کی باتوں پہ خدا کی باتوں کو ترجیح دے اور اختیار کرے۔ دوسرے وہ کہ خدا کے دیدار کو مخلوق کے دیدار پر فوقیت دے۔ تیسرے یہ کہ خدا کی بندگی کو خلق اللہ کی خدمت کرنے سے بالا و برتر سمجھے۔ اور انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سوائے خدا کی یاد اور اس کے لگاؤ کے کسی اور چیز کے نقصان اور کھو جانے کا افسوس نہ کرے۔ یہی بھید ہے جو کہا گیا ہے ؎

گرمرا ہیچ نہ باشد نہ بدنیا نہ بہ عقبیٰ چوں تو دارم ہمہ دارم دگرم ہیچ نہ باید

(اگر دین و دنیا میں مجھے کچھ بھی نہ ملے تو کوئی پرواہ نہیں جب تو میرا ہے تو سب کچھ مجھے مل گیا۔ اب مجھے کچھ اور نہیں چاہیے) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس کی بندگی ہی میں اس کو آرام حاصل ہو۔ اور اس کو بوجھ نہ سمجھے اور نہ اس کی تھکن محسوس ہو۔ جیسا کہ ان لوگوں میں سے کسی نے کہا ہے۔ جو کام محبت کے لیے ہو اس میں سستی اور غفلت نہیں ہونی چاہیے۔ یعنی اس کا جسم تو تھک جائے مگر اس کا دل نہ تھکے۔ اور علماء کہتے ہیں کہ خدا کو دوست رکھنے والا اس کی بندگی سے کبھی آسودہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ عاشق کا معشوق کی اطاعت قبول کرنا بالکل فطری ہے۔ وہ کسی تکلف کی وجہ سے نہیں کرتا۔ باوجود اس کے کہ اس کی

Marfat.com

بندگی کے طریقے اور ذرائع بہت ہوں۔ اور اس کی مثال ظاہری چیزوں کو دیکھنے میں ملتی ہے کیونکہ معشوق کی طلب میں عاشق پر دوڑ دھوپ اور حیرانی و سرگردانی کچھ جبر نہیں گذرتی۔ اس کام کو وہ دل سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور غنیمت جانتا ہے۔ اگرچہ جسمانی لحاظ سے یہ اس کی برداشت سے زیادہ ہو۔ اور اگر عارف ہو تو فرشتوں کی حالت پر نظر ڈالے تو دیکھے گا کہ وہ خدا کی تسبیح میں رات دن مشغول ہیں۔ اور کسی طرح کی سستی نہیں کرتے۔ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ یقینی طور پر اُسے اپنی دوستی پر شرم آنی چاہیے۔ اور قطعی طور پر سمجھنا چاہیے کہ وہ ذلیل ترین عشاق میں سے ہے۔ ایک دوست نے کہا کہ میں نے تیس برس تک دل اور اعضا کے ذریعہ خدا کی پرستش کی۔ یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ خدا کے نزدیک میری کوئی قدر ہے۔ پھر اپنے مکاشفہ میں فرشتوں کی صف میں پہنچا اور پوچھا کہ تم کون ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم خدا کے دوستوں میں ہیں بیس لاکھ برس گذر گئے کہ ہم اسی جگہ پر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس اثنا میں ہمارے دلوں کے کسی گوشہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے تصور کے سوا کسی دوسرے کا خیال تک نہیں گذرا۔ اور اس کے سوا ہم نے کسی کو یاد نہیں کیا"۔ اس کے بعد مجھے اپنے اعمال پر شرم آئی اور وہ تیس برس کی عبادت میں نے ایک ایسی جماعت کو بخش دی جو عذاب کی مستحق ہو چکی تھی۔ اب یہاں سے معلوم ہو گیا کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور خدائے بزرگ و برتر سے جس قدر کہ واجب ہے شرم کی۔ اور اس کی زبان گونگی ہو گئی تا کسی دعوے کا بے زبانی کے سبب اظہار نہ کر سکے۔ لیکن اس کے اخلاق و اوصاف اور چال چلن خدا کی محبت پر گواہ ہیں۔ جیسا کہ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے استاد حضرت سری سقطی قدس اللہ سرہٗ بیمار تھے ہم ان کی بیماری کا علاج نہیں جانتے تھے۔ ایک اچھے طبیب کی تعریف ہم نے سنی اور آپ کا قارورہ اُس کے پاس لے گئے۔ طبیب نے تھوڑی دیر تک اس کو دیکھا پھر کہا یہ کسی عاشق کا قارورہ ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سن کر ہم بے ہوش ہو گئے اور ہمارے ہاتھ سے قارورہ گر پڑا۔ جب ہم کو ہوش آیا تو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور سارا حال ان سے کہہ دیا۔ وہ مسکرائے اور فرمایا اللہ اس کو مقبول بنائے بڑی سمجھ رکھتا ہے۔ میں نے حضرت سے پوچھا، کیا محبت کی علامت قارورہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں سہ

حدیثِ سینۂ سوزانم اے اشتی روے
مپرس کاتش دوزخ برآید از دہنم

(اے بہشتی چہرے والے میرے سینہ سوزاں کی بات مت پوچھ۔ حال یہ ہے کہ بات کرنے میں میرے منہ سے دوزخ کے شعلے نکلنے لگتے ہیں)۔ اب سمجھو کہ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات اور جہالت کی وجہ سے خدا کے دشمن شیطان کو دوست رکھتا ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ خدا کو دوست رکھتا ہے تو اس میں محبت کی ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں پائی جاتی۔ جب حضرت خواجہ سہل رحمۃ اللہ علیہ کسی سے بات کرتے تو "اے دوست" کر کے مخاطب کرتے۔ کسی نے پوچھا کہ جسے آپ دوست کہتے ہیں ممکن ہے وہ دوست نہ ہو، پھر آپ ہر ایک کو کیوں دوست کہتے ہیں؟ آپ نے اس کے کان میں چپکے سے کہا۔ وہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا مومن ہے یا منافق۔ اگر وہ مومن ہے تو خدا کا دوست ہے۔ اور اگر منافق ہے تو شیطان کا دوست ہے۔ اے بھائی دو دوستیوں میں بہت سے کام چلتے ہیں۔ اگرچہ ظاہر میں وہ سب نقصان دہ ہیں۔ لیکن محبت کی چار دیواری سب کچھ برداشت کر لیتی ہے۔ محبت کی بارگاہ میں عشاق کی لغزشیں چشم پوشی کے لائق ہیں۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ایک شخص آیا۔ جب رخصت ہونے لگا تو معذرت کی (کہ میں نے آپ کا وقت ضایع کیا معاف فرمائیے)۔ آپ نے فرمایا خاطر جمع رکھو، ہم سے تم سے محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔ اور دوست دوست سے بدگمان نہیں ہوا کرتا۔ حُبُّكَ لِشَیْءٍ يُعْمِي وَيُصِمُّ (کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور گونگا بنا دیتی ہے)۔ یہی راز ہے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا لَیْسَ الْعَجَبُ مِنْ حُبِّیْ لَكَ وَاَنَا عَبْدٌ ضَعِیْفٌ بَلِ الْعَجَبُ مِنْ حُبِّكَ لِیْ وَاَنْتَ رَبٌّ قَوِیٌّ (یہ تعجب کا مقام نہیں کہ میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں کیونکہ میں ایک عاجز اور خاکسار بندہ ہوں بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ تو مجھ کو دوست رکھتا ہے حالانکہ تو ربّ قوی ہے۔ اور مجھ سے بہتر تیرے ہزاروں عاشق ہیں)۔ یہاں سے سمجھو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمھاری مٹی سے محبت کا درخت اُگے اور ساقی مہربان يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کی شراب سے سیراب نہ کرے۔ یہیں سے کہا گیا ہے۔ رباعی۔

در راہِ تو من کیم کہ در منزلِ من	از چہرۂ تو گلے دمد بر گلِ من
این خود نہ بس است، زمہرِ تو حاصلِ من	کز عشقِ تو آراستہ باشد دلِ من

(تیرے راستے میں میری کیا حقیقت ہے کہ تیرے حسین چہرے سے میری مٹی میں پھول کھل جائے۔ یہی کیا کم ہے جو مجھے تیری عنایت و مہربانی سے حاصل ہوا کہ تیرے عشق سے میرا دل آراستہ ہو گیا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اڑتالیسواں مکتوب ۴۸

محبت اور عشق کے احکام میں

میرے بھائی شمس الدین۔ تم کو اللہ اپنی محبت کا کمال نصیب کرے۔ جانو کہ خدا کی دوستی بندے کے لیے اور بندے کی دوستی خدا کے لیے درست ہے اور قرآن و حدیث میں اس کے متعلق ذکر ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے۔ خداوند تعالےٰ کی ذات میں ایسی صفت موجود ہے کہ محبت کرنے والے ان کو دوست بنائیں۔ اور وہ اپنے دوستوں کو دوست رکھے۔ اور لغوی تحقیق کی رُو سے لفظ محبت حَبّہ سے نکلا ہے۔ جس کے معنی بیج کے ہیں جس کو زمین میں بوتے ہیں۔ پھر حَبَّہ کو حُب بنا دیا۔ زندگی کی جڑ اسی میں ہے۔ جس طرح روئیدگی یعنی اُگنے کی استعداد تخم میں ہوتی ہے۔ جب بیج مٹی میں مل کر چھپ جاتا ہے اُس پر پانی برستا ہے اور دھوپ لگتی ہے۔ اور جاڑوں کی ٹھنڈک اور گرمی کی تیزی اُس پر پہنچتی ہے مگر وہ بدلتا نہیں جب اس کا موسم آتا ہے تو اُگنے لگتا ہے اور پھول پتیاں نکلتی ہیں پھر پھل لاتا ہے۔ اے بھائی! ٹھیک اسی طرح جب محبت دل میں گھر بنا لیتی ہے تو محبوب کی موجودگی اور جدائی سے، اور بلا و مشقت سے، اور لذت و آرام سے وہ بدلتی نہیں۔ مگر عوام اور علماء کی اصطلاح میں کچھ اختلاف ہے۔ متکلموں کا خیال ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنی محبت کی جو خبر دی ہے اور صفتوں کی طرح سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ اسباب کی بنا پر ہے۔ ایک یہ کہ اگر قرآنِ پاک اور حدیث شریف میں اس کا بیان نہ آتا تو خداوند تعالیٰ کی ذات کے ساتھ محبت کی صفت کا معلوم کرنا عقلاً محال ہوتا۔ تو ہم انھیں اقوال کو سن کر اس پر ایمان لائیں لیکن اس کی حقیقت کے سوچ بچار میں خاموش رہیں۔ اور علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ محبت نفس کا رجحان اور دل کا میلان ہے اور یہ صفت جسم کی ہے ذاتِ قدیم پر یہ صادق نہیں آتی۔ کیونکہ وہ جسم سے بالاتر ہے۔ اور اس طرح کی محبت ساری مخلوقات کو اور ہم جنس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ یہ لوگ بندے کی محبت کو خدا کی بندگی اور اطاعت کہتے ہیں۔ اور بندے کے ساتھ خدا کی محبت کو ہدایت اور اس کی نوازش بیان کرتے ہیں۔ اور اس گروہ کے لوگ یہی جانتے ہیں کہ بندے کے ساتھ خدا کی محبت کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندوں پر انعام و اکرام کرتا ہے۔ دنیا اور آخرت میں ثواب عطا فرماتا ہے۔ اور

Marfat.com

عذاب کے مقام سے اس کو بری کرتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ اُس کو بلند اور برتر مقام عنایت فرماتا ہے۔ اور اس کی توجہ غیر حق سے ہٹا کر عنایت ازلی کا سرا اُس کے ساتھ جوڑ دیتا ہے تاکہ ماسوا سے اُس کا دل قطعی خالی ہو جائے اور صرف خداوند تعالیٰ کی رضا اور تسلیم کی طلب باقی رہ جائے۔ اور بندے کی محبت خدا کے ساتھ ایک ایسی صفت ہے جو دلِ مومن میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے معنی ہیں خدا کی تعظیم اور اس کے اکرام کا اعزاز۔ تاکہ اس کی رضامندی کا وہ طلب گار ہو جائے۔ اور اُس کے دیدار کی طلب میں بے چین رہے۔ اور اس کے بغیر کسی طرح اس کو آرام نصیب نہ ہو اور اسی کی داستان سننے کی عادت ڈالے۔ دوسری باتیں سننے سے پرہیز کرے۔ اور ساری خواہشات اور دوستی سے کنارہ کشی اختیار کرلے اور شہنشاہِ محبت کا استقبال کرے۔ اور دوستی کے حکم پر گردن ڈال دے۔ اور یہ کبھی جائز نہیں کہ اس کے دل میں خدا کی محبت مخلوقات کی محبت کی طرح ہو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی خواہش اور محبوب کی تلاش اور دوست کے ملنے کی خوشی اور لطف وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ صفت جسم کی ہے اور باری تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و برتر ہے۔ اس میں احاطت اور ادراک لحوق و احتظاظ کا گذر نہیں۔ جو شخص محبت کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے اس کو کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ اور اس کے دل سے شک کا خیال بھی اُٹھ جاتا ہے۔ محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک محبت ہم جنس کی اپنے ہم جنس سے، خواہشاتِ نفسانی کی لذتیں، اور محبوب کی جستجو وصال حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اور دوسری محبت جنس کی جنس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اس طلب کا لگاؤ محبوب کے اوصاف کے ساتھ ہے۔ اور طالب کو انھیں سے آرام ملتا ہے۔ اور محبت کرتا ہے۔ جیسے کسی کی بات سننے کی تمنا کسی کے دیدار کی خواہش۔ اور محبت کی حقیقت میں مشائخین رضوان اللہ علیہم کے بہت سے اقوال ان کی کتابیں دیکھنے سے انشاء اللہ معلوم ہو جائیں گے۔ عشق کے متعلق مشائخ کے چند نظریے ہیں۔ اس گروہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ بندے کا خدا سے عشق کرنا جائز ہے۔ اور یہ جائز نہیں رکھتے کہ خدا بندے سے عشق کرے۔ کیونکہ عشق منع کی صفت ہے اپنے محبوب سے اور بندہ باری تعالیٰ کی طرف سے ممنوع ہے، نہ کہ باری تعالیٰ بندے سے۔ تو بندہ کا عشق خدائے تعالیٰ کے ساتھ جائز ہوا۔ اور خدا کا عشق بندے کے ساتھ روا نہیں۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ خدا کے ساتھ بندے کا عشق جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عشق ایک حد کو چھوڑنا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کی ذات محدود نہیں ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ بغیر دیکھے ہوئے

Marfat.com

عشق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور کسی کی تعریف سن کر عشق ہو جانا جائز نہیں ہے۔ چونکہ عشق کو نظر سے تعلق ہے اور دنیا میں کسی کی آنکھ خدا کو نہیں دیکھ سکتی اس لیے جائز نہیں۔ اور محبت چونکہ ایک خبر کی حیثیت رکھتی ہے ہر شخص نے اس کا دعویٰ کیا ہے یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ کے ارشاد میں سب برابر ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے بندے کا عشق خدا کے ساتھ جائز رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک حد ہے جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے تو اس کا نام بدل کر دوسرا ہو جاتا ہے جو اس سے پہلے نہ تھا اور اس مقام کی انتہا اور کمال سے بلند و برتر نہ ہوگا۔ لیکن رجوع ہو سکتا ہے جو کہ کمال کے درجے سے اتر کر نقصان کی طرف آئے جس طرح درخت اُگ کر بڑھتے جاتے ہیں اور اپنے کمال کی حد چاہتے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ پھل پیدا ہوں۔ جب وہاں تک پہنچ جاتے ہیں تو سوکھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح دوسری مثال انسان کے بچپنے کی ہے۔ آدمی شیر خوارگی کے زمانے سے برابر بڑھتا جاتا ہے۔ اور عمر کی ایک حد تک پہنچ جاتا ہے تو وہ نمو میں کمال کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہولت اور بڑھاپے کے سن میں پہنچ جاتا ہے۔ محبت کا حال بھی اسی طرح ہے۔ پہلے پہل محبوب کا حسن و جمال دیکھنا، نظر سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا اشتیاق ہر وقت بڑھتا جاتا ہے اور محبت اپنے کمال کے درجے تک پہنچنا چاہتی ہے۔ جب اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی تو خواہشات سے آزاد اور نفسانی تعلقات سے بری ہو جاتی ہے۔ اور انتہائے محبت میں وصل اور ہجر اور رنج و راحت اور نزدیکی و دُوری سے بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ یہاں تک پہنچ کر اس میں نقصان آنے لگتا ہے۔ اور ہر خواہش کو خیرباد کہہ دیتی ہے اور عشق کے مقصد تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں اس کا نام عشق ہو جاتا ہے، جب عشق نام پڑ گیا تو گمان و وہم کے دائرے سے باہر نکل آتی ہے۔ اور انوارِ الٰہی کی طرف سے اُس کا نام عشق رکھا جاتا ہے۔ جب تک اس کو پوجتا ہے اس کا نام عابد، اور جب اس کو جانتا ہے عاقل، جب پہچانتا ہے تو عارف، جب ماسوا سے پرہیز کرتا ہے تو زاہد، جب سچائی کے ساتھ اس کا ارادہ کرتا ہے تو مخلص جب دوستی کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو مشتاق، جب اُس کی رضا کے لیے ساری مخلوق کو نظر سے گرا دیتا ہے تو خلیل اور جب اس کے مشاہدہ پر اپنی ہستی تصدق کر دیتا ہے تو حبیب ہو جاتا ہے۔ جب یہاں تک پہنچ جائے کہ اپنی فنا اور بقا کو دوست کی ذات میں کلیۃً گم کر دے تو اس کا نام عاشق پڑتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ دوست ازلی کے مشاہدے کے نور سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ بہ بحا ہے

آتا ہے اور آنکھوں میں اپنا نور اور کانوں میں اپنی گونج رکھ دیتا ہے۔ رفتار میں تیزی اور یسفت میں مخلوقات سے کنارہ کشی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اب عاشق جو کام کرے گا نہ اپنے فائدے کے لیے اور نہ کسی غیر کے لیے۔ بلکہ ہر کام بے اختیارانہ اس سے سرزد ہوگا۔ اور ان سب کے معنی عشق ہی کے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے عشق باتوں اور دلیلوں سے معلوم نہیں ہوسکتا۔ اور یہ اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ فہم اور گویائی کی طاقت کے ذریعہ اس کے جلال کے محل کے پاس بھی پھٹک سکے۔ یا مکاشفہ کی آنکھ سے اس کے جمال کی حقیقت کی طرف دیکھ سکے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ غزل

عشقم کہ در دو کون مکانم پدید نیست　　عنقائے مغربم کہ نشانم پدید نیست
ز ابرو و غمزہ ہر دو جہان صید کردہ ام　　منگر بدین کہ تیر و کمانم پدید نیست
چون آفتاب در رخ ہر ذرہ ظاہرم　　وز غایت ظہور عیانم پدید نیست
گویم بہ ہر زبان و بہر گوش بشنوم　　وین طرفہ تر کہ گوش و زبانم پدید نیست
چون ہر چہ ہست در ہمہ عالم ہمیں منم　　مانند در دو عالم ازانم پدید نیست

(میں وہ عشق ہوں جو کون و مکان میں ظاہر نہیں ہے۔ میں وہ عنقائے مغرب ہوں جس کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ میں نے اپنے ناز اور ادا سے دونوں جہان کو شکار کر لیا ہے۔ یہ نہ دیکھ کہ میرے تیر و کمان کہیں نظر نہیں آتے۔ میں آفتاب کی طرح ہر ذرہ میں چمک رہا ہوں۔ لیکن کمالِ ظہور کی وجہ سے میرا ظاہر ہونا نظر نہیں آتا۔ ہر زبان میں میں ہی باتیں کرتا ہوں اور ہر کان سے میں ہی سنتا ہوں۔ اور عجیب تر یہ کہ میرے کان اور زبان ظاہر نہیں۔ سارے جہان میں جو کچھ ہے وہ میں ہی ہوں میری مثال دونوں جہان میں نہیں مل سکتی)۔ جب تک تمھاری حیات ہے اسی جوش و خروش میں دامن کی دھجیاں بکھیرتے رہو اور سر پر خاک اڑاتے رہو۔ جو لوگ ابتدائے اسلام سے آج تک کہتے رہے ہیں کہ غم اور مصیبت میں کپڑا نہ پھاڑو۔ مگر عاشقوں کے درد اور اُن کے دل کی جلن کی شدت ایسی باتیں ہیں کہ مفتی لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ یہ ہے جس کو کہا ہے۔ رباعی

دل گفت ز عشق توبہ محکم بہ　　بد گفت ز عشق جانِ من خرم بہ
گم باد دلِ من از میانِ من و تو　　بد گوئی زر وے ہر دو گیتی کم بہ

(دل نے کہا، عشق سے توبہ کرنا بہتر ہے۔ تو دل نے یہ بات غلط کہی۔ عشق سے تو میری جان کو

خوشی حاصل ہوتی ہے۔ خدا کرے ہمارا اور تمھارا دل کھو جائے۔ یہی اچھا ہے کہ برا کہنے والا دونوں جہان میں کم ہو جائے (خس کم جہاں پاک)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انچاسواں مکتوب ۴۹

طالب کے بیان میں

بھائی شمس الدین زندہ رہو اور نفس جیسے دشمن پر فتح حاصل کرو۔ جانو کہ طالب کو کسی جگہ ٹھہراؤ نہیں ہے۔ اور کسی منزل میں آرام کا موقع نہیں۔ بلکہ دونوں جہان میں راحت و سکون اس پر حرام ہے۔ جیسا کہ کہا ہے اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَوْلِیَائِہٖ (خدا کے دوستوں کے دلوں پر آرام حرام ہے) خود ان کو بھی اُس کے غیر کے ساتھ آرام کہاں ممکن اے بھائی سمجھو جس کا محبوب ایسا ہوگا اُس کو دونوں جہان میں سکون و آرام کیونکر مل سکتا ہے۔ کیونکہ دنیا فراق کی جگہ ہے اور آخرت دیدار کا مقام ہے۔ تو فراق میں طالب کے دل کو آرام کرنا جائز نہیں۔ اور دیدار کی جگہ میں چین نہیں۔ کیونکہ طالبوں کے دل کو انھیں دو چیزوں میں سکون ہو سکتا ہے تاکہ آرام اٹھائے۔ یا مطلوب کو پالینا یا محبوب سے غافل ہو جانا محبوب کا پالینا دنیا اور عقبیٰ میں روا نہیں تاکہ دل طلب کی مشقت سے آرام پائے۔ اور غفلت اس کے طالبوں کے لیے جائز نہیں کہ دل تلاش و جستجو چھوڑ کر خاموش بیٹھ جائے۔ اس مطلب کو صاحب کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔ اور معارف کی شرح میں لائے ہیں کیونکہ محبوب کی ہستی مکان کی قید سے بالاتر ہے۔ اور محب کا وجود مکان سے تعلق رکھتا ہے۔ مکان سے آگے قدم نہیں رکھ سکتا، تو محبوں اور طالبوں کے دل کا درد دکھ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اور عاشقوں کے دل کا رنج و غم دوامی ہے۔ اے بھائی! مطلوب کی بزرگی کی سواری علوی بلندی پر ہے۔ اور طالبوں کا مقام اسفل کی پستی میں ہے مطلوب کا عالم کبریائی سے نیچے اترنا جائز نہیں اور طالبوں کی ترقی و عروج عبودیت کی گہرائی سے ممکن نہیں مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم نے کہا ہے کہ دونوں جہان میں طالب کے دل سے طلب

Marfat.com

نہیں مٹتی۔ لیکن آخرت میں طالب کا کوئی نام اور لقیت باقی نہیں رہتا صرف طلب رہ جاتی ہے۔ اس لیے کہ محبوب و مطلوب کا جمال و کمال کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اس لیے طلب ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ اور طالب پر آرام کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ ~

عشق ما را کے بود غایت پدید حسن جانان چون نہ دارد غایتے

(ہمارے عشق کی حد کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ محبوب کے حسن کی کوئی انتہا نہیں ہے) طالب کے کشوت و عظمت کی منزل میں چار مقامات سے گذرنا پڑتا ہے۔ پہلا خوف، دوسرا خشیئت، تیسرا وجل، چوتھا ہیبت خوف عذاب سے، خشیئت منقطع ہونے سے اور وجل معرفت میں کوتاہی دیکھنے سے اور ہیبت وصال نہ ہونے سے۔ عذاب کا خوف عابدوں کا مقام ہے۔ اس کا پھل دنیا کی نعمتوں سے ہاتھ اٹھا لینا ہے، اور خشیئت صدیقوں کا مقام ہے۔ اس کا حاصل سوائے دوست کے اپنے کو سب سے الگ تھلگ رکھنا ہے اور وجل محبوں کا مقام ہے اس کا مقصد اغیار سے آنکھ پھیر لینا ہے۔ اور ہیبت عارفوں کا مقام ہے اس کی لذت محبوب کی ذات میں گھل ملنا ہے۔ کل مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ جب بندہ مقامات کے سنگ راہ کو طے کر کے آگے بڑھ گیا۔ اور جملہ اوصافِ محمودہ اس کی ذات میں آگئے اور غیر حق کے دیکھنے سے وہ بری ہو گیا تو اس کا حاصل عقل کی فہم اور ادراک سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے رہن سہن تک میں وہم و گمان کی رسائی ناممکن ہو جاتی ہے اس وقت وہ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قِبَائِیْ کے پردے میں چھپ جاتا ہے۔ یہ دل جلوں کی باتیں ہیں۔ خودی میں رہنے والوں کے قصے نہیں۔ یہ جوانمردوں کی راہ ہے بچوں کا کھیل نہیں۔ ع رو بازی کن کہ عاشقی کارِ تو نیست (جاؤ جاؤ عاشقی تمہارا کام نہیں ہے)۔ زلیخا کی صفت اور مجنوں کی باتیں ہونا چاہیے۔ تاکہ حضرتِ یوسف اور لیلیٰ کی کہانی سن سکے۔ لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ (البتہ ان کے قصوں میں عبرتیں پوشیدہ ہیں)۔ یہ آیت اسی کی شرح ہے۔ ان مردانِ خدا کو جب راہ میں مشکلیں اور دقتیں پیش آتی ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے حل ہو جاتی ہیں۔ وَمَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ (اور یہ ایسی باتیں نہیں جو جھوٹ تہمت جوڑی گئی ہوں۔ مگر سچی ہیں، ایسی جو آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہر کی تفصیل بھی)، جب تفصیلِ کل شئ فرمایا تو سمجھو کہ یہ کیا ہوگی۔ اگر ہزار جلدوں میں اس عجیب و غریب قصے کی تفصیل لکھی جائے تو وہ دریا کا ایک قطرہ [illegible] کی ایک کرن سے زیادہ نہ ہوگی۔

ایک بزرگ نے کہا ہے۔ رباعی۔

تا سخرۂ عام و کان غوغانہ شوی تہمت زدہ جہود و ترسانہ شوی
بیزار ز کیشِ خویش عمدانہ شوی در مجلسِ عاشقان تو پیدانہ شوی

(جب تک تجھے لوگ مسخرا بنا کر شور و غوغا نہ کریں اور تو یہودی اور آتش پرستی کی تہمت سے متہم نہ ہو جائے اور اپنا دین و مذہب قصداً نہ چھوڑ دے اس وقت تک عاشقوں کی محفل میں داخل نہیں ہو سکتا) جب عشاق ملامت کی راہ سے گزرتے ہیں، اور نا اہل لوگ طالبوں پر پتھر برساتے ہیں تو عشاق سلامتی والوں سے (یعنی ان لوگوں سے جو اس راہ کی لذت سے واقف نہیں) کہتے ہیں ؎

نہ ہم رہی تو مرا راہ خویش گیر و برو ترا سلامتی با دامرا نگون ساری

(تو میرا ساتھی تو نہیں ہے۔ جا اپنا راستہ لے۔ تجھ کو سلامتی مبارک ہو اور مجھے ذلت و خواری مبارک) اگر زلیخا اس بات سے ڈرتیں کہ عورتیں کہتی ہیں وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَأَةُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ (مصر کی عورتوں نے کہا کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے ایک غلام سے محبت کرتی ہے) تو کبھی حضرت یوسف علیہ السلام کا نام نہ لیتیں۔ اور اگر مجنوں پتھر کی مار سے زخمی اور لہولہان ہونے سے ڈرتا تو لیلی الیلی کی رٹ نہ لگاتا۔ اے بھائی! خدا کے لیے یوسف اور زلیخا بہت اور لیلی مجنوں بے شمار ہیں لیکن ہماری اور تمہاری آنکھیں کہاں جو دیکھ سکیں ثَبِّتِ الْجِدَارَ ثُمَّ الْنَقْشَ (پہلے دیوار بناؤ اس کے بعد اس پر نقش کاری کرو)۔ اہلِ سنت والجماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ ایسے لوگ ہو چکے ہیں اور موجود ہیں، اور آیندہ ہوں گے۔ لیکن بدبختوں کا جب اس میں کوئی حصہ نہیں تو ان کو کیا فائدہ ہوگا۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ خداوند تعالے نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا کہ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (یہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے تو کفار کو اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ آفتاب اپنے کمالِ تابانی کے ساتھ چمکتا ہے لیکن کم بخت چمگادڑ جس کو آنکھ نہیں اس سے کیا فائدہ۔ جب باپ کی پیٹھ اور ماں کے پیٹ سے ہم بُرے نصیب لے کر پیدا ہوئے تو مانا سب کچھ تھا اور سب کچھ ہے، اب اس کا چارہ ہی کیا اَلشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ۔ (بدنصیب وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بدنصیب ہو چکا) اس نے ایسا کھونٹا ٹھونک دیا ہے کہ ذرا بھی ہلنے کی گنجائش نہیں۔ وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ (اور ان کا چاہنا کچھ نہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے) نے مہر لگا دی ہے۔ یہی بھید ہے

Marfat.com

جو کہا ہے۔ ؎

کرا زہرۂ آن کہ از بیم تو کشاید زبان جز بہ تسلیم تو

(کس کی مجال ہے کہ تیری ہیبت سے تیری رضا کے سوا زبان ہلا سکے)۔ اے بھائی! سارا شکوہ اپنی بدنصیبی کا ہے۔ اور سب شکایتیں اپنی بدبختی کی ہیں۔ ؎

ما ز تو محرومیم ترا جرمے نیست این ہمہ از بختِ پریشانِ ماست

(ہم تیری درگاہ سے محروم ہیں اس میں تیرا کوئی قصور نہیں۔ یہ سب ہماری بدبختی کا پھل ہے)۔ نہیں تو بخشش کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ گھورے اور کوڑے پر سورج اسی طرح چمکتا ہے جیسا چمنستان پر۔ ذرہ بھی فرق نہیں۔ لیکن باغ میں بڑی اچھی خوشبو ہوتی ہے اور گھورے سے بُری مہک آتی ہے۔ یہ فرق یہیں سے پیدا ہوا ہے۔ آفتاب کی کیا خطا۔ اس سے زیادہ بیان کرنا اسرارِ قضا و قدر کے کارخانے تک پہنچتا ہے۔ وہ ہمارے اور تمہارے جاننے کی چیز نہیں۔ اور سوائے پریشانی کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔ ؎

قومے بہ فلک رسید قومے بہ مغاک فریاد ز تہدیدِ تو با مشتے خاک

(ایک قوم آسمان پر پہنچ گئی۔ اور ایک قوم گڑھے میں گر پڑی۔ مشتِ خاک کے ساتھ تیری یہ ہیبت؛ فریاد ہے) جس طرح ہے اور جیسا ہے اور جس وجہ سے ہے۔ لوگوں کی باتوں میں نہ رہو اور ناامید نہ ہو، کہ ڈاکو کو راہبر بنا دیتے ہیں۔ اور ایک کافر کو صدر نشین۔ اور ایک بت پرست کی زنار اتار کر اُس کے سر پر دستارِ فضیلت باندھ دیتے ہیں اور آزر جیسے بت تراش کے گھر سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسا پیدا کر دیتے ہیں۔ اس آب و خاک یعنی انسان کا کام بہت اونچا ہے۔ اور اس کی ہمت بہت بڑی ہے۔ اگر بھوک، پیاس، مفلسی و بے کسی اس کی سرشت ہے جب امانت کا آفتاب آسمان پر چمکا تو عالمِ ملکوت کے وہ فرشتے جو سات لاکھ برس اُس کی تہلیل و تقدیس کے باغ کی گلگشت میں مشغول تھے، نعرہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (ہم تیری حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں) لگا کر ایک بیکس غریب کی طرح بوریا بستر باندھ کر چلتے ہوئے اور اپنی عاجزی مان لی۔ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا (اور اس بوجھ کے اُٹھانے سے انکار کیا)۔ اسی طرح آسمان نے کہا، مجھ میں بلندی کی صفت ہے اور زمین نے مجھ میں پھیلاؤ اور کشادگی کی صفت ہے۔ پہاڑ نے کہا مجھ میں ثابت قدم رہنے کی صفت ہے او

Marfat.com

جواہرات کی کان نے کہا، کہیں ایسا نہ ہو ہمارے جواہرات برباد ہو جائیں۔ تب اس خاک کے ذرہ نے نیاز مندی کا ہاتھ فقر و فاقے کی آستین سے باہر نکالا اور اس امانت کا بوجھ اپنی جان پر سنبھالا اور ذرہ برابر دونوں عالم کا خیال نہیں کیا۔ اس نے کہا میرے پاس کیا ہے کہ چھین لیں گے۔ جس کو ذلیل کرتے ہیں اس کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ ہم تو خاک ہی ہیں خاک کو کس چیز میں ملائیں گے۔ بہادری کے ساتھ آگے بڑھا۔ جو بوجھ ساتوں آسمان اور زمین نہ اٹھا سکے اپنے سر پر رکھا۔ اور هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (کیا اس سے زیادہ اور کچھ بھی ہے) کا نعرہ لگاتا ہوا سامنے آیا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچاسواں مکتوب ۵۰

حق کی طلب میں

برادر عزیز شمس الدین سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس حقیقت کو جانو کہ تم پر خدا کی طلب سے بڑھ کر اور کوئی فرض نہیں ہے۔ اگر بازار جاؤ تو اسی کو تلاش کرو۔ اور جب گھر آؤ تو اسی کو ڈھونڈو۔ اور اگر مسجد میں جاؤ تو اسی کی جستجو کرو۔ اور اگر شراب خانے میں گذر ہو تو اسی کو چاہو۔ ے

من بہ خرابات و یار من بہ خرابات
با قدح مے در آمدہ بہ مناجات

(میں بھٹی میں ہوں اور میرا دوست بھی بھٹی میں ہے۔ میری مناجات پر شراب کا پیالہ لے کر آتا ہے)۔ اگر تمھاری جان لینے کے لیے ملک الموت آئے تو اس وقت بھی طلب سے نہ رکو۔ اور کہو، تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ رباعی

روزے کہ روان شود روان از بر من
جز نام تو بر نیاید از دفتر من

ے گر تو سر من نہ داری اے دلبر من
خاک کف پائے تست تاج سر من

(جس دن بدن سے میری جان نکلنے لگے، اس وقت بھی میری زبان پر تیرے ہی نام کی رٹ لگی ہو۔ اے محبوب اگرچہ تجھ کو مجھ سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن تیرے تلووں کی خاک میرے سر کا تاج ضرور ہے) نقل ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے اور ملک الموت آگئے۔ پوچھا کیا میں لوٹ جاؤں، یا جس کام کے لیے مجھ سے کہا گیا ہے بجا لاؤں۔ آپ نے

Marfat.com

منہ سے مسواک نہیں نکالی اور فرمایا، تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ اگر تم کو دوزخ میں اتار دیں تو لازم ہے کہ طلب سے نہ رکو۔ اور مالک (داروغۂ دوزخ) سے کہو کہ تو میرے سر پر قہر کے انگاروں کا ہتوڑا مارے جا اور ہم طلب کی راہ میں چل رہے ہیں۔ کام کہاں کا کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اور اگر تم کو بہشت میں لے جائیں، حورانِ بہشتی پر نظر نہ ڈالو اور جنت کا محل نہ دیکھو، طلب کی راہ میں دوڑتے رہو۔ اور یہ باتیں کہو

گر ہر دو جہاں دہند ما را چون وصل تو نیست بے نوائیم

(اگر مجھ کو دونوں جہان کی دولت دیدیں، اگر تیرا وصال نہیں تو میں مفلس ہوں)۔ طلب کے راستے کی پہلی منزل نیازمندی اور انکساری ہے۔ اور بزرگوں نے کہا ہے۔ یہ نیاز خدا کا قاصد ہے، جو بندہ پر مقرر کیا گیا ہے جب نیاز اُس کے سینے میں رکھا گیا، اُس کی توجہ خدا کی طرف ہونے لگی۔ اس راہ کے مبتدیوں کو نیاز کی محبت عطا کرتے ہیں۔ کچھ دنوں نیاز کے راستے میں چلنے کے بعد نیاز ہمت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور پیرانِ راہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مریدوں کی ہمت کے حجرے کے سوا محبت کہیں قیام نہیں کرتی۔ ایک زمانہ تک مرید ہمت کے راستے میں چل چکا تو ہمت طلب بن جاتی ہے۔ اس طلب کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے حقائق کی شاہراہ میں کھینچ لیتے ہیں۔ اور اس کی درگاہ اس طلب کا نقارہ بجاتے ہیں کہ مَنْ طَلَبَنِیْ وَجَدَنِیْ (جس نے مجھ کو ڈھونڈا، اُس نے مجھ کو پا لیا)۔ اس وقت پکارتے ہیں کہ اے بلندی و پستی، اے بہشت و دوزخ، اے عرش و کرسی ہماری جستجو کرنے والوں کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ یہ ہماری طلب میں نکلے ہیں اور ہم ہی ان کے مقصود و مطلوب ہیں۔ اگر ایسا تمہارے سامنے کیا جائے تو تمہاری ہستی کی کوئی چیز باقی نہ رہے۔ اور یہ مرتبہ جو کہا گیا اس راستے میں بندے کی معراج ہے۔ اور اس راستے میں کوئی قدم نہیں رکھ سکتا، مگر یہ کہ اُس کے عزم و ارادے کے مطابق ایک معراج ہوتی ہے۔ انبیاؑ کے لیے ظاہری اور باطنی معراج ہے بعض اولیا کو باطنی معراج ہوئی۔ جو لوگ حضور نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کا دم بھرتے ہیں ان کے مرتبے اور ہمت کے موافق ان کو بھی معراج ہوتی ہے۔ اور یہ مضبوط بنیاد ہے۔ اے بھائی! ایسی چالاکی اور چستی چاہیے جو ریاضت کی تلوار سے بد دماغی کا گلا کاٹ دے۔ اور مجاہدے کے زور سے نفس پرستی کو نیست و نابود کر دے۔ اور دونوں جہان سے باہر نکل آئے۔ اور جان پر قدم رکھے۔ اگر

Marfat.com

اگر اس کی ہمت کی آنکھ میں دونوں جہان کی ذرہ بھر کوئی چیز سمائے تو اس راستے کے لیے درست نہ جانئے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے لَنْ یَّصِلُ اِلَی الْکُلِّ اِلَّا مَنِ انْقَطَعَ عَنِ الْکُلِّ۔ (کوئی شخص کل تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ کل سے جدا نہ ہو جائے جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے۔ اگر معراج کی رات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کی طرف نظر فرماتے تو وہیں روک لیے جاتے۔ اور قاب قوسین کی خلوت تک نہ پہنچائے جاتے۔ قطعہ

ہر خسے از زنگ گفتارے درین رہ کے رسد	درد باید پردہ سوز و مرد باید گام زن
با دو قبلہ در رہِ توحید نتوان رفت راست	یا ہوائے دوست باید یا ہوائے خویشتن

(ہر آدمی اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس راستے میں کیونکر پہنچ سکتا ہے۔ اس کے لیے ایسے درد کی ضرورت ہے جو پردوں کو جلا ڈالے۔ اور ایسا مرد چاہیئے جو قدم بڑھاتا جائے۔ توحید کے راستے میں دو قبلہ کو پیشِ نظر رکھ کر سیدھا چلنا محال ہے۔ یا اپنی خواہش رکھ یا دوست کی طلب) نقل بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت آدم صلوٰۃ اللہ علیہ بہشت میں پہنچے تو شریعت کا حکم تھا وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ (اس درخت کے قریب نہ جاؤ) اور طریقت کا فرمان تھا اِھْبِطُوْا مِنْھَا (یہاں سے نیچے اتر جاؤ)۔ شریعت کہتی تھی اس درخت تک ہاتھ نہ لے جاؤ۔ اور طریقت کہتی تھی سب میں آگ لگا دو۔ حضرت آدمؑ نے کہا، یہاں بہشت کی آرائشیں اور نعمتیں ہیں اور ہماری سرداری بھی قائم ہے۔ مگر ہمارا دل چاہتا ہے کہ کسی دن اپنے غم و رنج کے مکان میں جاتے کہ ہماری باتوں کا اس سرداری کے ساتھ نبٹنا ٹھیک نہیں۔ سِرٌّ اَبْسِجِ (راز میں راز ہے) آواز آئی اے آدم مسافرت کی سختیاں جھیلنا چاہتا ہے؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہمارے سامنے ایک بڑا کام ہے۔ کہا گیا کہ یہیں کام بنا لے۔ آپ نے کہا یہاں کے کام سے وہاں کا کام زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ رضوان (جس کے سپرد بہشت کا نظم و نسق ہے) اور فرشتے (جو یہاں کے خدمت گار اور نوکر ہیں) انھوں نے کہا۔ آپ جانا تو چاہتے ہیں۔ مگر سلامتی کے گھر کو ملامت خانے میں بدلنا پڑے گا۔ اور سر سے پگڑی اتارنا پڑے گی۔ اور تاج کی جگہ بے کسی کی خاک سر پر اڑانا پڑے گی اور اپنا نیک نام وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ (آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی) کی ملامت سے تبدیل کرنا ہوگا۔ حضرتِ آدمؑ نے کہا۔ ہمیں سب منظور ہے۔ ہم نے جہان میں آواز دیدی ہے کہ کسی نعمت سے ہم کو سروکار نہیں۔ اور خلافت کے دولت خانے کو لٹا دیا۔ قطعہ

Marfat.com

کار ازین خوب تر کدام کنم | خویشتن بندۂ تو نام کنم
ہیچ نا نداشیم از ملامتِ خلق | ہر کجا بینمت سلام کنم

(میرے لیے اس سے اچھا کون سا کام ہو سکتا ہے کہ اپنے کو تیرا غلام بنا لوں۔ لوگوں کی لعنت ملامت کا کچھ خیال نہ کروں۔ جہاں بھی تجھ کو دیکھوں سلام کروں)۔ تاکہ تو یہ نہ کہے کہ آدمؑ سے بہشت چھین لی بلکہ یہ کہا جائے کہ آدمؑ کو بہشت سے بلا لیا۔ جلا ہوا دل مرغ کے کباب کی لذت نہیں لیتا۔ دل جلے اور چوٹ کھائے ہوئے حور و قصور اور بہشت کو نہیں دیکھتے۔ اور اس پانی مٹی کو تھوڑا نہ سمجھو۔ جو کچھ ہے وہ آب و خاک ہی میں ہے۔ اور جو کچھ پیدا کیا گیا وہ آب خاک ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ دوسری مخلوقات دیوار کی تصویریں ہیں۔ کہا گیا ہے کہ جب محبت کا شہباز عزت کے گھونسلے سے اڑا تو عرش پر پہنچا۔ وہاں بزرگی دیکھی۔ اس کو چھوڑا اور کرسی کے مقام میں پہنچا یہاں وسعت دیکھی اس کو بھی چھوڑا۔ آسمان پر پہنچا، بلندی دیکھی اس کو بھی چھوڑا اور زمین پر پہنچا۔ یہاں محنت اور مشقت دیکھی یہیں ٹھہر گیا۔ لوگوں نے کہا تعجب ہے کہ تو نے یہ کیا کیا؟ اس نے کہا میں محبت ہوں اور یہ محنت ہے۔ مجھ میں اور اس میں ظاہری تمیز صرف نیچے اور اوپر کے نقطے کی ہے۔ اور عالم صورت اور عالم معنی کے جاننے والے خود ہی جانتے ہیں۔ اے بھائی! امید باندھے رہو اور جہاں تک اور جب تک ممکن ہو سکے قدم بڑھاتے رہو کہ اتنی بڑی دولت فضل و کرم ہی سے مل سکتی ہے۔ حق جتا کر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر اپنے کو مستحق سمجھتے، تو ہمارے تمھارے حصہ میں ذرہ بھی میسر نہ ہوتا۔ مگر بیچ سے سبب اٹھا دیا۔ یہاں تک کہ جس قدر پاک نفس لوگ امید رکھتے ہیں اس سے ہزار گونہ گستاخ اور ناپاک لوگ امید لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ گھورا جو کتوں کی جگہ ہوتی ہے ہو سکتا ہے کہ کسی دن بادشاہوں کا صدر مقام بن جائے۔ مگر بیچ میں اسباب حائل ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ ہو، اور کوئی مرتبہ حاصل کرو تو ضروری ہے کہ جس قدر تمھاری ذات میں آلودگی اور شوریدگی ہے اس سے آگے بڑھو۔ اور چند قدم چل کر شریعت کی سرکار سے سواری اور زادِ سفر، اور حقیقت کی بارگاہ سے راستے کے لیے بدرقہ لو۔ دوسری باتیں اور قصے چھوڑو۔ جو دل کہ واقعی دل کہلانے کا مستحق ہے آج بھی اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ کل بھی لگا رہے گا۔ آج اپنے عشق اور ولولے میں مگن ہے۔ کل راحت و ذوق کی لذت میں مست رہے گا۔ اور کہا گیا ہے جو لوگ غم و رنج سے بھرے ہوئے ہیں۔ قیامت کے

دن جب اٹھیں گے تو اپنے سینے کو دیکھیں گے۔ اگر ذرہ برابر بھی اس اندوہ اور غم کو کم دیکھیں گے تو ایسی چیخ ماریں گے کہ آٹھوں بہشت کو اس کی تاب نہ ہوگی کہ اس کے سامنے آسکے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکاونواں مکتوب ۵۱

اللہ کی طرف جانے کے راستے کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تم کو اپنا راستہ دکھائے۔ جانو کہ خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کَیْفَ الطَّرِیْقُ اِلَی اللّٰہِ (خدا تک پہنچنے کا کون سا راستہ ہے۔ آپ نے جواب دیا اِنْ غِبْتَ عَنِ الطَّرِیْقِ تَصِلُ اِلَی اللّٰہِ (جب تم راستے سے غائب ہو جاؤ تو خدا تک پہنچ جاؤ گے)۔ اس سے سمجھ لو کہ جب راستہ دیکھنے والا خدا کا دیکھنے والا نہیں ہو سکتا، تو جو خود بیں ہے وہ حق بیں کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ہم کو اور تم کو صرف سننے اور سنو لینے سے کام ہے ہمیشہ اپنے ہی کو دیکھا کرتے ہیں۔ حق کی بندگی کبھی نہیں کرتے۔ گویا اپنی ہی پرستش کرتے ہیں۔ اگر ہماری اور تمھاری آنکھ اپنے نفس کی جہالت پر پڑ جائے تو کبھی مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اور یہ اس وقت معلوم ہوگا جب شریعت کے پیالے میں سے کوئی بوند تمھارے حلق میں ٹپکے اور تمھاری خوش نصیبی کی آنکھ کھل جائے اس وقت اس شعر کا مطلب ظاہر ہوگا جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

توبہ کردم زہر چہ دانستم ۔۔۔ نامہ چون نام تو زبر کردم

(جو کچھ میں جانتا تھا اس سے توبہ کر لی۔ اور تیرا ہی نام یاد کر لیا)۔ کہا گیا ہے کہ خدا کی بے نیازی کا آفتاب جب عالموں کے علم کے دریا پر چمکا سارے دریا سوکھ گئے۔ ان میں ذرا بھی تری باقی نہ رہی۔ ان سے کہا گیا اے بزرگو! تمھاری کنجی سے تو سب قفل کھل جاتے تھے تمھارے ہی دروازے کیوں بند ہو گئے۔ کچھ سمجھتے ہو ایسا کیوں ہوا۔ دنیا کے کاروبار میں ستاروں کو جس قدر دخل ہے وہ اسی وقت تک ہے جب تک سورج طلوع نہیں ہوتا ہے جب آفتاب بلند ہوا ستاروں کا وجود اور ان کا کاروبار ماند پڑ کر ختم ہو گیا۔ اس سے

Marfat.com

سمجھو کہ ہستی جو ایک تنکے کے برابر ہے اس میں اتنی طاقت کہاں کہ توحید کی تجلی کے سامنے ٹھہر سکے۔ جب اس کے علم کا آفتاب چمکتا ہے سارے علم جہل سے بدل جاتے ہیں۔ جب اس کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے ساری خواہشیں ایک ایک کرکے کاٹ دی جاتی ہیں۔ جب اس کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے تمام قدرتیں عجز بن جاتی ہیں۔ جب اس کی عزت کا جلال سامنے آتا ہے تو سارے جلال اور ساری بزرگیاں ذلت کی خاک میں ملیامیٹ ہو جاتی ہیں۔ جب کبریائی کا پردہ توحید کے رخسار سے اُٹھ جاتا ہے تو کل موجودات مٹ مٹا کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک تم سے ہو سکے مالک بننے کا دعویٰ نہ کرو۔ تم سے دو کان نہیں چھینتے۔ اور اس کی پونجی کے متعلق کوئی جھگڑا اور دشمنی نہیں ہے۔ مگر اپنے کو بھولو نہیں۔ بڑھ چڑھ کر اپنا نام نہ لیا کرو۔ کبھی نہ کہو ہم ایسے اور ویسے ہیں۔ اس دعوے کا وہی نتیجہ ہوگا جو فرعون کے ساتھ ہوا۔ جب اُس نے کہا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمھارا بزرگ و برتر پروردگار ہوں) اور تمھارا نفس عبا قبا پہن کر کہتا ہے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَصْغَرُ (میں تمھارا چھوٹا پروردگار ہوں) تمھارا نفس بھی وہی فرعونی کرتا ہے جیسا کہ فرعون کے نفس نے کی۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ فرعون کا نفس جیسا گمراہ تھا ویسا ہی اُس نے اپنے کو دیکھا۔ اور تمھارا نفس مسلمانی کا لباس پہن کر تمھارے ہاتھوں اپنے کو بچتا ہے۔ اور تم مارے غرور کے مست ہو جاتے ہو۔ اس کا بھی وہی دعویٰ ہے جو فرعون کا تھا۔ مگر یہاں اپنی جان کا ڈر ہے کہ اگر اپنے کو ظاہر کرے اور کھلم کھلا میدان میں نکل آئے تو مار ڈالا جائے۔ ہرگز ہرگز مالک بننے کی خواہش نہ کرو۔ غلام ہی بنے رہو۔ کیونکہ یہاں توحید کی ننگی تلوار سر پر لٹک رہی ہے جس نے سر اُٹھایا وہیں کاٹ دیا گیا۔ جس طرح ابلیس نے دعویٰ کیا اُس کا سر اُڑا دیا گیا۔ بندے کی نہ کوئی ملک ہے نہ کوئی حکومت۔ اس کو لازم ہے کہ جو کچھ بھی کرے خدا کی مرضی پر کرے۔ اپنی خواہش اور اختیار سے کچھ نہ کرے۔ قرآن کریم کہتا ہے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ (اللہ نے مثال دی خریدے ہوئے غلام کی کہ اس کو کسی چیز پر قدرت نہیں) اور اس شخص کو علم و معرفت درکار ہے۔ اور کسی پیر کا سایہ۔ اس لیے کہ مرید کو یہ دولت بغیر ایسے پیر کے جو تجربہ کار اور راستے کے گرم و سرد کا مزا چکھ چکا ہو، حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایسا کہا گیا ہے مَنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ اُسْتَاذٌ فِی الدِّیْنِ فَاِمَامُہٗ اِبْلِیْسُ (جس شخص کا دین کی راہ میں کوئی استاد نہیں اس کا پیشوا شیطان ہوتا ہے)۔ اور عالموں نے ایسا کہا ہے اَلْعِلْمُ یُؤْخَذُ مِنْ اَفْوَاہِ الرِّجَالِ (علم لوگوں کی گفتگو سے حاصل کیا جاتا ہے)۔ جو کوئی اپنی طبیعت اور اپنی خواہش سے

Marfat.com

کسی معاملے کے سمجھنے کی کوشش کرے اور سمجھ بھی لے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی پڑھے لکھے نے کتاب دیکھ کر یاد کر لیا ہو اور اس کو بیان بھی کر سکتا ہو۔ ایسا شخص اگرچہ عالم ہو گا مگر ویسا عالم نہ ہو گا۔ اور صحیح و درست نہ ہو گا۔ کیونکہ اس کا کوئی استاد نہیں ہے۔ تو سمجھ لو کہ اگر تم بدل گئے، لقمہ بھی بدل گیا اور تمھارے کام بھی بدل گئے۔ نہیں تو اگر تم ہزاروں مرتبہ لباس اور لقمہ بدل ڈالو گے اور اپنے کو اس گروہ میں چھپا لو گے تاہم جب تک تم خود نہ بدلو گے ان باتوں کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس گروہ میں گردش بہت بڑی چیز ہے۔ خلوت نشینی اور چلہ کرنے اور ریاضت کا اصل مقصد ہی گردش ہے۔ کیونکہ بغیر گردش کے کسی شخص کی روش اور طریقہ درست نہیں ہو سکتا۔ جس کسی کو دیکھو کہ بظاہر بُرے حال میں ہے۔ وہ جبہ و دستار و عبا و قبا اور سفید نیلے کپڑے کی فکر اور اندیشے میں پڑا ہوا ہے اس کو سمجھو کہ وہ اپنی گھات میں لگا ہوا ہے۔ اور اپنی ہی پرستش کر رہا ہے۔ یا اپنی غلامی کر دیا دین کی غلامی کر۔ الضدّان لا یجتمعان (آیتیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے)۔ اگر تمھارے دل میں ذرا بھی اس کی خواہش ہو کہ لوگ تمھاری آؤ بھگت کریں۔ اور دنیا والوں کی آنکھ میں تمھارا اعزاز اور مرتبہ بڑھے تو سمجھ لو کہ راہ کھوٹی ہو گئی۔ اگر کوئی شخص تمھارا مضحکہ اڑائے اور تم اس پر غصہ ہو اور سمجھو کہ اس نے تمھاری بے عزتی کی ہے تو یہ جان لو کہ تم اسی طرح کے دانشمند ہو۔ یا مالک نے تم کو اب تک قبول نہیں کیا ہے۔ تم کو اپنی ہی ہستی میں لوٹ جانا پڑے گا۔ اور رنگ رنگ کے کپڑے بدلنے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اگر اتنی قدرت بھی حاصل ہو جائے کہ ایک گدڑی پر ہزار برس گذار سکتے ہو، اور پوری زندگی ایک پتی کھا کر بسر کر سکتے ہو۔ اور حجرہ کا دروازہ بھی بند کر دو تاکہ کوئی تم کو دیکھ نہ سکے۔ یہاں تک کہ گرمی کے دنوں میں پرندے تمھارے سر پر سایہ کرتے رہیں۔ اس وقت ڈرو اور ہوشیار ہو جاؤ تاکہ کہیں غلط راستے پر نہ پڑ جاؤ۔ کیونکہ یہ نفس کا فریب اور مکر ہے۔ جب تک تمھارے بدن کا رُواں رُواں تمھارے کفر کی گواہی نہ دے اور تم پر لعنت ملامت نہ کرے دولت کا دروازہ تم پر نہیں کھل سکتا۔ اور دین کا شہنشاہ تم کو اپنی حمایت میں نہیں لے سکتا۔ سمجھ لو کہ جو کوئی بغیر کسی کی مدد کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے وہ آپ ہی آپ گر پڑتا ہے۔ یہیں سے پیروں کی عزت اور قدر سمجھو۔ تم دیکھتے ہو گے کہ جاڑوں میں سانپ اور بچھو اپنی اپنی جگہ سے ادھر اُدھر کہیں نہیں جاتے۔ اور کسی کو نہیں ڈستے۔ ایسا اُن کی پرہیزگاری اور نیکی کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ موسم کی ٹھنڈک ان کو شرارت کا موقع نہیں دیتی جب موسم بدلا اور گرم

Marfat.com

ہوائیں چلنے لگیں۔ اس وقت ان کے کرتوت اور لچھن کا تماشہ دیکھو کہ کس کس طرح ستانے لگتے ہیں۔ انسان کا نفس اس کا سانپ اور بچھو ہے اور اس کا ڈنک انسان کی زبان ہے۔ کچھ دنوں گوشہ نشین ہو کر نیکیوں اور تقویٰ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تم کچھ سمجھے وہ کیا ہے۔ اس کی مراد بر نہیں آئی ہے۔ اور اس کی سرداری کے مقصد میں گڑبڑی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس گڑبڑی کو ان شیطانی دھندوں سے چھپا دے جیسا کہ تم نے بھی بڑے بڑے جاگیرداروں کو دیکھا ہو گا کہ جب اپنے کام سے نکال دیے جاتے ہیں اور ان کے اختیارات چھن جاتے ہیں تو وہ مصلے پر بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہو جاتے اور نفل روزے اور نفل نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ لمبے لمبے وظیفے شروع کر دیتے ہیں۔ اب جو کوئی ان کے پاس جاتا ہے تو اس سے کہا کرتے ہیں درحقیقت اصل کام یہی ہے۔ اور وہ سب کچھ بھی نہ تھا۔ ہم پر خدا کی رحمت نازل ہوئی کہ ان گذشتہ کاموں سے ہٹا لیے گئے۔ اگرچہ یہ باتیں حقیقۃً بالکل صحیح اور درست ہیں مگر وہ شخص اس بات کا اہل نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر وہی کام اور وہی درجہ اس کو پھر دے دیا جائے اور اور سارے اختیارات دوبارہ سپرد کر دیے جائیں تو خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے گا۔ اور یہ نغمہ اس کی زبان پر ہو گا۔ ع چنان خوش حالتے دارم کہ در عالم نمی گنجم (اس وقت میں اتنی اچھی حالت میں ہوں کہ خوشی کے مارے دنیا میں نہیں سما سکتا)۔ اور بڑے دھوم دھام سے بزرگوں کی درگاہ میں نیاز چڑھائے گا۔ اور جو شخص اس طرح اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو کر چکنی چپڑی باتوں کے لیے زبان کی مشاقی کرتا ہے گویا زہر میں تلوار بجھاتا ہے۔ تاکہ یہی تلوار لوگوں پر چلائے۔ اور اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے نفس کے زہر کا دین کی غیرت نام رکھتا ہے۔ اور اپنی حماقت اور جہالت سے نفس کی غرت کو شریعت کی سختی بتاتا ہے۔ دیکھو ہوشیار رہو۔ اس کی ان باتوں پر ریجھ نہ جاؤ تاکہ گمراہی سے بچ سکو۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ کسی پیر کی رہبری کے بغیر اس راستہ میں قدم رکھنا درست نہیں جیسا کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ محسوسات کے عالم میں وہ روحیں جو استغراق میں محو ہیں اُن کی مثال یوں ہے کہ کوئی چڑیا جال میں پھنس گئی۔ وہ جتنا اُچھلے گی کودے گی اور پھڑپھڑائے گی اسی قدر زیادہ پھندے میں اُلجھ کر رہ جائے گی۔ اُس کی رہائی کے لیے کسی دوسرے شخص کی حاجت ہے کہ وہ ان پھندوں کو کھولے۔ پیر کا وہی کام ہے۔ پیر بھی پیغمبروں کی طرح ہے جو امتوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ان سب پر درود و سلام۔ اور دوسرا بھید یہ ہے کہ شروع شروع مرید کا دل ایسا نہیں ہوتا جو خدا کے انوار

اس میں دکھائی دے سکیں۔ کیونکہ وہ چمگادڑ کے مشابہ ہے جس کی آنکھ سورج کی چمک کی تاب نہیں لاسکتی اندھیرے میں چلنے سے بھٹکنے اور موت کا ڈر ہے تو پھر ایسی روشنی کی ضرورت پڑتی ہے جو آفتاب سے کچھ کم ہو تاکہ اس سے فائدہ اُٹھائے اور اسی روشنی کی مدد سے راستہ چل سکے ایسی روشنی پھیلانے والا پیروں کا دل ہوتا ہے۔ اللہ ان سب سے راضی رہے جس طرح سورج سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح ان کا دل بھی غیب سے کسب نور کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب مرید کے دل میں تلاش و جستجو کا درد اُٹھتا ہے تو اُس کے علاج کے لیے تدبیر سوچتا ہے۔ مگر کچھ جانتا نہیں کہ اس کا علاج کیا ہے۔ جب خدا کی نوازش و مہربانی اس کو کسی پیر کے آستانے تک پہنچا دیتی ہے تو اس پیر کے باطنی رشد و ہدایت سے اس کو دوا مل جاتی ہے۔ اور پیر کے دل کے ذریعہ جذبہ حق کی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچ جاتی ہے۔ اب وہ یہاں سر ڈال دیتا ہے اور اس کو آرام و سکون مل جاتا ہے اسی کا نام ارادت ہے۔ اے بھائی! اس آب و گل یعنی انسان کے ساتھ خدا کے بڑے بڑے اسرار اور بخششیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب ملک الموت اس امت کے کسی شخص کی روح نکالنے کا قصد کرتا ہے تو اس وقت اس کو خدا کا حکم پہنچتا ہے کہ پہلے میرا سلام تحیت اس کو کہہ اس کے بعد جان نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھا۔

تم نے قرآن شریف میں پڑھا ہوگا کہ قیامت کے دن مومنوں پر خداوند کریم بغیر کسی واسطے کے سلام بھیجے گا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ الرَّحِيمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (بڑی مہربانی والے پروردگار کی طرف سے سلام و کلام سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے) اس کا سلام و کلام ازلی ہے۔ اگر اس کا قدیم ارادہ اس مشتِ خاک انسان پر انعام و اکرام کا نہ ہوتا تو روزِ ازل میں اُن پر سلام نہ بھیجتا۔

ایک بزرگ نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ رباعی

آن راکہ ز محبوب سلامے باشد   در حضرتِ او بد و پیامے باشد
در حلقۂ بندگانش خورشید منیر   قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد

(جس خوش نصیب کو اس کے دوست کا سلام پہنچتا ہو اور اس کی بارگاہ سے برابر پیام آتے ہوں اس کی محفل میں اس تابناکی کے باوجود آفتاب کی حیثیت ایک غلام کے برابر بھی نہیں)۔

معراج کی رات میں خداوند تعالیٰ نے پہل کی اور فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ (اے نبی تم پر سلامتی ہو)۔ ایک بزرگ یہاں ایک نکتہ بیان کرتے ہیں کہ جب بچھڑے ہوئے دو دوست جدائی

Marfat.com

کے بعد آپس میں ملتے ہیں تو پہلے وہ سلام کرتا ہے جس کے دل میں شوق و ولولہ زیادہ ہوتا ہے۔
اَنَا اِلَیْهِمْ اَشَدُّ شَوْقًا (میں اُن کے لیے بہت زیادہ مشتاق ہوں)۔ اس کا یہی مطلب ہے۔ اور وہ
جو تم نے سنا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ساتھ سلام کرنے میں
سبقت فرماتے تھے تو اسی سنت کو برتتے تھے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باونواں مکتوب ۵۲

گفتار اور رفتار کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین تم کو اللہ اپنے علم و معرفت سے مشرف کرے۔ جانو کہ سارے علمائے گفتگو اور نطق کو اصل ٹھہرایا ہے اور رفت یعنی روش کی بنیاد گفتگو پر قائم کی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ پہلی چیز گفت ہے اس کے بعد رفت ہے۔ اور رفت کو اس کا فرزند قرار دیا ہے جب تک گفت صحیح نہ ہو رفت صحیح نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں نے جو علم حاصل کیا، کان اور زبان کے راستے سے حاصل کیا ہے۔ اور حقیقت والوں نے جو علم سیکھا وہ الہام کے ذریعہ سیکھا ہے۔ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ (میرے دل نے میرے رب کی بات مجھ سے بتائی)۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب اس شخص کے دل میں شریعت کے احکام جمع ہو گئے ہوں۔ اور یہ دولت شریعت کی روش پر چلنے کی برکت سے نصیب ہوتی ہے۔ اور حقیقت والوں نے ایسا کہا ہے کہ علم گفتگو نہیں ہے۔ علم دوسری چیز ہے اور گفتگو دوسری چیز ہے۔ زبان کا علم کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں۔ علم وہ ہے جو دین کے راستے میں آدمی کے کام آئے۔ اور علم کے ساتھ نطق کی حیثیت مجاز کی حیثیت ہے علم میں صدق کی صفت ہوتی ہے اور علم کا وجود سوائے عالم حقیقت کے اور کہیں نہیں ہوتا۔ اور زبان کی حکومت حرفوں پر ہے اور حرف ختم ہونے والی چیز ہے۔ اور علم دل سے نکلتا ہے۔ اور دل کے لیے فنا نہیں ہے، اس کا تعلق عالم حقیقت سے ہے۔ اور ہر شخص کو خدا علم نہیں دیتا۔ مگر گویائی سے کسی کو محروم نہیں رکھتا۔ زبان کی نعمت ہر شخص کو دی ہے۔ پرندے بھی زبان رکھتے ہیں مگر دل نہیں رکھتے۔ چونکہ ان کے پاس دل نہیں ہے اس لیے علم بھی نہیں ہے۔ اگر کسی چڑیا کو کسی کا نام سکھایا

Marfat.com

جائے تو سیکھ جائے گی۔ مگر فرق نہیں کر سکتی۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا نام کسی چڑیا کو سکھایا جائے تو سیکھ لے گی یہیں سے خواجہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ سبھی آسمان والوں میں تسبیح و تہلیل ہے مگر دل نہیں ہے۔ دل وہ ہے جو حضرتِ آدم اور ان کی اولاد کے سوا کسی کو نہیں دیا گیا۔ علم کا کام یہ ہے کہ اختیارات اور خواہشِ نفسانی کی طرف تم کو بھٹکنے نہ دے اور تم کو خدا کا راستہ دکھائے اور رہبر بنے۔ لیکن وہ علم جو شہوات نفسانی اور خواہشاتِ نفسانی کی طرف تم کو لے جائے اور ظالموں اور گمراہوں کے پاس پہنچانے کا ذریعہ ہو اُس کا نام علم نہیں ہے۔ بلکہ وہ گمراہوں کا جال ہے۔ علم وہ ہے جو تم کو صدارت کی مسند سے اُٹھا کر پائنتی بٹھا دے اور گفتگو کرنے سے زبان گونگی کر دے اور تم کو لڑائی جھگڑوں سے چھڑا دے۔ نہ وہ کہ سرداری کی پگڑی تمھارے سر پہ باندھے اور تکبر و غرور کا پٹکا تمھاری کمر پر کس دے۔ علم وہ ہے جو تمھاری ذلت و رسوائی کا آئینہ لا کر تمھارے سامنے رکھ دے۔ اگر کوئی مسلمان تمھارے سامنے آجائے تو اس سے اپنا دامن سمیٹ لو اور کہو جناب کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا کپڑا ناپاک ہو جائے۔ ایک پیر اپنے مریدوں کے ساتھ راستہ چل رہے تھے چند کتے اُن کے سامنے آگئے۔ ان کو دیکھ کر مریدوں نے اپنے دامن اُٹھا لیے۔ پیر صاحب نے بھی اپنا دامن کھینچ لیا۔ پیر صاحب نے مریدوں سے پوچھا کہ دامن اٹھانے سے تمھارا مقصد کیا تھا اُن لوگوں نے کہا کہ کہیں ہمارے کپڑے گندے نہ ہو جائیں اور نماز کے قابل نہ رہیں۔ اُنھوں نے فرمایا میری غرض یہ تھی کہ کہیں میرے دامن سے وہ کتا ناپاک نہ ہو جائے۔ ان لوگوں نے اپنے کو ایسا ہی دیکھا ہے۔ اور سمجھا ہے۔ تو تمھارے لیے بھی ضروری ہے کہ اگر کسی مسلمان کو راستہ چلتے دیکھو تو خود دُور ہٹ کر اُس کے لیے راستہ چھوڑ دو۔ جس طرح کفار مسلمان سے کرتے ہیں۔ جب اپنی بے عزتی اور رسوائی تم گوارا کر دگے تو عزت کا تاج تمھیں پہنایا جائے گا۔ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ مریدوں کے ساتھ عقلمندوں کی محفل میں گئے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے سوال کیجیے۔ اُن لوگوں نے آپ سے پوچھا سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں ہوں۔ پھر دوسرا سوال کیا۔ سب سے زیادہ احمق اور جاہل کون ہے؟ آپ نے کہا۔ وہ بھی میں ہی ہوں۔ ان لوگوں نے کہا۔ اس بات کا مطلب بیان فرمائیے۔ آپ نے کہا۔ سب سے زیادہ اپنے عیب کا جاننے والا میں ہوں لہٰذا عقلمند ہوں۔ اور دوسروں کے عیب کو بالکل نہ جاننے والا بھی میں ہی ہوں، اس لیے جاہل ہوں۔ خدا کے راستے کے

جاننے والوں نے جو تلوار چلائی ہے وہ اپنی ہی گردن پر چلائی ہے۔ اس زمانہ میں روش اور علم کے دعوے کے باوجود دوسروں کے سر پر تلوار مارتے ہیں اس لیے اس کا کوئی پھل نہیں پاتے۔ اور عالموں کا دوسرا گروہ وہ ہے جس کے دل میں خدا کا ڈر لگا رہتا ہے وَاِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ (خدا کے بندوں میں سے جن کو خدا کا ڈر ہے وہ علما ہیں) ظاہر ہوا کہ علم خدا کی خشیئت کے صدف کا موتی ہے۔ جب کہ خشیئت کے سیپ میں تم کو موتی نہ ملے تو سمجھ لو کہ اس کے سینے کے دریا میں علم کا گوہر نہیں۔ اور خشیئت کے یہ معنی ہیں کہ اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلے۔ اگر تمہارے راستے میں کوئی چیونٹی آتی ہو تو ضروری ہے کہ تم اس کے لیے راستہ چھوڑ دو۔ اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالو۔ جن حضرات نے دو حرف پڑھ لیے، یا اُن کی کل کائنات صرف دو روپے ہیں۔ یا اس پر غرّہ ہے کہ دین کے راستے میں چند قدم چلے ہیں وہ بھی مشکل سے تو اُن کا یہ حال ہے کہ سارے شہر میں کسی کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ آنکھ ملا کر اس سے باتیں کریں۔ حالانکہ اتنا شعور بھی نہیں کہ مجلسوں میں کس طرح بیٹھا جاتا ہے۔ سر پر علم اور کاندھے پر مصلّا رکھے ہوئے ہیں۔ اور شیخی کے مارے جہان میں سماتے ہی نہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جہاں علماء کے علم کی سرحد کی انتہا ہوتی ہے مرید کے ارادت کی وہاں سے ابتدا ہوتی ہے۔ ارادت جب جلوہ دکھاتی ہے تو مرید پہلی خلعت پہنتے ہی خودی سے باہر نکل آتا ہے۔ اور دوسری خلعت وہ ہے کہ اس وقت جن جن چیزوں کو جمالِ حق کی صورت میں دیکھتا تھا اب اُن کو بدصورت اور بُری شکل میں دیکھے گا بہت سنبھل سنبھل کر آہستگی سے چلے گا۔ اور آخر میں یہ ہوگا کہ ارادت کا شعلہ اس کی ہر چیز کو جلا دے گا۔ اس کے بعد کبر کے عالم میں پھنس جاتا ہے۔ اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کہیں کہیں اس کو روشنی نظر آنے لگتی ہے۔ اس کی باتوں سے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ دوسر لوگوں کی باتوں سے اس کی باتیں ملتی نہیں۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں کوئی نہیں پہنچتا ہے۔ وہ یہیں ڈیرا ڈال دیتا ہے۔ چرب زبانی اور دل لبھانے والی باتیں شروع کر دیتا ہے۔ مگر یہ سب نفس کا فریب ہوتا ہے۔ وہاں پر پیر کی ضرورت ہے تاکہ اس پیچ دار مقام سے اس کو باہر نکال سکے۔ اور ٹھہراؤ سے حرکت میں لائے۔ کیونکہ اس روشنی میں تاریکی سے کہیں زیادہ پردے ہیں یہیں سے کہا گیا ہے کہ عارف کو گویائی اور قلم اور آنکھیں نہیں ہوتیں۔

کہ لوگوں کی طرف دیکھے یا گفتگو کرے۔ اور اسی بات کی پیروی کرتا ہے حضرت نبی الامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بظاہر پڑھے لکھے نہ تھے مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ مگر وہی جو خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اور اسی جگہ سے ہے کہ مریدوں کی گتھی عالموں سے نہیں سلجھ سکتی۔ کیونکہ علما مذہب والے لوگ ہیں۔ اور مرید کا سوال مذہب کا نہیں بلکہ مشرب کا ہے۔ مرید کی پیروی عالم سے جوڑ نہیں کھاتی۔ کیونکہ عالم کا فتویٰ ظاہر شریعت پر ہوا کرتا ہے۔ اور مرید کا تعلق اس سے ہے جو کچھ اُسے پیش آیا کرتا ہے۔ مرید نے اپنے مر مٹنے پر کمر باندھی ہے! اور عالم جتنا بھر بھی جانتا ہے اس سے اپنی نجات کا خواہاں ہے۔ عالموں کو بٹورنے کی فکر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دوسروں سے بچا کھچا جو کچھ رہ گیا ہے اپنے سینے میں جمع کرلے! اور اگلوں کا سارا علم اس کو حاصل ہو جائے اور مرید چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ پھینک دے اور برباد کردے۔ جو کچھ جانتا ہے اُس کی خواہش ہے کہ نہ جانے اور جو کچھ اس کے پاس ہے چاہتا ہے کہ اس کو نہ رکھے اور دامن جھاڑ کر باہر نکل آئے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان کا آپس میں کسی طرح میل جول ممکن نہیں۔ اس مکتوب کو بار بار غور سے پڑھو اور اچھی طرح سمجھو اس میں بڑے بڑے فائدے ہیں۔ ناپاک پانی کا ایک قطرہ کسی زندہ پوست تک کیونکر پہنچ سکتا ہے! جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ میں ہی ہوں یا وہ میرے جیسا ہے۔ ہم لوگ جو آدمی کہے جاتے ہیں حضرت آدمؑ کے لڑکے ہیں۔ مصیبت کے دن پیدا ہوئے۔ جو بچہ بلا و مصیبت میں پیدا ہوتا ہے تو اُس کے کان میں پہلی آواز رونے دھونے اور نوحہ کی پڑتی ہے۔ ان حادثات کی جس کو خبر ہو اس کا پتہ یقینی پانی ہو کر بہ جائے گا۔ اور چاہے گا کہ وہ دنیا سے مٹ جائے اور یہ عالم وجود اُس کی ذات سے پاک ہو جائے۔ وہ اگلے لوگ جو اس دنیا میں آکر رہے اور آخرت کے عالم میں اب آرام کر رہے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے ہمیشہ رہنے والے مدارج پائے۔ کوئی ولی، کوئی نبی اور کوئی صدیق کے لقب سے مشرف ہوا۔ ان لوگوں کی تمنا رہی کہ وہ لوگ جو اب تک عرصۂ وجود میں نہیں آئے اور پیدا نہیں ہوئے ہیں کاش ہم بھی انھیں کی طرح دنیا میں نہ آتے۔ تم نے کبھی تو آخر سنا ہوگا کہ وہ سلطان الانبیا تاج الاصفیا جن کے فرق مبارک پر لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کا تاج تھا۔ انھوں نے کیا فرمایا۔ یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (اے کاش محمد کا خدا محمد کو پیدا نہ کرتا)۔ اور حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ اس عظمت اور رفعت کے باوجود جیسا کہ تم نے سنا ہے۔

Marfat.com

لَو کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ۔ (اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو یقینی عمر ہی ہوتے) آپ کہیں جا رہے تھے۔ ہاتھ میں ایک گھاس کی پتی اٹھائی اور کہا یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ ھٰذَا (اے کاش عمر یہ گھاس کی پتی ہوتا۔ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک کوڑے کی طرف جا رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ہوا کا جھونکا اس کے اجزا کو منتشر کر رہا ہے۔ آپ نے کہا یا لَیْتَنِیْ کُنْتُ ھٰذَا (اے کاش میں یہی کوڑا کرکٹ ہوتا)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترپنواں مکتوب ۵۳

ہمت کا بیان جمعہ کے دن کی فضیلت سورۂ اخلاص اور آیت فَاِنْ تَوَلَّوْا کا وظیفہ

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تم کو ہمت کی بزرگی سے مشرف فرمائے۔ جانو کہ وہ مرید جس کی ہمت پست اور ناقص ہے اس کا کہیں ٹھکانا نہیں جس مرید کی ہمت کا گھوڑا بہشت سے آگے نہیں بڑھتا وہ اس راہ کا مردِ میدان نہیں ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے "اپنی آرزو کے مطابق ہر چیز کی خواہش کرنا عورتوں کا طریقہ ہے، یہ مردوں کا کام نہیں۔ یہی بھید ہے جس کو حضرت امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے حَرَامٌ عَلٰی مَنْ یَّھْتَمُّ بِالدَّارَیْنِ اَنْ یَّحْضُرَ مَجْلِسَنَا۔ (جو شخص دنیا اور آخرت میں مشغول ہے اُسے ہماری مجلس میں آنا حرام ہے)۔ ع

یا برو ہمچون زنان رنگے و بوئے پیش گیر   یا چو مردان اندر آ و گوئے در میدان بزن

(یا گھر جا کر عورتوں کی طرح سنگار پٹار کر یا مردوں کی طرح میدان میں آ اور گیند جیتنے کی کوشش کر)

رباعی

عدل آن بود اے پسر کہ خود را   از حدِّ حدوث بر تر آئے

آن گاہ بہ عونِ حضرتِ او   در مقعدِ صدق اندر آئے

(اے پسر انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس فانی ہونے والے جہان سے باہر نکل آ۔ اس کے بعد خدا کی مدد سے مقعدِ صدق کے مقام میں داخل ہو جا)۔ ہر شخص اپنی ہمت کی چادر میں چھپا ہوا ہے۔ اور جتنی اس کی ہمت ہے اسی قدر قیمت ہے کہ قِیْمَۃُ کُلِّ شَیْءٍ حَبِیْبُہٗ (ہر چیز کی قیمت ہی اس کا محبوب ہے)۔ اس سے ہر شخص آج اپنی قیمت پہچان سکتا ہے۔ تو

جس کی ہمت وہ ہو کہ کیا کھاتا ہے اور اس کے پیٹ میں کیا چیز جاتی ہے تو اُس کی قیمت وہی ہو گی جو اُس کے پیٹ سے نکلے گی۔ اور ہم تم ایسے ہی لوگ ہیں۔ اس کا تو ذرّہ گمان بھی نہ کرو کہ ہماری اور تمھاری کوئی قیمت ہوگی۔ اے بھائی! اگر قیامت کے دن داورِ محشر سے صلح کی ٹھہر جائے اور لَاعَلَیْنَا وَلَا لَنَا (نہ ہم پر کوئی مواخذہ ہے اور نہ ہمارے لیے کوئی انعام) یعنی گناہ اور ثواب برابر تو سمجھو کہ ہم نے میدان مار لیا۔ اور بازی جیت لی۔ ایک بزرگ کو مرض الموت کے وقت پوچھا گیا کہ آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے کہ ہم لائیں؟ انھوں نے کہا "ہاں" پوچھا گیا؟ کہا "ایسی نیستی جس کے لیے ہستی نہیں۔ کسی کھوئے ہوئے نے کہا ہے۔ رباعی

از حالِ دلِ شکستہ ام می دانی ور صفحۂ جان مرادِ من می خوانی
حیران شدہ ام بہ لطفِ خود دستم گیر اے آنکہ تو دستگیرِ ہر حیرانی

(تجھے میرے ٹوٹے ہوئے دل کا سب حال معلوم ہے۔ میری مرادیں تو جانتا ہے۔ میں سخت حیران ہوں۔ تو اپنی مہربانی سے مدد کر۔ اے وہ کہ تو ہر حیران کا مدد کرنے والا ہے) غرض یہ ہے کہ اونچی ہمت والا مرید پہلا قدم جو رکھتا ہے وہ زمین پر نہیں بلکہ اپنی جان پر، اور تلوار کا پہلا وار جو کرتا ہے اپنی ہی جان پر کرتا ہے کسی کافر پر نہیں۔ کیونکہ کافر جسم کو گھائل کرتا ہے اور مال و اسباب لوٹتا ہے لیکن نفس کی تلوار دین کی کمر پر چلتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایمان کی پونجی لوٹ لے اور برباد کر دے۔ تم بھی اگر گھائل کرنا چاہتے ہو تو اپنے نفس کو گھائل کرو۔ کیونکہ اگر تم اس سے علیحدگی اور صلح کرنا چاہو بھی تو وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ تو اس بات کے جاننے والے سارے وار اپنے ہی پر کرتے ہیں اور سارا غصہ اپنے اوپر ہی اتارتے ہیں۔ تاکہ اس بدبخت کتے کو زیر کریں اور اُس بڑی دولت کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ؎

۱ تو گنجی نہ پیہری در میانہ برآ از چار دیوارِ زمانہ
۲ طلسم و بند تیر نجات لشکن در و دہلیز موجودات لشکن
۳ تو گنجی لیک در بندِ طلسمی جو جانی لیک در زندانِ جسمی
۴ اگر تو روئے بنمائی زپردہ بسوزی ہفت چرخ سال خوردہ
۵ چو از حق ترک زندان می نیابی عجب نہ بود اگر آں می نیابی

(۱ تو پیچ میں نو آسمانوں کا خزانہ ہے۔ زمانے کی دیواریں توڑ کر باہر نکل آ۔ ۲ اس جادو اور طلسم کو توڑ ڈال۔ عالم موجودات کی دیواریں ڈھا دے۔ ۳ تو خزانہ ہے مگر طلسمات میں بند ہے۔ تو سراپا جان ہے مگر جسم کے قید خانے میں قید ہے۔ ۴ اگر تو پردے سے اپنی صورت دکھا دے تو یہ ساتوں پرانے آسمان جل کر خاکستر ہو جائیں۔ ۵ اگر یہ قید خانہ تو نہیں چھوڑ سکتا، تو اگر خدا کو نہ پا سکے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں)۔ یہ گروہ بڑی اونچی ہمت والے لوگ ہیں۔ کُن کے تحت جو چیزیں وجود میں آئی ہیں اُن کو ذرا بھی آنکھ نہیں لگاتے۔ اور دوزخ و بہشت کو اپنی ہمت کی بارگاہ کا غلام بنانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ایک اونچی ہمت والے نے کہا ہے قطعہ

خود را ز خود اے پسر جدا کن　　پیراہن صابری قبا کن
سرمایۂ ہر دو کون یکبار　　در عالم عشق او ہبا کن
بر بام فلک بر آ بہ ہمت　　بے کام و زبان بروشنا کن

(اے پسر اپنے سے خودی کو دور کر دے۔ صبر کا لباس پھاڑ ڈال۔ دونوں جہان کی پونجی کو اُس کے عالم عشق کے عوض دے ڈال۔ اپنی ہمت کے زور سے آسمان پر چڑھ جا اور بے دہن وزبان خدا کی تعریف کرتا جا) تم جانتے ہو اس کا کیا بھید ہے۔ وہ یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالموں میں آدمی سے بڑھ کر ہمت والا کسی کو بھی پیدا نہیں کیا۔ یہ بات یہاں سے نکلتی ہے، جو آدمی کے سوا کسی دوسرے گروہ کی شان میں نہیں کہی گئی۔ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (میں نے اس میں اپنی رُوح پھونکی)۔ اور کسی گروہ میں پیغمبر اور آسمانی کتابیں سوائے انسان کے نہیں بھیجی گئیں۔ اور روز ازل میں سوائے آدمیوں کے کسی پر سلام نہیں کیا گیا۔ اور سوائے آدمیوں کے دیدار کی دولت کسی کو عطا نہیں ہوئی۔ انسان محبت کے زور اور ہمت کی بلندی کی وجہ سے جدائی کی طاقت رکھتا تھا، اس لیے دنیا میں خدا نے اُس کے دل سے حجاب اُٹھا دیا۔ اور عقبیٰ میں اُس کی آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے دنیا میں سوائے اُس کے کسی کو نہ چاہا۔ اور آخرت میں بھی اُس کے سوا کسی پر آنکھ نہ ڈالی۔ اور یہ نکتہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (نہ آنکھیں جھپکیں نہ بہکیں) کے مکتب خانے میں سیکھا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے۔ مثنوی

الا اے مرغ حکمت دان زمانے　　چہ خواہی یافت بہ زین آشیانے

Marfat.com

بہ پرواز معانی باز کن پر سرائے ہفت در را باز کن زر
چو تو مرسدرۂ حضرت نشینی تو باشی جملۂ و خود را نہ بینی

(اے حکمت جاننے والی چڑیا خبردار اور ہوشیار ہو جا۔ کیا کہیں اس سے اچھا گھونسلا پا سکتی ہے۔ فضائے معانی کی پرواز کے لیے پروں کو کھول دے اور ساتوں آسمانوں کا دروازہ کشادہ کر۔ جب تو سدرۃ المنتہیٰ کی شاخ پر پہنچ جائے گی سب کچھ تو ہی ہو گی لیکن اپنے کو نہ دیکھے گی) سنبھل جاؤ کہیں غفلت میں پاؤں نہ بہک جائیں۔ کیونکہ غفلت والوں کو زمانہ سخت نقصان پہنچاتا ہے جب کوئی شخص یہ ارادہ کرتا ہے کہ مردوں کے راستے میں قدم رکھے تو وہ بدبختوں کا سردار جس کا نام شیطان ہے اُس کا دامن تھام لیتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ اسی کام کے لیے لعنت کی زنار باندھی ہے تاکہ ہر نالائق و نااہل، مردوں کی راہ میں قدم نہ رکھے۔ اور اگر کوئی بغیر توحید و اخلاص کا تاج پہنے مردوں کے میدان میں قدم رکھے گا تو میں اُس کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا۔ جس نے یہ کہا ہے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

معشوق مرا گفت نشیں بر در من مگذار درون ہر کہ نہ دارد سر من

(محبوب نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میرے دروازے پر بیٹھا رہ۔ جس کے سر میں میرا سودا نہیں اس کو اندر نہ آنے دے)۔ اور وہ مردود ہر پست ہمت والے کے لیے اپنی جگہ سے تو ہلتا نہیں۔ کیونکہ اس کے دل میں تکبر اور دماغ میں ناز بھرا ہوا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ مارے غرور کے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہم نوالہ و ہم پیالہ نہ ہوا۔ مگر جب اُس کی سلطنت میں کوئی صدیق نکل آتا ہے اُس کی سچائی کی جھلک سے عرش کے پائے چمکنے لگتے ہیں تو ابلیس شور و واویلا مچانے لگتا ہے کہ یہی کام کا وقت ہے۔ میں کون سی تدبیر اور حیلہ ڈھونڈوں کہ اس کے پیر کاٹ سکوں۔ اگر کہیں پاؤں کاٹنے کے ارادے سے آگے بڑھے گا تو اس کے شکار کے تھیلے میں خود ہی پھنس کر رہ جائے گا۔ اس وقت کہے گا ہم سے صلح کر لیجیے۔ یہ نہ ہو تو غلامی کرنے لگے گا۔ اور کہے گا اے صدیق! دین کے راستے میں آپ کامیاب ہوں، ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے لیے کوئی دعا یا شفاعت کیجیے کیونکہ ہمارا جرم ان باتوں سے کہیں آگے بڑھ چکا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ بھی ہماری غیرت پر لعنت کہیں۔ تاکہ لعنت کے نقش و نگار آپ کی بدولت پھر تازہ ہو جائیں۔ جیسا کہ انبیا پیغمبری ملنے پر فخر کیا کرتے تھے

Marfat.com

یہ کمبخت بھی اپنے طوقِ لعنت پر فخر کرتا ہے، جو بغیر کسی واسطے کے اس کی گردن میں ڈالا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا کہ شیطان کو دوزخ میں لے جاؤ۔ دس ہزار فرشتے اُس میں لٹک جائیں گے۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔ پھر دس ہزار اور بھی اُن کے ساتھ مل کر زور لگائیں گے، پھر بھی کامیاب نہ ہوں گے۔ فرشتوں کو خطاب ہوگا۔ جس گردن میں ہماری لعنت کا طوق بغیر کسی واسطے کے ڈالا گیا ہے، وہ ہمارے ہی قہر سے ٹوٹ سکتی ہے جب قدرتِ خداوندی اُس کی گردن سے طوق اتار لے گی تو اُس وقت وہ مردود مجبور ہو جائے گا۔ دوزخ سے ایک کتا نکل کر اُس پر ٹوٹ پڑے گا اور اپنے منہ میں دبا کر قعرِ دوزخ میں لے جائے گا۔ یہ سب عنایتیں اسی لعنت کی ہیں جو بغیر کسی واسطے کے اُس کی گردن میں ڈالی گئی ہے۔ اگر بے واسطہ نوازش و کرم کسی عزیز کے حق میں ظاہر ہو تو اس کا بوجھ نہ تو آسمان اور نہ زمین اُٹھا سکتی ہے اور نہ بہشت و دوزخ اُس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ بادشاہِ قدیم کی ذات کے سوائے مردانِ راہ کے صدق کی کوئی تاب نہیں لا سکتا۔ شیخ لقمان سرخسی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ سماع میں تھے۔ ایک درویشِ صادق کو وجد آ گیا جس طرح چڑیا اُڑتی ہے، وہ اُڑے اور درخت پہ بیٹھ گئے۔ اور ان سے کہنے لگے کہ تم بھی آؤ، ہم دونوں پرواز کریں حضرت لقمان سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اے جناب ہم دونوں جہان میں کیونکر سما سکتے ہیں ہم جب اُڑیں گے تو دونوں جہان کو چھوڑ کر اُن سے باہر اُڑیں۔ جو ان باتوں کو نہیں مانتا وہ ان کو سن بھی نہیں سکتا۔ اور نہ ان پر اعتبار کرتا ہے۔ اب ایمان کو سامنے رکھ کر سنو تاکہ تم کو عقبات زیر کر کے پچھاڑ نہ ڈالے اگر دنیا میں اس کو موقع نہ ملے تو قبر میں اُٹھا پٹکے گی۔ اور اگر قبر میں بھی بچ گئے تو قیامت میں تو ضرور دبوچ لے گی۔ ذرا سنبھل جاؤ۔ ان صدیقوں کے حال میں اپنی کمزور عقل سے دخل نہ دو۔ کیونکہ یہ باتیں انسان کی معمولی عقل میں نہیں آ سکتیں۔ ان صدیقوں کی باتیں ایمان کے کانوں ہی سے سنی جا سکتی ہیں۔ تو ایمان کے ساتھ سنو تاکہ دنیا اور آخرت میں تمھاری مددگار رہے جب مددگار بن جائے گی تو بزرگوں کی یہ باتیں برباد نہ جائیں گی ؎

تا یکے بایزید بینی فرد خدمتِ صد یزید باید کرد

(اگر حضرت بایزید جیسے یگانۂ روزگار کی زیارت چاہتے ہو تو پہلے سیکڑوں یزید کی خدمت کرو)

حضرت سلطان المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ دونوں جہان کے سردار اور سب سے ارفع واعلیٰ تخصیص کے مالک تھے جس وقت غلام مغیرہ آپ کے سامنے آجاتے آپ اُن کی تعظیم فرماتے۔ اور دعا مانگنے کو کہتے۔ وہ تو دعا مانگتے اور آپ ڈبڈبائی آنکھوں سے آمین آمین کہتے جاتے۔ اگر تم اُن کے دین پر ہو تو اُن کا طریقہ یہ تھا جیسا تم نے سنا۔ اگر نعوذ باللہ خدانخواستہ ان کے دین پر نہیں ہو تو دینداری کے دعوے کی ٹوپی سر سے اتار دو۔ اور اقرار مذہب کی کنجی واپس کر دو۔ اب حقیقۃً سمجھو کہ مرید کی طلب وجستجو کا میدان نہ عرش نہ کرسی نہ آسمان وزمین ہے۔ اگر تم پوچھو کہ کہاں ہے؟ تو ہم بتاتے ہیں وہیں ہے جہاں اُس نے کہا اِنِّی فِی قَلْبِ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ التَّقِیِّ النَّقِیِّ (میں پاک اور پرہیزگار مومنوں کے دل میں ہوں) خدا کی قسم عرش کی کیا حقیقت ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی ہمت کے مقابلہ میں عرش کی بلندی زمین کے برابر ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا گیا اِهْتَزَّ الْعَرْشُ بِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ (حضرت سعد بن معاذ کی موت سے عرش ہل گیا) حضرت سعد کی بلند ہمتی کی جگہ عرش پر تھی جب آپ نے انتقال فرمایا تو عرش کانپنے لگا۔ اے بھائی! حقیقت کے عالم میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت ان ہی لوگوں سے زندہ ہے۔ اور صداقت کی منزل ان ہی اصحاب کے قدم سے آباد ہے۔ اور حقیقت کے عالم میں ان لوگوں کا نام نزاع القبائل ہے یعنی اپنے قبیلوں میں برگزیدہ جس طرح حبش سے حضرت بلال، اور روم سے حضرت صہیب، فارس سے حضرت سلمان اور قرن سے حضرت خواجہ اویس رضی اللہ عنہم ان کے یقین کی روشنی اگر کانٹے پر پڑ جائے تو وہ دین کا پھول بن کر کھل جائے! اور ان کی ہمت کا آفتاب جس مطلع پر چمکے وہ مقبولِ بارگاہ ہو جائے۔ اگر کسی گنہگار پر چمک جائے تو وہ محفوظ اور اگر کسی بیگانہ پر تاباں ہو تو وہ یگانہ بن جائے۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مثنوی

جان فروشانِ بارگاہِ عدم — خرقہ پوشانِ خانقاہِ قدم
چنگ در حضرتِ خدائے زدہ — ہر چہ آن نیست پشت پائے زدہ
مَا عَبَدْنَاکَ اجتہادِ ہمہ — مَا عَرَفْنَاکَ اعتقادِ ہمہ
یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ از ہوش — ساختہ بندہ وار حلقہ بگوش
فارغ از صورتِ مرادِ ہمہ — برتر از کثرت و تضادِ ہمہ

Marfat.com

۶ علمِ شان زیرِ حرفِ نادانی ہست — چہ عجب گنج زیرِ ویرانی ہست

۷ بردہ رخت بقاے ایمانی — از رہِ کفر در مسلمانی

۸ ساختہ ہریک از میانِ ضمیر — از قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ پیر

۹ بادہ ہا خوردہ بر رخِ ساقی — ہر چہ باقی ہست کردہ درباقی

(نیستی کی بارگاہ میں جان بیچنے والے۔ قدامت کی خانقاہ کے گدڑی پہننے والے۔ خدا کی درگاہ کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہیں۔ ماسوا پر لات ماری ہے۔ اُن کا عقیدہ اور اجتہاد یہ ہے کہ خدا کی پرستش جیسی چاہیے تھی ہم نے نہیں کی۔ اور اس کے پہچاننے کا جو حق تھا وہ ہم سے ادا نہ ہو سکا۔ جو خدا چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس پر سر ڈالے ہوئے ہیں۔ ہر مراد سے ان لوگوں کے دل پاک ہیں۔ کثرت اور ضد سے یہ لوگ بلند و برتر ہیں۔ جہالت کے پردے میں ان کا علم چھپا ہوا ہے۔ یہ تعجب کا مقام نہیں۔ کیونکہ خزانہ ویران جگہ میں ہوتا ہے۔ ایمان کی بقا کا سامان یہ لوگ کفر کے راستے سے ایمان کی منزل تک لے گئے ہیں۔ ان کے ضمیر نے قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ (اللہ کا نام لے اور سب کو چھوڑ) سے اپنے ضمیر کی موافقت کو اپنا پیر بنایا ہے۔ ساقی کے سامنے اُس کے دیدار کی شراب پی ہے اور باقی کو ترک کر دیا ہے)۔

تم نے سنا ہوگا کہ کسی صدیق کا قارورہ ایک کافر کے پاس لے گئے۔ اُس نے دیکھ کر کہا۔ کبھی میرا گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ مذہب اسلام میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں، جن کا کلیجہ خدا کی راہ میں خون ہو گیا ہو۔ کفر کی زنار باندھنے والے کو اتنے بڑے صدیق کے قارورہ کے متعلق کچھ کہنا ہے ادبی ہے، زنار اتار پھینکی اور ایمان لایا۔ اے بدنصیب انکار کرنے والے تیرا کیا خیال ہے۔ ان کا پیشاب ہماری تمھاری باتوں سے بہتر ہے یا نہیں؟ اگر مسلمانی کا ذرہ بھی لگا و ہے تو خود ہی انصاف کر۔ اور علم کے ہزاروں دعویٰ کرنے والوں سے پوچھو کہ یہ اپنے علم کے زور سے ایک شخص کو بھی نماز کے لیے دو کان مسجد میں نہیں لا سکتے۔ یہ علم تو وہی علم ہے مگر یہ علماء اُن علماء کی طرح نہیں ہیں۔ وہ علماء سراپا کردار تھے۔ گفتار نہ تھے۔ آج کل باتیں ہی باتیں اور صرف دعوے ہی دعوے رہ گئے ہیں، کردار کچھ بھی نہیں۔ اور جن لوگوں نے ان صدیقوں کے بارے میں بُرے بھلے الفاظ نکالے۔ اور اعتراض و انکار کیا یہ اُن کی کوردلی اور جہالت کے سبب تھا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

زنورِ چشم سر چیزے نیاید — دلت را نورِ چشمے می بباید

کہ عیسیٰ را و خر را چشمِ سر بود ولے چشمِ دلِ عیسیٰ دگر بود

(سر والی آنکھ کی روشنی کوئی کام نہیں دے سکتی۔ تجھ کو دل کی آنکھ کی روشنی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے گدھے کو سر والی آنکھیں تھیں۔ مگر حضرت عیسیٰ کے دل کی آنکھ دوسری تھی۔

اے بھائی! اگلوں کا زمانہ ایسا زمانہ تھا کہ پتھروں سے دل کی مہک آتی تھی۔ اب ہم بدبختوں کے زمانے میں دل سے پتھر کے آثار نظر آتے ہیں۔ ان باتوں سے زمین اور آسمان کا دل جل رہا ہے۔ اگر آتش پرستوں کے الاؤ کی طرف تمہارا گذر ہو تو آگ سے آواز آئے گی کہ ہم اپنی ہی آگ میں اس مزے سے جل رہے ہیں کہ ہم کو ان نالائقوں کی پروا نہیں۔ اور اگر کافروں کے بت خانے میں جاؤ گے تو ایسی ہی باتیں سنو گے جب حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جہان میں تشریف لائے تو سب سے پہلے بتوں نے شکر کا سجدہ کیا۔ خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے سب اوندھے ہو کر سجدے میں گر پڑے۔ رباعی

رفتم بہ کلیسائے ترسا و جہود ترسا و جہود را ہمہ رُخ بتو بود

از بوئے وصالِ تو بہ بتخانہ شدم تسبیح بتان زمزمۂ عشقِ تو بود

(ہم یہود و نصاریٰ کے کلیسا میں پہنچے۔ وہاں دیکھتے ہیں کہ نصاریٰ اور یہودیوں کی آنکھیں تیرے ہی طرف لگی ہوئی ہیں۔ تیرے ملنے کی امید لے کر ہم بت خانہ گئے۔ یہاں دیکھا کہ بت بھی تیری محبت کی مالا جپ رہے ہیں۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ مثنوی۔

۱ اگر چشمِ دلت گردد بدین باز بہ دل گردد زیک یک ذرہ صد راز

۲ ہمہ ذراتِ عالم را درین کوے نہ بیند یک نفس خز در روش روے

۳ ہمہ در گردش و اندر روش مست تو بے چشمی و در تو آن روش ہست

۴ کمالِ عشق با پایانے نہ دارد چنین رفتہ است و درمانے ندارد

(اگر تمہارے دل کی آنکھیں کھل جائیں تو ایک ایک ذرے میں سو سو بھید نظر آئیں۔ اگر ذراتِ عالم پر نظر ڈالو گے تو دم بھر کبھی جہان کے ذروں کو بغیر گردش کے نہ پاؤ گے۔ اپنی اپنی روش اور گردش میں سب مست ہیں۔ تم میں بھی وہ روش ہے۔ مگر تم اندھے ہو۔ عشق کے کمال کی کوئی حد نہیں ہے واقعہ ایسا ہی ہے، مگر اس کا کوئی علاج نہیں۔ آسمان زمین، عرش و کرسی اور فرشتے اعلیٰ علیین سے

تحت الثریٰ تک اور وہ چیزیں جن کو شے کہا جا سکتا ہے سب تلاش اور جستجو میں دوڑ لگا رہے ہیں۔ مگر یہ انسان بڑا ہی ظالم ہے کہ دشمن سے مل گیا ہے اور دوست سے دُور ہو گیا ہے۔ اگر کوئی تم سے پوچھے، تمھارا مذہب کیا ہے تو دیکھو مسلمانی کا لفظ زبان سے نہ نکالو۔

جمعہ کے دن تین وقتوں میں ایک صبح اور دوسرے خطبہ و نماز کے درمیان اور تیسرے عصر کی نماز کے بعد سے غروب کے وقت تک دل کو حاضر رکھو اور اپنے اس خط کے لکھنے والے کو فراموش نہ کرو۔ اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھو۔ اور دس مرتبہ آیت فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (پھر اگر یہ رُوگردانی کریں تو کہہ دیجیے کہ مجھ کو تو اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا۔ وہی عرش بزرگ و برتر کا رب ہے) یہ وظیفہ ہمیشہ پڑھا کرو۔ ناغہ نہ ہو۔ اور یقینی طور پر سمجھ لو کہ جس کو اُس نے قبول کر لیا وہ مردودِ بارگاہ نہیں ہو سکتا۔ اور جو راندہ جا چکا وہ کبھی مقبول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس کو عزت کے ساتھ قبول کر لیا سَعِدَ سَعَادَۃً لَاشَقَاوَۃَ بَعْدَھَا (نیک بختی کے اس مقام میں پہنچ گیا جس کے بعد کبھی بدبختی نہیں ہے) اور جس کو ذلت و رسوائی دی شَقِیَ شَقَاوَۃً لَاسَعَادَۃَ بَعْدَھَا (وہ بدبختی کے اس مقام پر پہنچ گیا جہاں کوئی نیک بختی نہیں ہے)۔ ہاں طالب اُس کے قہر و جلال کی دھوپ میں کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا کہ اس کی مہربانی کی چھاؤں میں۔ کیونکہ وہ لوگ جو ناز و نعم میں پلتے ہیں بازار میں ان کی قیمت کم لگتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے جُدائی میں وصل کی امید ہے اور وصال میں فراق کا ڈر لگا ہوا ہے

رباعی

اے دل مشو از ہجر مشوش احوال — در آرزوے منال بسیار منال

در وصل بود بیم در ہجران لیکن — در ہجر بود ہمیشہ امید وصال

(اے دل جدائی کی مصیبت سے پریشان نہ ہو۔ دولت کی ہوس میں زیادہ گریہ وزاری نہ کر۔ وصل میں جدائی کا ڈر لگا رہتا ہے۔ مگر فراق کے عالم میں ہر وقت وصل کی امید رہتی ہے) ؎

شوق ست در فراقت جورست در حضور — ہم شوق بہ کہ طاقتِ جورت نیاورم

(جدائی میں وصال کا شوق اور ولولہ ہے اور حضوری میں ستم ڈھائے جاتے ہیں۔ تو شوق ہی کا رہنا بہتر ہے۔ کیونکہ مجھ میں ستم اُٹھانے کی طاقت نہیں)۔ ایک پیر فرماتے ہیں۔ ان پر خدا کی رحمت ہو کہ

Marfat.com

عاشقوں کی خلوت کا ہجر کے صدمے جھیلنے والوں کے قریب ہونا اس سے کہیں زیادہ اچھا ہے، جو وصال کی خوشی کے مستانوں کے پاس ہو۔ اے بھائی! اس کے طالب کو ردّ و قبول سے کیا کام ہے۔ قبول کی غرت چاہنے کے مطلب یہ ہیں کہ اپنے کو قبول کے قابل سمجھا۔ اور یہ عاشقوں کے مذہب میں عیوب ہے جیسا کہ ایک دل جلے نے کہا ہے۔ رباعی:

گر تو بپذیری بندۂ مقبولِ توام — ورنہ پذیری ہم چاکرِ معزولِ توام
با ردّ و قبولِ تو مرا کارے نیست — من بندہ بہر دو حال مشغولِ توام

(اگر تو نے مجھکو قبول کرلیا تو میں ایک مقبول غلام ہوں۔ اور اگر تو نے قبول نہ کیا تو تیرا نکالا ہوا ایک نوکر ہوں تیرے ردّ و قبول سے مجھے کوئی کام نہیں۔ میں بندہ ہوں اور دونوں حالتوں میں صرف تیرے ہی ساتھ وابستہ ہوں) اے بھائی! اگر وہ قبول کرلے تو اس کا فضل و انعام ہر شخص کے لیے عام ہے! اور اگر نہ قبول کرے تو شہنشاہوں کے مذہب میں یہ جائز ہے۔ اور یہ ہماری بدبختی کا میل آئی جیسا کہ ایک بیچارہ نے کہا ہے۔ رباعی

معشوق چو بادشاہ است فرمانش رواست — بر کردۂ او چون و چرا زہرہ کراست
گر بپذیرد خہے پسندیدۂ اوست — ور برگردد ز بخت شوریدۂ ماست

(معشوق جب بادشاہ ہے تو اُس کا ہر حکم جائز ہے۔ اُس کے فرمان و افعال پر کس کی مجال کہ چون و چرا کرے۔ اگر وہ قبول کرلے تو اُس کی مہربانی اور فضل ہے اور اگر ہم سے منہ پھیر لے تو یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوّنواں مکتوب ۵۴

مرید کو رغبت دلانے کے بیان میں

اے بھائی شمس الدین اللہ تم کو اپنی بندگی کے زیوروں سے آراستہ کرے سلام اور دعا مطالعہ کرو۔ واضح ہو کہ جب مرید نے اپنے کو مرید کے نام سے ظاہر کردیا، اور مریدی کے لباس سے اپنے کو آراستہ کرلیا تو اس کی شرط یہ ہے کہ تحقیق کی انتہا تک اس کی صداقت کو پہنچا دے اور

Marfat.com

صراطِ مستقیم پر قدم رکھے۔ استغفار اور توبہ کا سرمہ ہر وقت آنکھ میں لگاتا رہے۔ اور خدا کی تجرید و تفرید کا خرقہ پہن لے اور ساقیِ صدق کے ہاتھ سے طلب کی شراب پیئے۔ اور شریعت کی نیام سے اپنی ہمت کی تلوار نکال لے۔ اور اپنی راہ میں نفس کافر کا شر و فساد نہ آنے دے۔ اور سکر (مستی و بیخود فراموشی) صحو (حضوری بہ ہوش و حواس) واثبات (ثابت قدمی) اور محو (گم گشتگی) کی راہ میں پاؤں رکھے سفلی (عالم دنیا) اور علوی (عالم بالا) کو زیر و زبر کرکے رکھ دے۔ جب ارادے کی حقیقت اور طلب کی لذت کی عادت پڑ گئی۔ اور ریاضت و مجاہدے کا پھل اور اس کے فائدے حاصل کر لیے۔ اور گردش درویش کے مقام میں پہنچ گیا، اور سالک کی منزل اور اس کے درجے میں داخل ہو گیا۔ اور مردانِ خدا کے مقام میں اُس نے جگہ پا لی۔ اب اگر اُس سے کوئی سوال کرے کہ تم مرید ہو؟ تو جواب دے خدا نے اگر چاہا تو ہو سکتے ہیں۔ تاکہ اس کے باطن کی داد دی جا سکے۔ اور دعووں سے راستے سے پاؤں سمیٹ لے بصیرت اور معرفت والے لوگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ ان لوگوں نے کسی مقام میں اپنے کو دیکھا ہی نہیں۔ ان کو جو کچھ بھی پونجی حاصل ہوئی ہے وہ اس سے بے پروا نہیں ہوئے۔ اور اس کو کبھی نظر میں نہیں لائے۔ ایسا بہت ہوا ہے کہ کسی پیرِ مناجاتی نے ستر ستر برس تک عبادت و بندگی کی ہو اور اونچے مقام تک پہنچ بھی گیا ہو، ایسا شخص آخر میں قہر بے علت کا نشانہ بن گیا۔ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰہِ مَا لَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ (اُن پر اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوا جس کا سان و گمان بھی نہ تھا) اے بھائی! جس کا کام قہار و جبار کے دربار سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسا قہار و جبار جو آٹھوں بہشت کو دوزخ اور جہنم کو سراسر جنت بنا کر رکھ دے۔ اور کعبے سے کلیسا اور بتخانہ سے کعبہ بنائے۔ اور ملکوت کے فرشتوں کا لباس بدن سے اتار لے۔ اور ناپاک شیاطین کو ملکی خلعت پہنا دے اور قدسیوں کا تاج اُن کے سر پر رکھ دے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو طاہرین کے گروہ کے سردار تھے۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے معصوم کہ کبھی کوئی گناہ اُن سے سرزد ہی نہ ہوا، نہ کسی گناہ کا خطرہ ان کے دل میں گذرا سبھوں کو ایک زنجیر میں باندھ کر دوزخ میں ڈال دے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رکھے تو اُس کو نہ کسی کا ڈر اور نہ کسی کا اندیشہ ہے۔ اُس پر یہ کمال کہ اُس کے انصاف کا دامن ظلم کی گرد سے بالکل پاک صاف رہے گا۔ جہاں یہ حال ہو، وہاں کسی کو آرام و سکون اور بے خوفی کیوں کر نصیب ہو۔ اور کوئی خود بینی کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے۔؟

وہ ایک جو سات لاکھ برس تک تقدیس و تسبیح کا سرمایہ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا۔ اور تمام ملائکہ کا اُستاد تھا۔ اُس نے ایک ہی دفعہ اَنَا کا لفظ نکالا تھا، پھر دیکھ لیا جو دیکھنا تھا۔ اور اس کا نتیجہ پالیا جو پانا تھا۔ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپؐ نے پوچھا مقام قدس میں تمھارا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا جب سے ہم میں سے ایک کو باہر نکال پھینکا گیا ہے اپنے اپنے مقام پر کوئی فرشتہ مطمئن نہیں ہزاروں طالبوں کی زبانیں اُس کی بے نیازی نے گونگی کر دی ہیں اور لاکھوں دل جلے مریدوں کو بے پروائی کے دریا میں ڈبو دیا ہے۔ اور ہزاروں ہزار دوستوں کے کلیجے غیرت کی آگ میں بھون دیے گئے ہیں۔ اور حضرت ربّ العزۃ کے یہاں سے آواز آتی ہے کہ تمھاری ہستی نیستی کی طرح ہے۔ ایک بزرگ نے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے

من چون تو ہزار عاشق از غم کشتم ❊ کالودہ نہ شد بخون کس انگشتم

(میں نے تیری طرح ہزاروں عاشق کو غم کی تلوار سے قتل کر دیے ہیں۔ اس صفائی کے ساتھ کہ میری انگلیاں بھی کسی کے خون سے آلودہ نہ ہوئیں)۔ اے بھائی! اگر سارے ملائکہ کی طہارت و پاکیزگی ایک ہی مرید کی ذات میں جمع ہو جائے اور کل آدمیوں کی عبادت و بندگی صرف ایک مرید کو حاصل ہو جائے اور وہ اپنے کو ایک کتے سے بہتر اور اچھا سمجھے تو بلاؤں کا نشانہ بن جائے گا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ کبر کا شائبہ اس میں اب تک باقی ہے۔ بڑا ہی خطرہ ہے کہ کہیں اسی شربت کا گھونٹ اس کے حلق میں بھی نہ ڈال دیں جو کبھی ایک کو پلایا جا چکا ہے اور وہی دھبّا اُس پر نہ لگا دیں جو اُسے لگایا گیا ہے۔ ہر وقت ڈرتے اور سہمتے رہنا چاہیے اپنی طاعت و بندگی کو ناقص اور اپنے ایمان کو کفر اور تقوے اور طاعت کو گناہ سمجھنا چاہیے۔ اپنی پاکیزگی اور صفائی کو گندگی، اپنی ذات کو بتخانہ اور اپنے جبّہ و دستار کو زنّار اور بت، خرقہ و مصلّٰی کو نصرانیوں اور ترساؤں کی صلیب جاننا چاہیے۔ یہ سب باتیں اُس مرید کے حق میں ہیں جس نے ارادت کی شرطیں پوری طرح ادا کی ہوں اور ارادت کی حقیقت تک پہنچ گیا ہو۔ یہ اس کی سلامتی کی نشانی اور نہایت منزل تک پہنچ جانے کی علامت ہے۔ مگر وہ جو اپنے غرور اور گھمنڈ میں بے مست ہے اور ایک حرف بھی نہیں جانتا ہے۔ اس میں محض دعویٰ ہی دعوے ہے۔ وہ اندر سے بالکل کھوکھلا ہے یہیں سے عالم و جاہل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور دونوں کی روشیں ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔ صورت سے معانی اور حقیقت سے تکبّر اور ضلالت سے معرفت اور

تاریکی سے روشنی اور مبتدی سے منتہی کی تمیز کی جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا ہے فِي الْبِدَايَةِ نُطْقٌ فِي نُطْقٍ وَفِي النِّهَايَةِ سُكُوتٌ فِي سُكُوتٍ (ابتدا میں گفتگو ہی گفتگو اور انتہا میں خاموشی ہی خاموشی ہوتی ہے)۔ مبتدیوں کو صرف زبان ہوتی ہے اور منتہیوں کو نہ زبان نہ گویائی جس طرح بلبل ہزار داستان دن رات چہکتی اور نغمے سناتی ہے اس کی قیمت ایک روپیہ ہوتی ہے اور باز جو زندگی بھر کچھ نہیں بولتا ایک ہزار روپے دام لگائے جاتے ہیں۔ قطعہ

قیمتِ باز کس نداند گفت قیمتِ بلبلے بود دانگے
این تفاوت میانِ شان از چیست آن کند کار این کند بانگے

(باز کی قیمت کی حد کوئی نہیں بتا سکتا۔ اور بلبل کا دام ایک دمڑی یا چھدام ہوتا ہے۔ جانتے ہو قیمت کا اتنا فرق کیوں ہے؟ وہ کارنامہ انجام دیتا ہے اور یہ صرف بات کرتا ہے)۔ جو مبتدی کے لیے اثبات (قابلِ قبول) ہے وہ منتہی کے لیے نفی (قابلِ ترک)۔ اور جاہل جس کو معلومات سمجھتا ہے وہ عالموں کے لیے زنار داری اور بت پرستی ہے۔ خداوند تعالیٰ تم کو مریدی کی راہ میں قبول فرمائے اور دانائی اور بینائی عطا کرے جس سے محقق اور گمراہ، معرفت وضلالت، عالموں اور جاہلوں کی روش اور سنت وبدعت میں تمیز کر سکو۔ ہر ایک بات کو جہاں تک پہچاننے کا حق ہے پہچانو۔ اور سلوک کی راہ درست کرو۔ بظاہر اگر تھوڑا ہو پھر بھی اس کے فائدے بہت ہیں۔ اس کے فضل واحسان کی مدد سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آلِ عظام کی برکت اور وسیلے سے۔ ہر حالت میں خدا پر بھروسہ رکھو۔ دل کو وسوسوں اور کسی دوسری طرف توجہ کرنے سے بچاؤ۔ ایک شخص حاتم اصم قدس اللہ سرہٗ کے پاس آیا اور پوچھا آپ کی اوقات بسری کا کیا سامان ہے کیونکہ بظاہر کوئی ذخیرہ نظر نہیں آتی۔ آپ نے فرمایا خدا کے خزانے سے۔ اُس نے کہا کیا آپ کے لیے آسمان سے روٹیاں ٹپک پڑتی ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر زمین اس کی ملکیت نہ ہوتی تو آسمان سے بھیجتا۔ اس نے کہا ہم لوگوں کو باتوں سے بہلاتے ہو اور زبان بند کر دیتے ہو۔ آپ نے کہا آسمان سے بھی یقینی کلام کے سوا اور کچھ نازل نہیں ہوا ہے۔ اُس نے کہا میں تم سے دلیلوں سے نہیں جیت سکتا۔ آپ نے کہا ٹھیک ہے حق کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔ کہا گیا ہے کہ ایک مرید حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور معاش کی تنگی اور بال بچوں کی زیادتی کی شکایت کی۔

حضرت شبلی نے فرمایا۔ گھر لوٹ جا۔ اور جس کو خدا کی روزی پر بھروسہ نہیں ہے اس کو گھر سے نکال دے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچپنواں مکتوب ۵۵

قاضی صدر الدین کی صحبت اور علم کی رغبت کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین خدا تم کو اپنی بندگی کے لیے لمبی عمر دے۔ لکھنے والے کی طرف سے سلام کا تحفہ لو۔ واضح ہو کہ تم قاضی صدر الدین کی صحبت کو غنیمت جانو اور نیک بختی کی نشانی سمجھو اور دن رات علم حاصل کیا کرو جیسے، آرام کھانا پینا اور سونے کو کنارے کرو جس طرح نماز کیلیے پاک وصاف رہنے اور طہارت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ریاضت اور مجاہدے کے لیے علم کی حاجت ہے۔ کوئی معاملہ اور ریاضت بغیر علم کے ممکن نہیں جس طرح کوئی نماز بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتی ہے

علم نر آمد و عمل مادہ — دین و دولت بدو شد آمادہ

کار بے علم بار و بر نہ دہد — تخم بے مغز ہم ثمر نہ دہد

(علم کی حیثیت نر اور عمل کی حیثیت مادہ کی ہے۔ دین کے ساتھ دولت اسی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بغیر علم کے عمل کرنا پھول پھل نہیں دیتا جس طرح بغیر مغز کا بیج شگوفے اور پتے نہیں لاتا)۔ اگر کوئی شخص بغیر علم حاصل کیے ریاضت اور مجاہدہ کرے گا تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے بغیر وضو کے نماز پڑھی ہو۔ یا کوئی کافر قرآن کی تلاوت کرے۔ جانو کہ علم کی دو قسم ہے ایک کسبی جو کسی استاد سے پڑھ کر یا کتابوں کے مطالعہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا وہ علم جو دل کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ یہ دو طرح کا ہے۔ بعض وہ جو خداوند بے نیاز کی بارگاہ سے پیغمبروں کے دلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا نام وحی ہے۔ یا حضرات اولیا کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اس کا نام الہام ہے۔ اور دوسرا وہ جو پیغمبروں کے واسطے سے صدیقوں کے سینوں میں داخل ہوتا ہے۔ یا پیروں کے ذریعہ مریدوں کے دلوں میں پہنچ جاتا ہے۔ اس حدیث کے معنی یہی ہیں اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (پیر اپنے مریدوں کی جماعت میں ایسا ہے جیسا پیغمبر اپنی امتوں میں)۔

یعنی جس طرح صدیق لوگ پیغمبروں کے دل کے آئینہ میں خدا کا جلوہ دیکھتے ہیں اسی طرح مرید اپنے پیر کے دل کے آئینے میں خدا کو دیکھتا ہے۔ یعنی پیر کے قول فعل کو خدا کی طرف سے جانتے اور پہچانتے ہیں اسی کو دیکھنا کہتے ہیں۔ قطعہ

بر لوحِ دلت نقش اگر ہیچ حروف است | یک رمز ز اسرار معانی نہ بدانی

چون محو شد از لوحِ دلت حرف تمامت | می دان کہ شدی محرم اسرارِ معانی

(اگر ایک حرف بھی تیرے دل کے تختے پر لکھا ہوا ہے تو اسرار معانی کا ایک نکتہ بھی نہیں جان سکتا جب وہ سارے حرف مٹ جائیں گے اس وقت تو اسرار معانی کو سمجھنے لگے گا۔ وہ جو مشائخوں نے فرمایا ہے کہ مرید پیر کے دل میں خدا کا جلوہ دیکھتا ہے۔ یہ دیکھنا ان ظاہری آنکھوں سے نہیں ہے اے بھائی! علم ساری نیک بختیوں کی جڑ ہے جس طرح جہالت بد نصیبی کی اصل ہے۔ نجات کے ذرائع علم کی بدولت پیدا ہوتے ہیں اور ساری ہلاکتیں جہالت کے سبب آتی ہیں۔ اور فردوس کے مدارج اور قدسیوں کی کرامتیں علم ہی کی بدولت ملتی ہیں۔ اور جہنم کے قعر اور سخت تر عذابوں میں جہالت کی وجہ سے پڑتے ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

نیست از بہر آسمانِ ازل | نردبان پایہ بہ ز علم و عمل

(آسمانِ ازلی تک پہنچنے کے لیے علم اور عمل سے بہتر کوئی زینہ نہیں ہے)۔ علم کی بارگاہ میں مومن کے سوا کسی نے قدم نہ رکھا اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (اللہ ان لوگوں کا دوست اور کارساز ہے جو ایمان لائے، ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے) اے مِنَ الْجَھْلِ اِلَی الْعِلْمِ (یعنی جہالت سے علم کی طرف)۔ اور جہالت کی منزل میں کافروں کے سوا کوئی داخل نہ ہوا۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ (اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اُن کے دوست اور ساتھی شیاطین ہوتے ہیں جو اُن کو روشنی سے نکال کر تاریکی میں پہنچا دیتے ہیں) اَیْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَی الْجَھْلِ (یعنی علم کی روشنی سے جہالت کی تاریکی کی طرف۔ پس مومن کو جس طرح کفر و ضلالت سے دُور رہنا چاہیے، اسی طرح جاہلوں اور جہالت سے بھاگنا ضروری ہے۔ اَلْعَاقِلُ حَبِیْبِیْ وَالْاَحْمَقُ عَدُوِّیْ عقلمند میرا دوست اور بے وقوف میرا دشمن ہے۔ یہ شریعت کا فتویٰ ہے۔ جہالت اور جاہلوں سے

الگ رہنا واجب ہے۔ علم کی تلاش اور عالموں کی صحبت کی جستجو فرض ہے۔ علماء سے مراد وہ علماء ہیں جو آخرت میں کام آئیں۔ اور علم سے مراد وہ علم ہے جو آخرت میں کام دے۔ نہ کہ دنیادی علم، تاکہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اسی کے متعلق کہا ہے۔ ؎

علم را چوں تو خوانی از بازی — آلت و ساز و جاہ ازاں سازی

علم سوئے درِ الٰہ برد — نہ سوئے نفس و مال و جاہ برد

(تو علم ہنسی کھیل کے لیے پڑھتا ہے اور اس کے ذریعہ مال و دولت، اور منصب حاصل کرتا ہے۔ اصل علم وہ ہے جو تجھے خدا کی طرف لے جائے نہ کہ خواہشاتِ نفسانی اور مال و دولت کی طرف)۔ برسوں کی ریاضت اور مجاہدے سے وہ باتیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ جو فائدے ان بزرگوں کی ایک دن کی صحبت پہنچا دیتی ہے۔ ؎

مورِ مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد — دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(کمزور چیونٹی تمنا کرتی ہے کہ کعبہ پہنچ جائے۔ اگر کسی کبوتر کے پاؤں سے لپٹ جاتی ہے تو فوراً پہنچ جاتی ہے) تم نہیں دیکھتے کہ لکڑی اور گھاس کے مزاج میں سکون اور ایک جگہ پڑا رہنا ہے۔ مگر جب کبھی پانی سے سابقہ پڑتا ہے تو اس کے اثر سے وہ پانی پر تیرنے لگتی ہے۔ اسی طرح چیونٹی کو بھی ہوا میں اُڑنے کی طاقت نہیں۔ مگر جب کبوتر کی صحبت اختیار کی تو کبوتر کے ساتھ یہ بھی اُڑنے لگی۔ جاری ہونا جو پانی کی، اور اُڑنا جو کبوتر کی صفت ہے صحبت کی وجہ سے لکڑی گھاس اور چیونٹی میں سرایت کرتی ہے۔ اسی طرح لوہا بھی، اگر ذرہ کے برابر پانی میں ڈالا جائے تو قائم نہیں رہ سکتا۔ ڈوب جائے گا۔ جب اُس کو لکڑی کی صحبت ہوئی اور کسی کشتی میں جڑ دیا گیا تو دو چار من بھی پانی پر ٹھہرا رہے گا۔ اور ڈوب نہیں سکتا۔ صحبت کی تاثیر اور برکتیں ہیں سے سمجھو کہ اس کے کیا کیا فائدے ہیں تاکہ یہ دولت میسر ہو جائے۔ اس وقت جب قاضی صدرالدین کی صحبت کا خدا نے تم کو موقع دیا ہے تو اسے غنیمت سمجھو۔ خدا جہالت کی تاریکی سے تم کو نکال کر علم کی روشنی سے منور کرے۔ نیازمندی اور عاجزی اختیار کرو۔ اور سرداری اور خواجگی کے دعوے سے الگ رہو۔ خواجہ سہیل عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ میں نے اس کے راستے کو دیکھا اور بصیرت کی نظر ڈالی۔ خدا تک پہنچنے کا کوئی راستہ عاجزی اور نیازمندی سے بڑھ کر نہیں پایا۔ اور دعوے کرنے سے بڑھ کر

Marfat.com

کوئی پردہ نہیں پایا۔ اے بھائی! شیطان کو دیکھو۔ دعوے ہی دعوے نظر آئیں گے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام پر نظر ڈالو۔ سراسر عاجزی اور نیاز مندی پاؤ گے۔ ابلیس نے کہا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (میں اس سے بہتر ہوں) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کو ساری مخلوق سے بدتر کر دیا گیا۔ حضرت آدمؑ نے کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (اے میرے پروردگار، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا) آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا۔ اور خدا نے اپنا خلیفہ بنا کر اُن کو تخت پر بٹھا دیا۔ اتنے انعام و اکرام پر بھی اُن کی نیاز مندی اور عاجزی ذرہ برابر کم نہ ہوئی۔ آٹھوں بہشت کا مالک اُن کو بنا دیا گیا، مگر ان کی مفلسی جتنی بھی تھی اس سے کم نہیں ہوئی اور اس میں کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ آپ نے کہا۔ اے خدا جو تو فرماتا ہے وہ صحیح و درست ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں) یہ تیری مہربانی ہے مگر میرے لیے یہی زیبا ہے کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (اے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا) کہتا جاؤں۔ خلافت کا تخت جو تو نے عطا کیا وہ تیری بخشش و کرم ہے۔ لیکن میری دُہائی پھر بھی یہی ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ اگر تم کل بہشت میں جاؤ۔ اور کن انکھیوں سے بھی اُس کی طرف دیکھو، تو تم میں آدمیت نہیں۔ اور تمھاری کوئی قیمت نہیں کیونکہ جو چیز کہ تمھارے باپ نے ایک دانہ گیہوں کے بدلے بیچ دی۔ اس چیز کو اب مہنگا کون کر سکتا ہے۔ تم کون ہو جو وہاں اپنا بستر لگاؤ اور ڈیرہ ڈالو سہ

پدرم روضۂ رضوان بدو گندم بفروخت　　من کہ باشم کہ جہاں را بجوے نہ فروشم

(میرے باپ نے دو گیہوں کے بدلے بہشت بیچ ڈالی ہیں کس لائق ہوں جو اس دنیا اور اس کی لذتوں کو ایک جو کے بدلے نہ بیچ دوں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھپنواں مکتوب ۵۶

مرید کے پہلے مرتبے کے بیان میں

برادرم شمس الدین سلمہ اللہ تعالےٰ۔ جانو کہ مرید کے مرتبوں میں پہلا مرتبہ شریعت کا رستہ ہے جب مرید شریعت کے احکام کی شرطوں پر قائم رہ کر چلتا رہا۔ اور شریعت کے حدود کی پوری طرح حفاظت کی، پھر ہر طرح اس کا حق بھی ادا کیا، تو اب چاہیے کہ وہ اپنی ہمت کو بلند رکھے۔

Marfat.com

تاکہ شریعت کا حق ادا کرنے کی برکت سے اور عالی ہمتی کے طفیل طریقت اپنا جلوہ دکھائے۔ وہ دل کا راستہ ہے جب طریقت کی شرطیں کما حقہٗ ادا کر چکا، اور ہر طرح بجا لایا، تو اپنی ہمت اور بھی بلند کرے۔ جیسا کہ کہا ہے کہ بے ہمت مرید کی کہیں رسائی نہیں ہمت کی برکت سے خداوند تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے دل کے پردوں کو اُٹھا دیتا ہے۔ اور حقیقت کے معانی جو سالکوں، طالبوں اور صادقوں کے اعلیٰ مقاصد ہیں اُس کو دکھائی دینے لگیں گے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ مثنوی

۱۔ خیال ست این کہ بے شرع و طریقت کشایندت ہمیں راہِ حقیقت

۲۔ طریقت بے شریعت نیست واصل حقیقت بے طریقت نیست حاصل

۳۔ بیک دیگر تعلق ہر سہ دارد کسے شان تفرقہ کردن نیارد

(یہ خیال ہی خیال ہے کہ بغیر شریعت پر چلے ہوئے طریقت کا راستہ تجھ پر کھول دیا جائے گا۔ بغیر شریعت کے طریقت کام آنے والی نہیں۔ اور بغیر طریقت کے حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِن تینوں کو ایک دوسرے سے ایسا لگاؤ ہے کہ کوئی شخص ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا) جب سچے مرید پر یہ مطلب ظاہر ہو گیا تو سب باتوں سے منہ پھیر کر اُسی کی تلاش و جستجو میں محنت اور مشقت کے لیے کمر باندھ لے۔ اب اگر ہزار دل مرتبہ بھی دنیا اور عقبیٰ کی نعمتیں اس کے سامنے لائی جائیں تو وہ کنکھیوں سے بھی نہ دیکھے۔ اور غیر خدا کا نام سنے تو اس کو بت اور زنّار سمجھے۔ اس سے اس کی مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ اور انسان کے لیے تنہائی۔ اور لوگوں سے بے تعلقی اور مفلسی سے بڑھ کر کوئی سخت مصیبت نہیں۔ کیونکہ یہ صفتیں مُردے کی ہیں زندے کی نہیں۔ یہ باتیں خواہشات کے مارنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہی سب اُس کے مقصد بن جاتے ہیں۔ اگر کسی کو دیکھو کہ ان باتوں کے حاصل کرنے کی خواہش اس میں نہیں ہے تو سمجھ لو کہ طریقت کی جھلک اُس پر نہیں پڑی ہے۔ ابھی تک اُس نے طریقت پر آنکھ ہی نہیں ڈالی ہے۔ اور اب تک اُس کو خاطر جمعی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ سچے مرید کی پہچان یہ ہے کہ بے سرو سامانی، غریبی، مفلسی اور تنہائی کو خوشی سے گوارا کرے اور اسی میں مست اور مگن رہے۔ دیکھو اور غور کرو کہ خواجۂ کائنات و خلاصۂ موجودات حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند سے بلند تر مرتبہ پر پہنچنے کے بعد بھی اس پر فخر نہیں فرمایا۔ بلکہ فقر و غریبی پر آپ نے خوشی کے آنسوؤں کے ساتھ دعا مانگی۔

Marfat.com

اور فرمایا اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ (اے خدا، ہم کو مسکینی میں زندہ اور مسکینی میں موت دے اور قیامت کے دن مسکینوں کی حالت میں ہم کو اُٹھا)۔ اللہ! دنیا میں وہ کیسے لوگ ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جینے مرنے اور قیامت میں اُٹھنے کے وقت اُن کی طرح ہونے کی دعا مانگی۔ اگر آپ فرماتے کہ جینے اور مرنے کے وقت ان کو ہمارے ساتھ رکھ تو یہ کوئی بڑی دولت نہ ہوتی۔ اسی لیے فرمایا ہم کو ان کے ساتھ رکھ!۔ مگر لوں نے کہا ہے کہ سارے جہان کا چکر لگائیں پھر بھی امید نہیں کہ کوئی مرید مل سکے یا نہ ملے۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ہم برسوں چاہتے رہے کہ کوئی مرید ملے۔ مرید میں ابلیس کی صفت ہونا چاہیئے تاکہ اس کا کام کچھ بن سکے۔ اپنے کو اس کے حکم پر ہار دینا دوسری چیز ہے اور معشوق کی ارادت میں ہارنا دوسری چیز۔ کیونکہ فرمان باہر کی چیز، اور ارادت اندر کی چیز ہے۔ اگر سلطان محمود ایاز سے کہتا کہ جا کسی اور کی خدمت انجام دے! اور وہ چلا جاتا تو یہ قصور رہتا۔ جو کوئی اس جگہ حکم بجالائے وہ ابھی کچا ہے۔ اس میں خامی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ (اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو) یہاں جو لوگ دل کے کچے اور لالچی تھے سب دوڑے۔ مگر پختہ دلوں اور عاشقوں نے کہا۔ ہم کہاں جائیں سے

گفتی دگرے کن کنم اے بینائے ‏ ‏ ‏ ‏ گر تو دگرے چو خویشتن بنمائے

(تو کہتا ہے کہ کوئی دوسرا معشوق تلاش کر۔ اے سب کچھ دیکھنے والے اگر تو اپنا جیسا معشوق و محبوب دکھا دے تو میں اُدھر چلا جاؤں)۔ اے خداوند پاک و برتر تیرے چاہنے والے بہشت پر کیونکر قناعت کر سکتے ہیں اور تجھ کو دوست رکھنے والے کسی دوسرے کی طرف کیونکر نظر اُٹھا سکتے ہیں سے

گفتی کہ برو حدیث ما کن کوتاہ ‏ ‏ ‏ ‏ اے دوست کجا روم کجا یابم راہ

(تو کہتا ہے کہ چلا جا اور میری گفتگو چھوڑ دے۔ اے یار میں کہاں جاؤں کوئی راستہ نہیں ملتا)

حکایت: جب حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان سے مصر آئے تو اچھے اور عمدہ کھانوں کی رغبت سے نہیں بلکہ یوسف علیہ السلام کی تلاش و جستجو میں آئے۔ کیونکہ حلوہ روٹی اور گوشت وہاں بھی موجود تھا۔ انھیں لوگوں کا کہا ہوا ہے کہ ان کی غرض دنیا اور آخرت میں خدا کی قسم کھا

اور پینا نہیں ہے۔ ؎

در عالم جان آب عنب دان غذائے ما نے ما چو تو در ہر دو جہان عاشق نانیم

(روح کے عالم میں ہماری غذا انگور کا پانی یعنی شراب دیدار ہے۔ ہم تیری طرح دنیا اور آخرت میں روٹی کے عاشق نہیں ہیں۔ بہشت کیا ہے؟ سمجھو کہ رنگ برنگ کے کھانوں کا ایک دسترخوان ہے۔ یہیں سے تمیز ہو جاتی ہے کہ بہشت کے عاشق کون ہیں اور خدا کے عاشق کون؟ اگر باز بہت دنوں کا بھوکا بھی ہو تو وہ کبھی نہ چاہے گا کہ مچھر اور چیونٹی جیسی غذا اس کے پیٹ میں جائے۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (تمام لوگوں نے اپنا مشرب جان لیا ہے)۔ لیکن مرید کو اس راستے میں ہزاروں خوف اور ہزاروں امیدوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ بہت اونچ نیچ اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ ہزاروں چیزوں میں لپٹاتے ہیں اور ہزاروں رنگوں میں ڈبو کر نکالتے ہیں جب یہ کسی تجربہ کار اور پختہ روزگار پیر کے سائے میں رہے گا تو وہ طبیب حاذق کی طرح ہر مرض اور ہر عرض کا علاج مختلف طریقوں سے کرے گا اور ہر شورش اور سودا کے لیے دوسرا معجون بنائے گا۔ یہ سب باتیں تو آسان ہیں لیکن اگر اپنی خود رائی سے چلے گا تو بڑے خطرے میں پڑ جائے گا۔ لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا شَیْخَ لَهٗ (جس کا کوئی پیر نہیں اس کا کوئی دین نہیں) یہ مشائخین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کہا ہوا ہے۔ اور اسی گروہ نے کہا ہے کہ جس مرید کے دل میں اس کام کی ارادت پیدا ہوتی ہے اس کی مثال اس چیونٹی جیسی ہے جو چاہتی ہو کہ پورب یا پچھم سے کعبہ جائے۔ اگر اپنے پاؤں سے آپ چلے گی تو ہزاروں سال چلنے پر بھی کعبہ تک پہنچنا ناممکن ہوگا۔ اور جان کا خطرہ بھی ہے لیکن اگر وہ کبوتر یا باز کے پر کا سہارا لے تو پہنچ جانا بالکل آسان ہوگا۔ چیونٹی کا صرف اتنا کام ہوگا کہ کبوتر کے پاؤں سے لپٹ جائے۔ جب پروں کا سہارا لے لیا۔ اپنے چلنے کے ارادے کو چھوڑ دیا تو اس کا کام کبوتر کے ارادے پر موقوف ہوگا۔ اگر اپنے ارادے چلی تو کبوتر کے ساتھ کعبہ نہ پہنچ سکے گی۔ ؎

مور مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(غریب چیونٹی کی تمنا تھی کہ کعبہ پہنچے۔ کبوتر کے پاؤں سے لپٹ گئی اور اچانک کعبہ پہنچ گئی)۔ اسی طرح مرید کے لیے پیر کبوتر کا کام کرتا ہے۔ اور مرید کی مثال کمزور چیونٹی جیسی ہے جب اس نے

کسی پیر سے تعلق پیدا کیا تو وہ اپنی راہ سے چل کر اُسے منزل تک پہنچا دے گا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کو چاہیے کہ پیر کی ذات میں خدا کو دیکھے۔ کیونکہ مرید کے لیے پیر ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدا کو دیکھے۔ دیکھنے کا مطلب اِن ظاہری آنکھوں سے دیکھنا نہیں بلکہ خدا کی صفات، ارادہ اور افعال کا جاننا اور پہچاننا ہے۔ کہیں غلطی میں نہ پڑ جائے۔ جو شخص طریقت کے راستے میں پیر کے کہنے پر چلے گا اُس کا نام پیر کا مرید ہے۔ اور جو کوئی اپنی خواہش اور مطلب پر چلے گا وہ اپنی مرادوں کا مرید ہے، پیر کا نہیں۔ لوگوں نے کہا ہے مرید کو ایسا پیر پرست ہونا چاہیے جیسا فرمایا ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (جس نے رسولؐ کی پیروی کی اُس نے خدا کی پیروی کی)۔ اس وقت وہ ساعت آتی ہے کہ سارے اعتراض درمیان سے اُٹھ جاتے ہیں۔ پیر کی حالت، قول، فعل اور روش پر کسی طرح کا اعتراض نہ کرے۔ اور ظاہری اور باطنی طریقے سے خود کو پیر کے تصرف و قبضے میں دیدے اور اپنے لیے چون و چرا کا دروازہ بند کر لے۔ اور حاجتوں کا دروازہ کھول دے۔ اور بغیر اس کے حکم کے ایک قدم بھی نہ چلے۔ اب پیر کی ہمت اور برکت سے یہ ممکن ہے کہ وہ مرید کو منزل تک پہنچا دے۔ اور پستی سے بلندی پر لے آئے۔ اور مریدی سے پیری کی مسند پر بٹھا دے۔ اے بھائی! جنہیں کو اس کے لائق بنایا ہے اُس میں یہ باتیں جو تم نے سنیں بغیر تکلیف مشقت کے بنی بنائی موجود ہیں۔ مگر کم بختوں اور بدنصیبوں کو جب کوئی حصہ نہیں ملا تو ہمارے لیے سخت مشکل اور محال ہے۔ ایک شخص کے سر پر اپنے فضل و عطا سے مہربانی کا تاج رکھتا ہے۔ اور ایک شخص کے کلیجے پر انصاف کے قید خانے میں قہر کا داغ لگاتا ہے اور ایک شخص کو جلال و عظمت کی آگ میں جھونک دیتا ہے۔ اور ایک کو اپنے جمال کی روشنی سے نوازتا ہے۔ مٹی اور کوڑے کرکٹ سے اُس نے ایک شخص کو پیدا کیا۔ اور حسرت و افلاس کی پوشاک پہنائی اور اُس کا ظلوم وجہول نام رکھ کر سارے جہان میں ڈھنڈورا پیٹ دیا۔ اس کے بعد سات لاکھ برسوں کی عبادت کرنے والوں کو اُس کے استقبال کا حکم دیا۔ اور فرمان ہوا کہ وہ سجدے جو کل اعمال کا نچوڑ ہیں اور تمھارے حالات و احوال کے اسرار ہیں اُس کے سر پر نچھاور کر دو! — اے بھائی! جب رحمت کے دریا میں مغفرت و بخشش کی طغیانی آتی ہے تو سارے گناہ اور لغزشیں بہالے جاتی ہے۔ اور سب عیب ہنر بن جاتے ہیں۔ کیونکہ گناہ اور لغزشیں لَمْ یَکُنْ (نہیں رہنے والی) ہیں۔ اور رحمت لَمْ یَزَلْ (ہمیشہ رہنے والی) ہے۔ لَمْ یَکُنْ

Marfat.com

لَمْ یَزَلْ کی برابری کہاں تک کر سکتا ہے۔ اس آب و گل کے ساتھ اس کا کام رحمت کی بارش کرنا ہے۔ ورنہ ہمارے اس سیہ بخت وجود کی کیا مجال تھی کہ اس مالک الملک کے فرش کے کنارے پر بھی قدم رکھ سکتا۔ کتنے شراب خوار جو شیطانی باتوں میں گھلے ملے رہے اور ان کا زمانہ گندی خواہشوں اور ناپاکیوں میں گذرتا رہا۔ یک بیک فتوح غیبی سے اس کے مقبول ہونے کا ایک قاصد ظاہر ہوا اور اُس نے کہا اَلْحَبِیْبُ یَقْرَءُكَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ لِیْ مَعَكَ كَلَامٌ (حبیب تجھ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے مجھ کو تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ستاونواں مکتوب ۵۷

مرید کے پہلے مرتبے میں مضمون دیگر

برادرم شمس الدین سلمہ اللہ تعالےٰ جانو کہ مرید کے مرتبوں میں سے پہلا مرتبہ شریعت ہے۔ جب شریعت کا حق اپنی طاقت اور ہمت کے موافق پورا کر چکا تو ہمت بلند رکھے۔ اس وقت طریقت کا جلوہ اُس کو نظر آئے گا۔ یہ دل کا راستہ ہے۔ جب طریقت کا حق بھی پوری طرح ادا کر چکا پھر بھی ہمت بلند رکھے۔ اس وقت اس کے دل کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور حقیقت کے اسرار جس میں جان کا راستہ ہے اُس کو دکھایا جاتا ہے۔ مشائخ طریقت رضوان اللہ تعالےٰ علیہم نے خدا کے راستے میں مریدوں اور سالکوں کے لیے اجمالی طور پر چار مقامات بنائے ہیں۔ اور کہا ہے جب تک مرید ان چار راستوں سے نہیں گذرے گا منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ پہلی منزل عالمِ ناسوت (یعنی دنیا) دوسری منزل عالمِ ملکوت (عالمِ فرشتگان) تیسری منزل عالمِ جبروت (عالمِ ارواح) اور چوتھی منزل عالمِ لاہوت ہے۔ جب تک عالمِ ناسوت کو طے نہ کرے گا عالمِ ملکوت میں نہ پہنچے گا۔ اور جب تک عالمِ ملکوت سے نہ گذر جائے گا عالمِ جبروت میں قدم نہ رکھے گا۔ اور جب تک عالمِ جبروت طے نہ کر لے گا عالمِ لاہوت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور عالمِ لاہوت ایک ایسا عالم ہے جہاں کوئی نشان نہیں جب مرید وہاں پہنچ گیا تو اپنے آپ میں نہ رہا اور بے نشان ہو گیا۔ ناسوت حیوانات کا عالم ہے۔ یہاں پانچوں حواس سے کام لیا جاتا ہے یعنی سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا جب مرید مجاہدہ اور

Marfat.com

اور ریاضت کے ذریعہ ان حواس کو پاکیزہ بنا لیتا ہے اور صرف شریعت کے مطابق استعمال کرتا ہے تو عالمِ ملکوت میں پہنچ جاتا ہے اور جس طرح فرشتوں سے گناہ نہیں ہوتا وہ بھی گناہوں سے محفوظ اور مامون ہو جاتا ہے۔ وہ فرشتوں کی طرح خدا کی تسبیح و تہلیل، رکوع و سجود اور قیام و قعود میں مشغول رہتا ہے اور جب ان عبادات کی نسبت کو اپنے سے منقطع کر لیتا ہے یعنی معبود اور اُس کی عبادت کے درمیان اپنے کو نہیں دیکھتا اور صرف لذتِ عبادت بن کر رہ جاتا ہے تو عالمِ جبروت میں پہنچ جاتا ہے اور یہ ارواح کا عالم ہے۔ اور روح کی حقیقت کو چند خاص لوگوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں پہچان سکتا۔ اس منزل کی عبادات عشق و محبت، ذوق و شوق، طلب، جذب اور تواجد و مستی ہے جب سالک ان عبادات میں فنا ہو جاتا ہے تو عالمِ لاہوت میں پہنچ جاتا ہے یہی مقام وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (البتہ تیرے رب تک تیری منزل کی انتہا ہے)۔ عالمِ لاہوت کا نام عالمِ لامکان ہے۔ اس عالم میں نطق و گویائی نہیں ہے۔ یہی وہ بھید ہے جس کو کہا ہے۔ رباعی

در دیدۂ دیدہ دیدۂ بنہادند وان راز رہِ دیدہ غذائے دادند
ناگہ بہ سر کوے کمال افتادند از دیدۂ و دیدنی کنون آزادند

(آنکھ کی آنکھ میں ایک اور بصیرت رکھی ہے اور آنکھوں کے راستے اُس کو غذا دیتے ہیں اور پھر دفعتہً اس کو کمال پر پہنچا دیتے ہیں تو وہ دیکھنے دکھانے سے بھی آزاد ہو جاتا ہے)۔ اور اس راہ کو طے کرنے کے لیے تین زینے ہیں۔ شریعت، طریقت اور حقیقت۔ لوگوں نے کہا ہے آدمی تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ نفس، دل اور روح۔ ہر ایک کے لیے راستہ مقرر کر دیا ہے نفس کے لیے شریعت، دل کے لیے طریقت اور روح کے لیے حقیقت کا راستہ بنایا ہے۔ نفس شریعت کے راستے سے عالمِ ملکوت میں داخل ہوتا ہے اور دل کی صفتیں اختیار کرتا ہے۔ اور دل طریقت کی راہ سے عالمِ جبروت میں پہنچتا اور روح کی صفتیں اختیار کرتا ہے۔ اور روح حقیقت کے راستے اور جذبۂ الٰہی کے وسیلے سے اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اس طرح کام بنتا ہے کہ نفس دل اور دل روح بن جاتا ہے۔ یعنی تینوں ایک ہو جاتے ہیں۔ یہیں سے کہتے ہیں ع عاشق و معشوق و عشق ہر سہ بمعنی یکے ست (یعنی عاشق و معشوق اور عشق تینوں حقیقتہً ایک ہی ہیں۔ اس کا نام توحیدِ مطلق ہے۔ کہا گیا ہے کہ خدا کے راستے پر چلنے والوں کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ پہلی سلوک، دوسری وقوف، تیسری رجوع۔ اور

Marfat.com

یہ تینوں حالتیں بغیر ارادہ اور مشیئتِ الٰہی کے نہیں ہیں لیکن بندہ کے لیے یہی ہے کہ ہر وقت کام میں لگا رہے اور انتظار میں بیٹھا رہے۔ وہ وہی کرے گا جو اُس کے لیے اُس نے چاہا ہے۔ اُس کو کسی کی ہلاکت یا کسی کی نجات سے کوئی غرض نہیں۔ ایک شخص کسی بیابان میں پیاس کے مارے مر رہا تھا، اور کہتا تھا، اتنے دریا پانی سے بھرے پڑے ہیں اور پھر بھی پیاس سے میری جان نکل رہی ہے۔ غیب سے آواز آئی کہ ہم ہزاروں صدیقوں کو خونخوار جنگل میں پہنچا دیتے ہیں اور اپنی مشیئت کی تلوار سے سبھوں کے گلے کاٹ کر چیل کوؤں کی غذا بنا دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہماری خواہش پر اعتراض کرنا چاہے تو اس کے لبوں پر اپنی سیاست کی مہر لگا دیتے ہیں کہ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (وہ جو کچھ کرتا ہے اُس پر کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا) چیل کوّے بھی ہمارے اور صدیق بھی ہمارے ہی پیدا کیے ہوئے ہیں۔ دوسرا فضول بکنے والا بیچ میں کون ہے۔ اب جس کی خواہش ہو کہ اس حقیقت کی تہ تک پہنچے تو اُس کو مردانِ خدا کے جوتوں کی خدمت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، تا کہ کسی دل میں اُس کی جگہ بن سکے اور کوئی شخص خواہشاتِ نفسانی کی قید سے باہر نہیں نکل سکتا مگر وہی جس کو اُس نے چاہا جب تک کسی پیر تجربہ کار اور راستے سے خبردار کی پیروی اختیار نہ کرے گا اُس کا کام نہیں بنے گا۔ مرید میں جتنی استعداد اور جس قدر علم ہوگا اُسی کے موافق پیر اس پر حکم لگائے گا۔ بیماری اور بیماری کے اسباب کا مختلف علاج بتائے گا۔ یہاں تک کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مرید کی ذات میں اپنا ڈیرا ڈال دے اور شیطان کا آنا جانا اُس کے دل میں بند ہو جائے سارے جہان کے لوگ اسی طرح جستجو میں ہیں کہ خدا کا راستہ اپنے سر سے طے کریں۔ لیکن دل کی صفائی کے انداز سے ہر شخص کا علم ہوتا ہے اور اسی علم کے انداز سے اس کی طلب، ارادت ہوتی ہے اور جس درجہ طلب، ارادت ہوتی ہے اتنا ہی سلوک بھی ہوتا ہے۔ اونچی قسمت والے مرید تجربہ کار اور راہ سے باخبر پیروں کی صحبت میں پارسا ہو کر راستہ پاتے ہیں۔ اور محروم القسمت مرید اپنی بدنصیبی کے سبب اُن کی امداد کے باوجود بھٹکتے رہتے ہیں۔ بے اقبالی اور بدنصیبی کی وجہ سے اُن کا نفس خود رائی پر اڑا رہتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ جب پیر مرید کے دل میں ارادت کی لہر دیکھتا ہے تو کہتا ہے:

گر زہیچ شبے از وصلِ تو بیابم داد　　من بر لبِ تو چہ بوسہ ہا دانم داد

(اگر کسی رات تیرا وصال حاصل ہو جائے تو میں تیرے لبوں کو نہ جانے کس کس طرح چوم لوں۔)

Marfat.com

جب اونچی قسمت والے مرید کسی خدا رسیدہ پیر کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو ان کی زبان پر یہ ہوتا ہے۔ ؎

از بخت بلند او فتادم بہ تو من ایزد داند کہ سخت شادم بتو من

(میں خوش نصیبی سے آپ کے در تک پہنچ گیا ہوں۔ خدا جانتا ہے کہ آپ کی زیارت سے میں بہت خوش ہوں)۔ اب اس زمانے میں ہماری بدنصیبی اور بے اقبالی سے یہ سب باتیں کہاں۔ اور اپنی بدنہادی اور کینے کپٹ کی وجہ سے ہم لوگ محروم ہو گئے ہیں۔ سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اسی جملے کو دہراتے جائیں نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ (مومن کی نیت اُس کے عمل سے کہیں بہتر ہے) اگر کسی کی نیت وارادت ٹھیک ہو، مگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے مراد پوری نہ ہو تو ایسا ہے جیسے بیماری حج اور جہاد سے آدمی کو روک دیتی ہے، یا مفلسی اور غربت خیرات کرنے کا موقع نہیں دیتی، اسی طرح چونکہ ان کی نیت درست رہتی ہے اس لیے یہ لوگ بھی حج، جہاد اور صدقہ کا ثواب انھیں لوگوں کے برابر پا لیتے ہیں جنھوں نے حج جہاد اور صدقہ کیا ہو۔ اور اس طرح کی باتیں قرآن اور حدیث میں بہت آئی ہیں۔ دن رات دل کو جلاؤ اور روتے رہو اور ان باتوں کے پورا نہ ہونے کی حسرت میں جلتے رہو۔ اگر خدا نے چاہا تو نیت وارادت درست ہو جائے گی۔ کیونکہ صرف کاموں کی قدر نہیں ہے، بلکہ اصل قدر دل کی ہوتی ہے بہتیرے ایسے لوگ جو اپنے گھروں میں سوئے ہوئے ہیں مگر غازیوں کا ثواب اُن کو مل رہا ہے اور بہت سے لوگ جو لڑائیوں میں شہید کر دیے گئے وہ کافروں کی صف میں کھڑے کیے جاتے ہیں۔ اس شہادت سے اُن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اَكْثَرُ شُهَدَاءِ اُمَّتِيْ اَصْحَابُ الْفُرُشِ وَرُبَّ قَتِيْلٍ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِنِيَّتِهٖ (میری اُمت کے اکثر شہید گھوڑے سوار ہیں اور ممکن ہے دو صفوں کے درمیان قتل کیے گئے ہوں۔ لیکن اللہ ہی اُن کی نیتوں کا جاننے والا ہے) اس راستے میں اپنے غم پر ماتم کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز نفع بخش نہیں جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ كُلَّ قَلْبٍ حَزِيْنٍ۔ (اللہ غمگین دلوں کو دوست رکھتا ہے)۔ تم نے یہ روایت سنی ہوگی کہ جب مسجد نبوی میں منبر بنایا گیا تو حنانہ، جو کھجور کا ایک ستون تھا اور حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے خطبے کے وقت ٹیک لگاتے تھے آپ کی جدائی کے غم میں رونے لگا۔ غیب سے فرمان ہوا کہ حنانہ کو تسکین دو۔ کیونکہ مہجوروں اور بیماروں کا رونا خدا کے نزدیک قابل قدر ہے۔ اور اُس کا فضل جس کا کوئی سبب نہیں ایک شخص پر نوازش وکرم کی بارش کرتا ہے۔ اور اُس کا انصاف

Marfat.com

جس کا کوئی سبب نہیں ایک دوسرے شخص کو یوں ہی چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کو بت خانہ سے تعلق تھا قبول فرما لیے گئے اور عبداللہ ابی کعب جس کا ڈیرہ مسجد میں تھا گمراہی اور پستی میں ڈال دیا گیا۔ جس نے یہ کہا ہے اُس کی جان پر خدا کی رحمت ہو۔ ؎

آن را کہ ہمی سوزی ومی دانی ساخت وان را کہ ہمی سازی ومی دانی سوخت

(آج جس کو تو جلا رہا ہے اُسے جلانا اور بنانا تو جانتا ہے۔ اور آج جس کو بنا رہا اور نواز رہا ہے اُس کو جلانا بھی تو جانتا ہے)۔ اے بھائی! ہم کو تم کو ایسے قہار وجبار سے پالا پڑا ہے کہ آٹھوں بہشت کو ایک دم دوزخ اور دوزخ کو بالکل بہشت اور کعبے کو کلیسا اور بت خانہ کو کعبہ بنا دے تو اُس کی قدرت کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ کوئی کلیجا باقی نہیں جو اس دہشت سے پانی ہو کر نہ بہ جائے۔ ہر وقت ڈرتے اور کانپتے رہو۔ اس کا ڈر لگا ہے کہ کہیں غیب کے پردے سے راندہ دینے والا ہاتھ جس کے لیے کوئی سبب نہیں، نکل آئے۔ اُس کا قہر بھی بے سبب ہے اور اُس کی مہربانی بھی بے سبب ہوتی ہے۔ اُس کی مہربانی کسی گندے ناپاک کو بلا لیتی ہے اور مغفرت کے پانی سے اُس کی آلودگیاں دھو ڈالتی ہے تاکہ اس کے لطف کی پاکیزگی دل سے ظاہر ہو۔ اور اُس کا قہر کسی پاک شخص کو اس لیے بلاتا ہے کہ اس کو دُور پھینک کر جُدائی کے دھوئیں سے اُس کا چہرہ سیاہ کر دے تاکہ شہنشاہِ قہر کے اسباب سے پاکی ظاہر ہو۔ کبھی کسی بد نہاد وبدکار کے گھر سے نبی پیدا کرتا ہے۔ اور کبھی کسی نبی کے گھر سے بدکار وبد نہاد کو وجود میں لاتا ہے۔ کبھی ایک کتے کو اولیاء کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے، اور کبھی کسی ولی کو کتوں کے گروہ میں باندھ دیتا ہے۔ لیکن جب وہ مردود کر چکتا ہے تو پھر کسی طرح مقبول نہیں بناتا۔ اور جب وہ قبول کر چکتا ہے تو پھر کسی طرح مردود نہیں کرتا۔ تم کو چاہیے کہ ملک الموت کے آنے سے پہلے اُسی کی طرف توجہ کرو۔ اور اس سے پہلے کہ تم کو پکڑ دھکڑ کر لے جائیں خود ہی اُس کے حضور میں جانے کا قصد کرو۔ اگر گرفتار ہو کر گئے تو لطف ہی کیا رہا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو آپ نے نہیں کہا توفنی (مجھ کو مار ڈال) اور جب بازار مصر میں آپ پر بولی لگائی جا رہی تھی آپ نے نہیں کہا کہ مجھ کو مار ڈال۔ اور جب کھوٹے اٹھارہ درم میں بیچے گئے تو نہیں کہا مجھ کو مار ڈال۔ اور جب قید خانے بھیجے گئے اُس وقت بھی نہیں کہا مجھ کو مار ڈال لیکن جب ملک مصر قبضے میں آ گیا اور سلطنت کا انتظام سنبھال چکے تو اس وقت آپ نے

Marfat.com

دعا کی تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۔ (اے اللہ مجھے مار ڈال مسلمان ہونے کی حالت میں اور صالحوں کے ساتھ ملا دے ۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھاونواں مکتوب ۵۸

مسلمانی کے حال میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تمھارے شریف احوال کو آراستہ کرے۔ جانو کہ مسلمانی کا حال دوسرا ہے اور بشریت کی تعریف دوسری ہے۔ جب تک انسانی صفتیں اخلاص کے ذریعہ زیر نہ ہو جائیں مسلمانی احوال کا دل سے لگاؤ نہیں ہوتا۔ ان صفتوں کے مجموعہ کا نام محقق لوگوں نے نفس رکھا ہے۔ تم نے نفسِ امّارہ کا نام سنا ہوگا، وہ یہی تو ہے۔ بدن اور اُس کے جوڑ بند سانچے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے کسی آفت کا ڈر نہیں۔ یہ تو ایک سواری ہے جو دین کے احکام کا بوجھ لاد کر لے جاتی ہے۔ اُس نے فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی قدرت کی بارگاہ سے تم کو ایک سواری دی ہے۔ اس پر سوار ہو کر دین کی راہ میں چلو جب تک وہ ٹھیک راستے پر چلتا رہے کچھ چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو احکام کی باربرداری کے لیے ہیں۔ ان کو کچھ تکلیف نہ دو۔ مگر جب وہ دین کے راستے سے بھٹکنے کا ارادہ کریں اُس وقت اپنی ریاضت کے کوڑے سے اُن کو مارو تاکہ ٹھیک راہ پر آجائیں۔ قالب کی صفت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بدن میں سوئی چبھو چبھو کر یہ کہے کہ میں اپنے نفس کو مار رہا ہوں اور اُس پر غصہ اتار رہا ہوں تو خدا کے نزدیک وہ گنہگار ہوگا۔ بہت سے جاہل اسی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنی حماقت سے اس کو ایک بڑا کام سمجھتے ہیں۔ خبردار شریعت کی حد سے آگے نہ بڑھنا۔ یہ ایک بڑی اچھی سواری ہے اور خدا کی امانت کا بوجھ سنبھالنے کے قابل ہے۔ خدا کے عہد و پیمان کا بار اس کے سوا کوئی نہیں کھینچ سکتا اور اس کے سوائے عبودیت کے م... تک کسی اور کے پہنچنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اس کی ایذا رسانی کا خیال کبھی نہ کرنا۔ یہ نفس اس ... سزاوار ہے کہ اس کو اکھاڑ پھینکا جائے اور اس کا مستحق ہے کہ قہر اور غصہ سے دبا دیا جائے۔ چاہتا ہے کہ بشریت کی صفت اور سرکشی کے ذریعہ تمھارے دین پر دھاوا بولے۔ اور تمھا...

اسلام کی دولت کو لوٹ لے اور مصیبتوں کا دروازہ تمہارے لیے کھول دے۔ نفس کی اس خواہش کو دبائے رکھنا اور اپنے دل کو اس کے فتنوں سے بچائے رکھنا چاہیے۔ اور اس کی بلاؤں سے اپنے ظاہر کی حفاظت کرنا پہلا فرض ہے۔ جو خواہشِ نفسانی کی پیروی کرتا ہو اور اس سے لطف اُٹھاتا ہو اس کو کہہ دو کہ اسلام کا نام زبان پر نہ لائے اور پیغمبرِ اسلام کی امت ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑا دانا و بینا ہے دوست اور دشمن کو خوب پہچانتا ہے وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ۔ (اور اللہ تعالیٰ مصلحین میں مفسدین کو خوب جانتا ہے) ہمارے سردار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بالکل معصوم ہیں۔ اپنی امت کے لوگوں کو خوب پہچانتے ہیں۔ مَنۡ غَشَّنَا فَلَیۡسَ مِنَّا اَیۡ فِیۡ دِیۡنِنَا (جس نے ہم کو آلودہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ یعنی ہمارے دین میں نہیں ہے)۔ مثنوی

۱۔ اَلا اے سر بہ غفلت در نہادہ	بہ دنیا دینِ خود بر باد دادہ
۲۔ ترا اندوہِ نان و جامہ تا کے	ترا از ننگ و نامِ عامہ تا کے
۳۔ چرا مغرور جائے دیو گشتی	تو دیوانہ شدی کالیو گشتی
۴۔ چو زین گلخن بدان گلشن رسیدی	ہمین انگار کین گلخن نہ دیدی

(اے غفلت میں سر جھکائے ہوئے انسان ہوشیار ہو جا۔ تو نے دنیا کے عوض دین کو برباد کر دیا ہے۔ تجھ کو روٹی کپڑے کا غم کب تک رہے گا اور تجھ کو نیک نامی اور بدنامی کی فکر کب تک ستاتی رہے گی۔ کیوں شیطان کی جگہ غرور میں مبتلا ہو گیا ہے۔ تو دیوانہ اور پاگل ہے۔ جب تو اس آگ کی بھٹی کو چھوڑ کر اس چمنستانِ لطافت میں پہنچ جائے گا تو ایسا معلوم ہوگا کہ یہ بھٹی کبھی دیکھی ہی نہ تھی) سارے جہان کا لشکر دو نظاروں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک خدا کا لشکر اور ایک شیطان کا لشکر۔ اب تم غور سے اچھی طرح دیکھو کہ تم کس گروہ میں شامل ہو۔ اسی جہان سے دو راستے نکلے ہیں۔ لوگ ایک زمانے اس آیت کے حکم پر چل رہے ہیں۔ فَرِیۡقٌ فِی الۡجَنَّۃِ وَفَرِیۡقٌ فِی السَّعِیۡرِ (ایک جماعت جنت اور ایک جماعت دوزخ میں ہے) لیکن قیامت میں اس کا حال ظاہر ہوگا۔ بہت دلوں سے بہشت اور دوزخ کا راستہ کھول دیا گیا ہے۔ اور لوگ اس پر چل بھی رہے ہیں۔ قیامت کے دن کو بہشت یا دوزخ میں جانے کا حکم سنانے کی ایک گھڑی ہے۔ لیکن راستہ چلنے کا تعلق اسی عالم سے ہے۔ جو شخص دنیا میں دوزخ کے راستے پر چلا ہے اگر قیامت میں چاہے کہ بہشت کا راستہ اختیار کرے تو اس کو اس کی اجازت نہ ہوگی۔

Marfat.com

اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے قید خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ اور حسرت و افسوس کے کوڑے کی مار اس کے دل اور آنکھوں پر ہمیشہ پڑتی رہے گی۔ اسی بھید کے متعلق کہا ہے۔ مثنوی۔

۱؎ یکے را خواہ تا در رہ نہ مانی	فلک رو باش تا در چہ نہ رانی
۲؎ دو گیتی را نہ جوید ہر کہ مرد ست	یکے را جوید او کین ہر دو گرد ست
۳؎ بہشت آدم بہ دو گندم بداد ست	تو اش بفروش گر کارت فتاد ست

(ایک ہی کی جستجو کر تاکہ راستے میں پڑا نہ رہ جائے۔ آسمان کی طرف اُڑ تاکہ کنویں میں نہ گر جائے۔ جو بہادر ہے وہ دونوں جہان پر لات مارتا ہے۔ وہ ایک ہی کو تلاش کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں جہان اُس کی نگاہوں میں گرد کے برابر ہیں۔ حضرت آدمؑ نے دو گیہوں کے عوض بہشت بیچ ڈالی۔ اگر تجھے بھی کوئی کام کرنا ہے تو اس کو بیچ ڈال)۔ اے بھائی محققوں کا کہنا ہے کہ اس جہان کے پہچاننے میں لوگوں نے غفلت کی ہے۔ اگر اس سرائے کا ایک ذرہ بھی اپنے پیدا ہونے کا بھید تم پر کھول دے اور تم سے محبت کرنے لگے تو تمھاری نظروں میں اس قدر پیارا اور بزرگ ہو کہ آٹھوں بہشت تمھاری غلامی کرنے لگیں۔ جو لوگ جھگڑوں اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کی قدر آخر ان کو معلوم ہوگی۔ مگر اس وقت جب کام ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔ اُس وقت مصیبت اور حسرت کے سوا کچھ بنائے نہ بنے گی۔ مثنوی۔

۲؎ زند انگشت و دیدہ بر کند زود	بہ خواری دیدہ بر رہ افگند زود
۱؎ اسیرے را بصد درد و ندامت	بہ دوزخ می برند اندر قیامت
۳؎ چنیں گوید کہ از دیدہ چہ مقصود	نہ خواہم دید بے دیدار معبود

(ایک قیدی کو بڑی ذلت اور مصیبت کے ساتھ قیامت کے دن دوزخ میں لے جائیں گے تو وہ انگلی سے اپنی آنکھیں نکال کر نفرت کے ساتھ راستے میں پھینک دے گا۔ اور کہے گا کہ ایسی آنکھوں سے کیا فائدہ۔ جب معبود کا دیدار ہی نہیں تو میں ان کو دیکھنا نہیں چاہتا)۔ بارگاہِ خداوندی سے یہ خطاب آرہا ہے کہ اس عالم میں دل نہ لگاؤ۔ یہ دولت کبھی نہیں مل سکتی تم اپنا وقت برباد کرتے رہے۔ روز پانچ وقت ہمارے ڈھنڈورا پیٹنے والے تم کو ہماری درگاہ پر بلاتے ہیں۔ اور تم حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الفَلَاح کی آواز نہیں سنتے۔ اور اس دولت سے

Marfat.com

محروم رہے۔ ہم نے تمہارے لیے خوش نصیبی کے دروازے بند کردیے ہیں۔ اگر زمین و آسمان سب مل کر خون روتے رہیں، اس تمنا میں، کہ ایک دفعہ بھی ہم کو اجازت ملتی کہ ہم ایک رکوع یا کوئی سجدہ ادا کرتے۔ تو ہرگز وہ یہ دولت نہ پاسکیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ محروم ہی رہیں گے۔ ذَهَبَتِ الدُّنْيَا وَبَقِيَتِ الْأَعْمَالُ فِي أَعْنَاقِكُمْ (دنیا تو گذر گئی۔ اب تو صرف دنیا کے کام تمہاری گردنوں پر باقی رہ گئے)۔ ایک عارف نے کہا ہے کہ جب تک بہشت کی رشوت کا وعدہ نہ کیا جائے کوئی خدا کی پرستش اور بندگی نہیں کرتا۔ اور جب تک ساتوں جہنم سے ڈرایا دھمکایا نہ جائے گناہوں سے باز نہیں آتا یہ اس بات کی علامت ہے کہ شہنشاہِ توحید نے اس کے دل کے ساتھ محبت کا رشتہ اب تک قائم رکھا ہے۔ دیکھو مثال کے طور پر۔ اگر رضوان آٹھوں بہشت لیے تمہارے دروازے پر آئے اور تم کو اختیار دے کہ چاہے دو رکعت نماز شرائط و آداب کے ساتھ پڑھو، چاہے بے حساب و کتاب بہشت کے محل میں چلے جاؤ تو توحید کا حق تو یہ ہے کہ تم دو رکعت نماز پڑھنا ہی پسند کرو تاکہ بہشت پر تمہارا بڑا احسان رہ جائے اور وہ خود تمہارے پاس پہنچ جائے۔ ایک ہمت والے نے کہا ہے۔ ؎

۱۔ گوہرِ عشقِ تو چو در کانِ ماست	بارِ بلاہائے تو بر جانِ ماست
۲۔ نامِ تو خود مونسِ جان و دل است	ذکرِ تو آسایشِ ارکانِ ماست
۳۔ عقل چو شد بندۂ درگاہِ تو	شاہِ جہان خادمِ دربانِ ماست

(جب تیرے عشق کا موتی ہمارے دل کے خزانے میں ہے تیری بلاؤں کا بوجھ ہماری جان پر ہے۔ تیرا نام ہماری جان اور دل کا غمگسار ہے۔ تیری یاد ہمارے عناصرِ زندگی کو سکون پہنچاتی ہے۔ جب ہماری عقل تیرے دربار کی غلام بن گئی تو دنیا کا بادشاہ بھی ہمارا دربان و خادم ہے) یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ قُسِمَتِ الصَّلٰوةُ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ نِصْفُهَا لِي وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي (نماز دو حصوں میں بانٹ دی گئی ہے آدھی ہمارے لیے اور آدھی ہمارے بندے کے لیے) بہشت میں کہاں پاسکتے ہو یہ دولت سوائے نماز کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس خاکی سرشت کے لیے اس سے بڑھ کر کون سی دولت ہوسکتی ہے کہ آدھی ہمارے لیے اور آدھی ہمارے بندے کے لیے۔ نماز میں جو حمد اور تعریف ہے وہ ہمارے لیے ہے

اور حاجت ونیاز پیش کرنے کا جہاں تک تعلق ہے وہ تیرے لیے ہے اور تیرا حق ہے۔ جب تونے ہمارا حق بڑی خوشی اور حبِّ دلی کے ساتھ ادا کیا، تو تیری دعا اور گڑگڑانے کا جو مقصد ہے ہم اس کو پورا کردیں گے۔ اگر نماز کی عزت کی قدر تم پہچانتے ہوتے تو بہشت کا لالچ نہ کرتے۔ اور اگر تم نماز کی سواری پر سوار ہوئے ہوتے تو اتنی بے خبری ہوتی کہ دوزخ کے عذاب کی کوئی حس ہی نہ ہوتی بہشت کی نعمت پر ناز کرنا اور عذاب دوزخ سے ڈرنا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہاں ظاہر ہوتا ہے۔ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوۃِ فَاِنَّہٗ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ۔ وَرَبُّہٗ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْقِبْلَۃِ (جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کا رب اس کو نجات دیتا ہے۔ اور اُس کا رب اُس کے اور قبلہ کے درمیان میں ہوتا ہے) عقل کی تمام بزرگیوں کو آگ میں جھونک دینا چاہیے سمجھ اور انسانی احساس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ جب کہیں اس حدیث کے مطلب تک پہنچ سکو گے رَبُّہٗ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْقِبْلَۃِ (اُس کا رب اس کے اور اُس کے قبلہ کے بیچ میں ہے) یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ مذاکروں کے دفتر کی نہیں۔ اور یہ فتوے ان الفاظ میں اس کی تائید کرتا ہے۔ مَنْ اَتٰی مَسْجِدًا فَھُوَ زَائِرُ اللّٰہِ وَحَقٌّ عَلَی الْمَزُوْرِ اَنْ یُّکْرِمَ زَائِرَہٗ (جو شخص مسجد میں داخل ہوا وہ خدا کی زیارت کرنے والا ہے اور جس کی زیارت کی جاتی ہے اُس پر یہ ضروری ہے کہ زیارت کرنے والے پر بخشش اور کرم فرمائے)۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے ہماری راہ میں سچائی کے ساتھ قدم رکھا ہو اور ہم نے اپنے اکرام اور بخشش سے اُس کو نوازا نہ ہو لیکن ہمارے ساتھ کسی کو لین دین کا دعویٰ نہ کرنا چاہیے جس شخص کو تم نماز کے وقتوں میں بازار میں چلتے پھرتے دیکھو اُس کی ذلت اور بدنصیبی پر ماتم کرو۔ اس کو اجازت ہی نہیں دی گئی ہے اور وہ نمازیوں کی صف سے نکال دیا گیا ہے۔ اے بھائی! اگلے لوگوں کی زندگی ایسی تھی، اور ہم لوگوں کی عمریں کھیل تماشے میں گزر رہی ہیں۔ کل قیامت کے دن ان صدیقوں کا ایک ایک رُواں مرتبے میں ایک ہزار عالم کے برابر ہوگا۔ اور ہمارے جیسے لاکھوں ایک تنکے کی برابری بھی نہ کرسکیں گے۔ جتنے بیدار بخت ہیں سبھوں کو ہمارے دین ومذہب کا ماتم ہے۔ اور ہم لوگوں کو دن رات اسی کی فکر ہے کہ کیا کھائیں اور کیا پہنیں۔ اس پُر فریب دنیا میں یوں ہی غفلت میں مرجاؤ گے۔ اور قیامت میں یہی حسرتیں لیے قبر سے اُٹھو گے۔ والسلام

ازین کافر کہ مارا در نہاد ست　　مسلمان در جہان کمتر فتاد ست

(یہ نفس کافر جو ہماری فطرت میں موجود ہے۔ حقیقی مسلمان دنیا میں اس کی وجہ سے بہت کم پائے جاتے ہیں)۔ یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن عید کے موقع پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ سیاہ کپڑے پہنے ہوئے رو رہے ہیں۔ لوگوں نے اُن سے کہا کہ آج کا دن اور یہ کالا کپڑا۔ آپ نے یہ حالت کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ایک جہان کو میں دیکھ رہا ہوں کہ آج نئے کپڑے پہنے ہوئے کھیل تماشے میں مصروف ہیں اور کسی کو خدا کی خبر نہیں میں آج ان لوگوں کی بدنصیبی پر ماتم کر رہا ہوں۔ اور اُن کی غفلت پر رو رہا ہوں۔ اے بھائی! تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو اور خدا کی معرفت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر چکے ہو اور اپنی عادت اور خواہشات پر جمے ہوئے ہو۔ قابلِ قدر زندگی تم نے برباد کر ڈالی۔ کسی دن بھی زندگی کا پھل تم نے نہیں چکھا بے وفائی اور نا منصفی کے ساتھ تمھارا میل جول ہے اور گناہوں اور نافرمانیوں سے تم نے محبت کی ہے۔ اے بھائی! یقین کر لو کہ جب تک ان گمراہیوں کی محبت کا لباس اتار کر نہ پھینک دو گے دین کی پوشاک تمھیں نہیں پہنائی جائے گی۔ اور جب تک اس نفس کو جس نے خواہشات میں پھنسا رکھا ہے، دشمن نہ سمجھ لو گے دین کے چہرے کی آب و تاب ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ اور جب تک یہ کھیل جو شیطان کے ساتھ کھیل رہے ہو اُٹھا نہ پھینکو گے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا جلوہ نظر نہ آئے گا اور جب تک دنیا کی طرف سے انجان نہ بن جاؤ گے صدیقوں کا راستہ نہ پا سکو گے۔ مثنوی۔

۱۔ چو ابراہیم بت را بر زمین زن　　نفس از لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ زن

۲۔ درین رہ صد ہزاران سر چو گو ست　　چہ جائے کار و بار و گفتگو ست

۳۔ براہِ عاشقاں در نہ قدم تو　　چہ باشی از سگے در راہ کم تو

(حضرت ابراہیمؑ کی طرح بتوں کو زمین پر پٹک دے۔ "میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" کا دم مار۔ اس راستے میں ہزاروں سر گیند کی طرح مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہ لمبی لمبی باتیں کرنے اور ڈینگ مارنے کی جگہ نہیں۔ عاشقوں کے راستے میں چل کھڑا ہو۔ کیا اس راہ میں تو ایک کتے سے بھی کم رہ جائے گا؟)۔ اے بھائی جس نے تم کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آسمان والے کو تمھارا دشمن بنا دیا، اُس نے ایک بہت بڑا کام تمھارے سپرد کیا ہے۔ یقیناً اس گندی

اور کثیف مٹی کے اندر کوئی پاک اور روشن مقصد چھپا ہوا ہے کہ فرشتوں کی عقلیں اور انسان کی سمجھ ان اسرار کے دریافت کرنے سے عاجز ہے جب اس مقصد کی کرن پھوٹنے لگتی ہے تو آسمان پریشان اور فرشتے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اس کو عاجزی انکساری اور اس کو اقرار بالقدر ہی کرنا واجب و لازم ہو گا۔ حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے مثنوی

۱۔ فرشتہ گر بہ بیند جوہر تو	دگر رہ سجدہ آرد بر در تو
۲۔ نہ مسجودِ ملائک جوہر تست؟	نہ تاجے از خلافت بر سر تست؟
۳۔ خلیفہ زادۂ گلخن رہا کن	بہ گلشن شو گدا طبعی رہا کن
۴۔ بہ مصر اندر برائے تست شاہی	تو چون یوسف چرا در قعر چاہی

اگر تمہاری حقیقتِ انسانی کو فرشتے دیکھ لیں تو دوسرے طریقہ سے تمہارے دروازے پہ سجدہ کریں۔ کیا تم کو فرشتوں سے سجدہ نہیں کرایا گیا۔ کیا خلافت کا تاج تمہارے سر پہ نہیں رکھا گیا؟ تم خلیفہ کی اولاد ہو اس آگ کی بھٹی کو چھوڑ دو۔ جنت میں آجاؤ اور فقیروں کا مزاج ترک کر دو۔ مصر کی بادشاہت تمہارے لیے ہے۔ تم کیوں یوسف کی طرح کنوئیں میں پڑے ہوئے ہو۔ مِنْهُ بَدَاءُ وَ اِلَيْهِ يَعُوْدُ۔ (اسی سے ابتدا ہوئی اور اسی کی طرف لوٹنا ہے) اسی بھید کو ظاہر کرتا ہے۔ جو لوگ معانی کے سمجھنے والے ہیں ان کے نزدیک جب تمہاری ابتدا اُسی سے ہے تو بغیر اس کے تمہارا وجود نہیں ہو سکتا۔ اور جب تمہاری انتہا اُسی تک ہے تو تم سوائے اس کے اور کہیں جا بھی نہیں سکتے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا تعلق عالم لامتناہی سے ہے۔ اس سے ایک ذرہ کے برابر کوئی چیز جدا نہیں ہو سکتی اور نہ کسی دوسری چیز کے ساتھ مل سکتی ہے۔ جب اُسی سے ابتدا ہوئی تو انتہا بھی یقینی اسی تک ہو گی۔ تو جدا ہونے اور ملنے کا ذکر اور آنے جانے کی باتیں ظاہری ہیں۔ اور یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔ اس کے بیان کرنے سے بچنا ہی بہتر ہے۔ حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مثنوی۔

۱۔ درین اندیشہ بودم سالہا من	بسے معلوم کردم حالہا من
۲۔ ہمہ گر پس رو و گر پیشوا اند	درین حیرت برابر می نمایند
۳۔ کسے آگہ نہ از سرِ الٰہی	اسیرانیم از مہ تا بہ ماہی

Marfat.com

۴ بسے سر رشتۂ این راز جستیم نہ دیدم از چہ عمرے باز جستیم
۵ مگر این راز این جا گفتنی نیست در اسرار این جا سفتنی نیست

(میں اس سوچ میں برسوں پڑا رہا۔ اور بڑے بڑے احوال میں نے معلوم کیے۔ جتنے بھی پیچھے چلنے والے یا آگے چلنے والے ہیں سب اس حیرت میں برابر نظر آتے ہیں۔ کوئی بھی اسرار خداوندی سے آگاہ نہیں ہے۔ عرش سے فرش تک ہم سب اسی حیرت کی قید میں اسیر ہیں۔ ہم نے بہت کچھ اس راز کا سرا تلاش کیا۔ لیکن ایک عمر تلاش کرنے کے بعد بھی نہ پا سکے۔ لیکن یہ راز یہاں کھولنے کے لائق نہیں ہے۔ اس راز کے موتی اس جگہ پر دے نہیں جا سکتے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسٹھواں مکتوب ۵۹

اچھے اخلاق کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تم کو اچھے اخلاق کے ساتھ مشرف کرے۔ جانو کہ اخلاق آغاز فطرت میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ علیہ السلام کو دیا گیا ہے۔ اور آدم علیہ السلام سے انبیاء اور رسولوں نے ترکہ میں پایا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ اور آپ سے آپ کی امت کو ملا ہے۔ اسی طرح تمام برے اخلاق تقسیم کے وقت شیطان کو دیے گئے۔ اور اس سے متکبروں اور نافرمانی کرنے والوں تک پہنچے اور یہی شیطان کی امت کہلائے۔ تو جو کوئی شریعت کی پیروی میں زیادہ مضبوط ہوگا اُس کی خصلت بھی اچھی ہوگی۔ کیونکہ اچھی خصلت والا بارگاہ خداوندی میں زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ جب اچھا اخلاق حضرت آدمؑ کا ترکہ ہے اور خداوند جہان کی طرف سے تحفہ دیا گیا ہے تو مومن کے لیے اچھی خصلت سے بڑھ کر اور کوئی آرائش و زیبائش نہیں ہے۔ نیک اخلاق کی حقیقت احکام خداوندی کی بجا آوری اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا ہے۔ کیونکہ آپ کا رہن سہن اور آپ کے جملہ حرکات و افعال بہت پسند تھے۔ تو جو شخص آپ کی پیروی کرتا ہے اس کو لازم ہے کہ اس طرح زندگی بسر کرے جیسی حضرتؐ نے کی ہے تو ضروری ہے کہ اپنے اور غیر کے دُور و نزدیک والوں کے ساتھ اچھے برتاؤ رکھے۔

اور لوگوں کے ساتھ بدمزاجی سے پیش نہ آئے، تاکہ مروت مٹ نہ جائے۔ اور بدخصلتی نہ کرے تاکہ خوش دلی میں فرق نہ آنے پائے۔ اور ہر وقت ہنس مکھ اور کم بولنے والا رہے۔ جس سے ملے پہلے خود سلام کرے۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اصحاب کے ساتھ اگر ایک دن میں سو مرتبہ بھی ہوتی، تو آپؐ ہر بار سبھوں کو سلام کرتے تھے۔ اور جو کچھ اس کو میسر ہے اسی میں سخاوت کرے۔ کیونکہ حضورؐ کی عمر میں کبھی اس کا موقعہ نہ آیا کہ رات تک آپؐ کے پاس ایک درم یا ایک دینار باقی بچا ہو۔ اگر اتفاق سے کچھ رہ جاتا تو جب تک کسی کو دے نہ دیتے آپؐ حجرے میں تشریف نہ لے جاتے۔ کسی کی غیبت، گالی اور جھوٹ زبان سے نہ نکالے۔ اور اپنے کاموں میں زیادہ تکلف اور بڑھاؤ چڑھاؤ کرنے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اچھے اخلاق کی صفت بے تکلفی اور سادگی ہے۔ اپنے احوال اعمال اور گفتگو میں سچائی کے دامن کو نہ چھوڑے اور شریعت کی اتباع میں کھانا، سونا، پہننا اور بولنا کم کردے اور ہر حال میں ہمت بلند رکھے اور بخل و خست کی وجہ سے کسی لالچ کے ساتھ اپنے کو آلودہ نہ کرے اور شک و شبہ اور برباد کر دینے والے خیالات سے کنارہ کشی اختیار کرے اور اس کی کوشش کرتا رہے کہ ہر حال میں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی پیروی ہو۔ اور جہاں تک ہوسکے بُرے اخلاق سے پرہیز کرے۔ بلکہ اُسے اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دے تاکہ اس کی نسبت شیطان سے نہ ملنے پائے اور کسی وقت شیطان کی طرح بدکردار اور بدزبان نہ ہو۔ حضورؐ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا جو تجھ سے کٹ جانا چاہے اس سے مل، اور جو تجھ پر ظلم کرے اُس کو معاف کردے۔ اور جو تجھ کو کچھ نہ دے تو اس کو دے۔ آپؐ کو خدا کا یہ فرمان تھا کہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لانے کے لیے حکمت کے ساتھ نرم الفاظ میں نصیحت فرمائیں، جو بہت اچھے ہوں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا تو اُن سے کہا گیا فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا۔ (اس سے نرم گفتگو میں باتیں کرنا) حضرت انس مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس برس تک حضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ اتنے دنوں میں کسی کام پر مجھ کو نہیں کہا کہ تو نے کیوں کیا؟ یا بُرا کیا۔ جب میں اچھا کام کرتا تو آپ دعا دیتے تھے اور جب کوئی کام خراب ہو جاتا تھا تو فرماتے تھے۔ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔ (اللہ کا حکم اس کی قدرت میں پوشیدہ تھا)۔ دہ

Marfat.com

کہتے ہیں کہ آپؐ اپنے گھوڑے کا دانہ گھاس خود دیتے، اپنے ہاتھ سے کپڑے سیتے اور پیوند لگاتے، گھر کے کاموں میں خادموں کے ساتھ شریک ہو جاتے، جوتوں کے بند ٹوٹ جاتے تو اپنے دستِ مبارک سے ٹانکتے، خود جھاڑو دیتے اور چراغ جلاتے تھے۔ اگر کسی کو آپؐ کوئی کام کرنے کے لیے کہتے اور وہ اپنی حماقت اور نادانی کی وجہ سے نہ کرتا، اور دوسرے لوگ اس پر لعن طعن کرتے اور تکلیف پہنچاتے تو آپ گوارا نہ فرماتے اور اس کی اجازت نہیں دیتے۔ حضورؐ کی تمام عمر میں گالی گلوچ، طعنہ و تشنیع کے الفاظ زبان پر نہیں لائے۔ آپ کا چہرہ مبارک ہمیشہ ہنستا ہوا ہوتا اور اگر کوئی مسلمان آپؐ کے پاس پہنچ جاتا تو آپ ہی سلام کے لیے سبقت فرماتے اور اصحاب کے ساتھ اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اجنبی کو پہچاننے میں شبہ ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ اور صحابہؓ کی عزت و تکریم کی وجہ سے اُن کے نام نہ لیتے بلکہ ان کی کنیت وغیرہ سے پکارتے تھے۔ اگر کسی کی کنیت نہ ہوتی تو اس کی ایک کنیت آپ خود رکھ دیتے تھے۔ اور اگر صحابہؓ میں سے یا کوئی دوسرا شخص آپ کو پکارتا تو آپ لبّیک (حاضر) فرمایا کرتے تھے۔ اگر بچوں کی منڈلی کی طرف سے گزرتے تو اُن کو سلام کرتے۔ اور مسلمانوں کا عیب ہمیشہ چھپایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک چور کو آپؐ نے فرمایا اَسَرَقْتَ قُلْ لَا (تو نے چوری کی؟ کہہ دے، نہیں)۔ بال بچوں اور غلاموں کا حق برابری کے ساتھ جس طرح شریعت میں ہے لحاظ رکھتے۔ اور دین کی تبلیغ کرنے میں کفار کی گالیاں، لعن طعن اور مار تک برداشت کرتے۔ کبھی کسی سائل کو محروم واپس نہ کرتے۔ اگر کچھ موجود ہوتا تو دیتے ورنہ فرماتے اگر خدا نے چاہا تو ہم دیں گے۔ اپنے کام کے لیے آپ کسی پر غصہ نہ کرتے اور دینِ حق کے اعلان میں خوف سستی اور تغافل نہ فرماتے تھے۔ پریشانی اور بیماری کی حالت میں اپنے دوستوں کی مدد کرتے۔ اگر کسی وقت ان کو نہ دیکھتے تو ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اگر آپؐ کا غلام بیمار پڑ جاتا تو اُس کی جگہ آپ خود اس کا کام انجام دیتے تھے۔ بازار سے سودا لا دیتے تھے۔ آزاد اور غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور تحفہ لے لیتے تھے، اگرچہ ایک گھونٹ دودھ ہی کیوں نہ ہوتا۔ آپ کے یار دوست جو کھانا بھی، اگر جائز ہوتا جیسے خرگوش وغیرہ پیش کرتے تو شوق سے کھا لیتے۔ کبھی کھانے میں عیب نہ نکالتے۔ اور جو کپڑا جن کا پہننا مباح ہے جب کبھی مل جاتا تھا پہن لیتے تھے۔ کبھی کمبل

کبھی یمن کی چادر کبھی کھدر اور کبھی سفید کپڑا پہنا کرتے تھے۔ اور جو سواری مل جاتی تھی اُس پر سوار ہوتے تھے کبھی گھوڑا کبھی اونٹ، کبھی گدھا، کبھی پیدل، کبھی ننگے پاؤں، کبھی بغیر کسی چادر اور کبھی بغیر پگڑی اور ٹوپی کے راستہ چلتے تھے۔ جیسا موقع ہوتا۔ اور اُس چٹائی پر جس پر کوئی بستر نہ ہوتا آرام فرماتے تھے۔ کوئی شخص آزاد یا غلام یا لونڈی باندیوں میں سے اپنی ضرورت کے لیے آپ کو بلاتا تو کبھی ایسا نہ ہوا کہ حضورؐ نے اُن کے کاموں کو قبول نہ کیا ہو۔ اگر کوئی شخص کسی ضرورت سے آپ کے پاس آتا اور آپ نماز میں مشغول ہوتے تو آہستگی کے ساتھ جلد نماز پوری کر کے اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اور اُس کی ضرورت پوری کر کے پھر نماز پڑھنے لگتے۔ اور جو کوئی آپؐ کے پاس آتا تھا اُس کی تعظیم فرماتے تھے۔ اور اُس کے بیٹھنے کو اپنی چادرِ مبارک بچھا دیتے تھے۔ اور اپنا تکیہ اس کو دے دیتے تھے۔ اگر وہ آپؐ کے آدابِ احترام کا لحاظ کر کے انکار کرتا تو آپ اس کو قسمیں دیتے اور لے لینے پر مجبور کرتے۔ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے لیے آپ سواری بن جاتے اور وہ دونوں لاڈلے آپؐ کی پشتِ مبارک پر سوار ہو جاتے اور کہتے اے گھوڑے اِدھر آ، اُدھر جا۔ جس طرح وہ کہتے ویسا ہی کرتے تھے۔ ان سب باتوں کی روایت حضرت ابو سعید خدریؓ نے کی ہے، اور حدیثوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس طرح کے اخلاق آپؐ میں تھے جو بیان کیے گئے۔ اور اسی طرح کے بے شمار اخلاق آپؐ سے مروی ہیں۔ اگر آپؐ کے وہ معجزے بھی نہ ہوتے تو یہ اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ پسندیدہ ہی آپؐ کے برحق و برگزیدہ رسول ہونے کے ثبوت میں کافی ہیں۔ چنانچہ کتنے دشمن اور انکار کرنے والے ایسے گذرے ہیں کہ محض آپؐ کو دیکھ کر ہی پکار اُٹھے تھے کہ لَیْسَ هٰذَا وَجْهُ الْكَذَّابِيْنَ (یہ جھوٹ بولنے والوں کا چہرہ نہیں ہے) اور فوراً ایمان لے آتے تھے، اور اسلام قبول کر لیتے تھے، بغیر کسی معجزہ اور دلیل کے یہی وہ اخلاق ہیں جو علم والوں نے طریقت کے راستے میں اختیار کیے ہیں۔ ہر حالت میں یہ لوگ شریعت کی پیروی کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اپنے اخلاق کو سنتِ نبویؐ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ جب تک کوئی شخص شریعت میں محقق نہ ہوگا طریقت سے اُس کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اور اس اخلاق کی جڑ معرفت اور بصیرت پر موقوف ہے۔ جو شخص تکبر اور نادانی کے قید خانے میں بند ہو گیا، وہ اِن اخلاق کی پاکیزگی اور صفائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس راستے کے چلنے والے

Marfat.com

کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بصیرت سے اس درجے پر پہنچنے کی کوشش کرے اور انھیں اخلاق نبوی سے آراستہ ہو جائے۔ اور جو کچھ خدا کی بخشش کی وجہ سے حاصل ہو جائے اُسے محفوظ رکھے۔ اور جو نہ ہو سکے اس کو اس گروہ کی صحبت اور خدمت ریاضت اور مشقت سے حاصل کرے۔ کیونکہ بہت سے اخلاق اور حال محنت اور کوشش سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور انسان کو بعض کام کے حاصل کرنے کے لیے مختار بنا دیا گیا ہے۔ اے بھائی! انسان کا نفس آئینہ کی طرح ہے۔ جب اس کی تربیت ہوتی ہے تو اپنے کمال کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ اور انسانی صفت کے زنگ سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور خداوند تعالےٰ کے جلال و جمال کا جلوہ اپنی ذات میں دیکھنے لگتا ہے۔ اُس وقت اپنے کو پہچانے کہ واقعی وہ کیا ہے اور کس لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رباعی

اے نسخۂ نامۂ الہٰی کہ توئی   وے آئینۂ جمالِ شاہی کہ توئی
بیروں ز تو نیست ہرچہ در عالم ہست   در خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی

(کتاب خداوندی کا خلاصہ تو ہی ہے۔ جمالِ شاہی کے دیکھنے کا آئینہ تو ہی ہے۔ جہاں میں جو کچھ ہے وہ تیری ذات سے باہر نہیں ہے۔ اپنے اندر تلاش کر کیونکہ سب کچھ تو ہی ہے)۔ اور یہ شریعت طریقت اور حقیقت کے راستے پر چلنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کوشش برابر کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ تو معلوم نہیں کہ کس کنجی سے یہ تالا کھلے گا۔ یا کس خوش نصیب کی قسمت میں یہ دولت رکھی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کی حکمرانی ہر بادشاہ کو نہیں دی جاتی۔ اور عزت و بزرگی کا تاج ہر ایک کے سر پر نہیں رکھا جاتا۔ جیسا لوگوں نے کہا ہے۔ ~

ملک حبشش بہر سلیمان نہ دہند   منشورِ غمش بہر دل و جان نہ دہند

(ہر سلیمان کو ملک حبش نہیں دیتے۔ اُس کے غم کا عطیہ ہر ایک دل اور جان والے کو نہیں ملتا)۔ خداوند تعالےٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیے مگر انسان کے سوا ان باتوں سے وہ سب ناآشنا ہیں۔ ان میں سے کسی اور کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا ہے۔ ایسی بزرگی موجوداتِ عالم میں سے کسی دوسرے کو نہیں دی گئی یہیں سے ہے جو کہا ہے۔ ~

پناہِ بلندی و پستی توئی   ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی

Marfat.com

اونچے اور نیچے کی پناہ تو ہی ہے۔ ساری چیزیں مٹ جانے والی ہیں باقی رہنے والی ایک تیری ہی ذات ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ساٹھواں مکتوبؔ

غور و فکر کرنے کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین اللہ تعالےٰ تم کو معزز بنائے۔ جانو کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفکر کو خداوندی کاموں میں غور و خوض کرنے کے لیے قائم فرمایا ہے اور کہا ہے تَفَكَّرُوْا فِيْ اٰلَاۗءِ اللّٰهِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ (غور و فکر کرو خدا کی کائنات اور مصنوعات میں مگر خدا کی ذات میں فکر نہ کرو) جو کوئی خدا کی ذات میں غور و خوض کرے گا وہ بہت جلد کفر میں پڑ جائے گا۔ اس لیے کہ فکر کی جہاں تک پہنچ ہے وہ ایک حد کے اندر گھری ہوئی ہوتی ہے۔ اسی حد میں اُسے فکر کرنے کا موقع حاصل ہو سکتا ہے۔ اور خدا کی ذات اور اُس کی صفتیں حدود اور علم و عقل کے ادراک سے پاک و برتر ہیں۔ تو فکر اس کی مخلوقات میں کرنا چاہیے تاکہ وہ مخلوق کے ردوبدل، قائم و ثابت رہنا، رنگ بدلنا، کبھی ہونا اور کبھی نہ ہونا دیکھ سکے۔ اور مخلوقات کو اس کے وجود کے مرتبوں میں پہچانے۔ یہیں سے خدا کی پہچان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر طالب کو چاہیے کہ جب اپنے ظاہری اعمال کو پورا کر چکے تو وظیفہ، سنتوں اور فرض کے ادا کرنے کے بعد کسی کسی وقت تفکر بھی کرے۔ اور جہان کے پیدا ہونے کے متعلق غور کرے کہ خدا کی اس میں کیا حکمت ہے۔ اور جو غور و فکر عالم آفرینش کے لیے کرے وہی اپنے نفس، دل اور جسم کیلیے بھی کرے اور اپنے مرتبے میں پیدائش سے لے کر اس وقت تک تلاش و جستجو کرے۔ اور طور طریقے کو غور سے دیکھے۔ اور اس فکر کرنے میں شریعت کے راستے سے بھٹکنے نہ پائے۔ اور اپنے علم و عمل کی پونجی بنائے تاکہ رُکاوٹ، ٹھہراؤ، شک و شبہ اور تردد کی وجہ سے راستہ بند نہ ہونے پائے اور نفع کے لالچ میں پونجی برباد نہ کر دے۔ تاکہ اس تفکر کی برکت سے بصیرت کا خزانہ حاصل ہو اور معرفت کا نفع بٹور سکے۔ دوسرے لوگ جو برسوں کی عبادت و ریاضت سے حاصل کرتے ہیں

Marfat.com

سچے تفکر سے تھوڑی ہی مدت میں حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سِتِّیْنَ سَنَۃً (ایک گھنٹہ کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور یہ فکر کرنا درحقیقت دین اور مخلوقات کی حالتوں اور خداوندی حکمت کے فائدوں میں غور و غوص کرنا ہے۔ اور یہی فکر ساٹھ برس کے عمل کرنے کے برابر ہے۔ اور لوگوں نے کہا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے جہاں جہاں قرآن شریف میں نظر کرنے کو فرمایا ہے اس سے مراد تفکر کی نظر ہے اور اس کا فائدہ عبرت اور بصیرت حاصل کرنا ہے۔ اس لیے کہ انسان کی آنکھیں آسمان و زمین کے کمالات کو پوری طرح معلوم نہیں کر سکتیں تو اس چیز کا دریافت کرنا جس کو پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکتے بے فائدہ ہے۔ اور خداوند تعالےٰ کسی کام کا حکم بیکار نہیں دیا کرتا۔ اور بینائی والوں کے سوا خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی حقیقت کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ جس طرح ظاہری چیزیں اندھے نہیں دیکھ سکتے آنکھوں والا ان چیزوں کو بالکل ویسے ہی دیکھے گا جیسی کہ وہ ہیں۔ فضولیات کی طرف سے اس کی نظر بند ہو جائے گی۔ اور جس طرح ظاہری آنکھیں دیکھنے میں مختلف ہوا کرتی ہیں بعض کمزور بعض قوی بعض جلد بعض دیر میں دیکھا کرتی ہیں، اسی طرح اہل دل لوگوں کی آنکھیں بھی بصیرت میں مختلف درجہ رکھتی ہیں۔ بعض آسمان تک بعض عرش تک اور بعض لوح و قلم تک اور بعض جن کی بصیرت کامل ہوتی ہے وہ ساری مخلوقات سے گذر کر خالق کو دیکھتی ہے۔ مذہب و ملت اور عقائد کے فرق کی اصل جڑ یہی ہے۔ غرض کہ تفکر کا مقصد علم کی اور معرفت کا فائدہ حاصل کرنا ہے۔ جب علم اور معرفت دل کو حاصل ہو گئی، دل کی حالت بدل جائے گی۔ جب دل کی حالت بدلے گی تو عمل اور اعضا کے کام بھی بدل جائیں گے۔ اب گردش کی منزل میں پہنچ جائے گا اس کے بعد گردش سے روش کی منزل میں اور پھر روش کی منزل سے کشش کے مقام میں پہنچ جائے گا۔ اس مقام میں پہنچنے کے بعد ایک ہی جذبہ میں خداوندی جذبات کی عنایت سے اس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں کوئی جنات اور انسان اپنے مجاہدہ اور ریاضت کے زور سے نہیں پہنچ سکتا۔ اور تفکر کا پھل بے انتہا علم و احوال ہے جس کا حساب و شمار نہیں ہو سکتا۔ یہ اس لیے کہ اگر کوئی مرید تفکر کے راستوں اور طریقوں کو گننا اور جاننا چاہے کہ کن کن طریقوں سے تفکر ہوتا ہے تو شمار نہ کر سکے۔ کیونکہ فکر کرنے کے طریقے بے انتہا ہیں۔ اور اس کے پھل بھی بہت ہیں۔ اور تفکر کے

Marfat.com

متعلق بزرگوں کے بہت قصے ہیں۔ عبداللہ مبارکؒ نے سہیل بن علیؒ کو دیکھا، تفکر کی حالت میں چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے پوچھا کیسے کہاں تک پہنچے؟ انھوں نے کہا صراط تک۔ خواجہ شریح رضی اللہ عنہ راستہ چل رہے تھے، درمیان میں کہیں بیٹھ گئے اور سر پر کمبل تان لیا اور زار زار رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ آپ نے کہا میں اپنی عمر کے بیکار گذر جانے پر غور کر رہا ہوں۔ خواجہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن چاندنی رات میں ملکوتِ آسمان کے متعلق تفکر کیا اور روئے۔ یہاں تک کہ روتے روتے پڑوسی کے گھر میں جا گرے۔ گھر کا مالک بستر سے ننگے بدن اُچھل پڑا۔ وہ سمجھا کوئی چور کود آیا ہے جب حضرت داؤدؒ کو دیکھا تو پوچھا آپ کو کس نے گرا دیا۔ آپ نے کہا مجھے اپنے گر پڑنے کا کچھ حال معلوم نہیں۔ محمد واسعؒ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرے کا ایک آدمی اُن کی والدہ کے پاس گیا اور پوچھا۔ وہ کس طرح عبادت کیا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ دن رات گھر کے ایک کونے میں پڑے رہتے تفکر میں غرق۔ خواجہ فضیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تفکر ایک ایسا آئینہ ہے جو تیری اچھائی اور برائی کو تجھے دکھا دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں سے پوچھا گیا کہ آج آپ جیسا روئے زمین پر کوئی شخص ہے؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں ہے۔ وہ شخص جس کی باتیں ذکر اور جس کا چپ رہنا فکر ہے اور اُس کی نگاہیں عبرت ہیں وہ ہماری طرح ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر دو رکعت نماز تفکر کے ساتھ ادا کی جائے تو وہ رات بھر کی اس نماز سے، جو بے دلی کے ساتھ پڑھی گئی ہو کہیں بہتر ہے۔ اور تفکر کی حقیقت میں لوگوں کے بیانات بہت ہیں۔ اس خط میں اسی قدر لکھنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے تاکہ ہم اس میں تفکر کرتے رہیں جیسا کہ چاہیے اور تفکر کا طریقہ اچھی طرح ہم پر آسان کر دے بِمَنِّہٖ وَفَضْلِہٖ اِنَّہٗ ھُوَ الْمُیَسِّرُ وَالْمُعِیْنُ (اپنے فضل و کرم سے وہی آسان کرنے والا اور مددگار ہے)۔ اور اگر تم چاہتے ہو مگر میسر نہیں ہوتا تو دل چھوٹا نہ کرو۔ کیونکہ خداوند کریم نے فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (تم ہم کو پکارو ہم تمھاری دعائیں قبول کریں گے)۔ حضرت موسیٰؑ کے مدعا سے بڑھ کر کسی کا مدعا نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے خلوص سے بڑھ کر کسی کا خلوص نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے شوق سے بڑھ کر کسی کا شوق نہیں۔ اس پر لن ترانی کی جھڑک یعنی تو ہم کو نہیں دیکھ سکتا۔ ھٰکَذَا قَھْرُ الْاَحْبَابِ (دوستوں کا غضب غصہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے) اے بھائی! ایک گروہ اُس کی جستجو میں رات دن سرگرداں ہے اور اُس کو یہ جواب ملتا ہے اَلطَّلَبُ

رُدَّ وَالطَّرِیْقُ سُدَّ (طلب رد کر دی گئی۔ اور راستہ بند کر دیا گیا) ؎

تدبیر کند بندہ و تقدیر نہ داند　　تدبیر بہ تقدیر خداوند چہ ماند

(بندہ تدبیر کرتا ہے مگر اس کو تقدیر کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی) ؎

بسیار خواستم کہ نہم سر بہ آستانت　　من خواستم ولے چہ کنم چوں خدا نخواست

(میں نے بہت چاہا کہ تیری چوکھٹ پر اپنا سر رکھوں۔ میں نے تو چاہا لیکن کیا کروں اگر خدا ہی نہ چاہے)۔ اور ایک گروہ راستے سے بھٹکا ہوا اور خواہشات نفسانی اور غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ اُس کے لیے غیب سے یہ آواز آتی ہے۔ وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِالسَّلَامِ (اللہ ان کو دارالسلام کی طرف بلاتا ہے) ؎

از صومعہ براند و بیگانہ خواندش　　وز بتکدہ بیارد و گوید کہ آشناست

(عبادت خانے سے بیگانہ کہہ کر نکال دیتا ہے اور بتخانے سے یہ کہہ کر ساتھ لے آتا ہے کہ یہ میرا دوست ہے)۔ ایک شخص کو دیکھا گیا کہ وہ بیابان میں بغیر کھانے پینے کے سامان اور بغیر سواری کے دوڑ رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ کیا تیرے اوپر حج واجب ہے؟ اُس نے کہا۔ میں یہ تو بہت دنوں سے جانتا ہوں کہ مجھ پر حج فرض نہیں ہے لیکن اس کو کیا کروں کہ بے مجھے گھر میں بیٹھنے بھی تو نہیں دیتے۔ ایک لڑکا کسی مکتب خانے سے بھاگ گیا تھا۔ استاد نے لڑکوں کو اُسے پکڑ لانے کے لیے بھیجا۔ وہ زبردستی اس کو لیے جاتے تھے۔ ایک بوڑھے آدمی نے دیکھا اور جھوم کر کہنے لگا۔ کیا خوب! زبردستی اس کو پکڑے لیے جا رہا ہے تاکہ اپنی صفت اس کو عطا کرے۔ یاروں کے کلیجے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے عقلیں اور آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ ہونٹوں پر جانیں آ گئیں تعلقات مٹا دیے گئے اور مہر لگا دی گئی۔ جیسا اُس نے چاہا ؎

امروز بہانہ در انداختہ اند　　فردا آن کنند کہ در سے ساختہ اند

(آج بہانے مقرر کر دیے ہیں۔ اور کل وہی کریں گے جو کچھ سوچ سمجھ رکھا ہے۔ والسلام

———:———

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکسٹھواں مکتوب ۶۱

تجرید و تفرید کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین اللہ تم کو بزرگی بخشے۔ سنو، پہلا کام جو اس راہ کے طالبوں کے بازار کی چہل پہل اور مریدِ صادق کے لیے نوروز کی مسرتوں کا دن کہا جاسکتا ہے وہ تجرید و تفرید ہے۔ تجرید کے معنی کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ جو کچھ تم کو آج ملے اس سے دامن جھاڑ کر صاف نکل آؤ۔ تفرید کا یہ مطلب ہے کہ دل میں کل کی کوئی فکر نہ ہو۔ جیسا کہا گیا ہے ؎

امروز و پری و دی و فردا　　ہر چار یکے بود تو فرد آ

(آج کل اور پرسوں جو گذر چکا اور کل جو آئے گا یہ چاروں ایک ہو جائیں اگر تم فرد ہو جاؤ) دوسری بات ظاہر اور باطن کی خلوت ہے۔ خلوتِ ظاہری یہ ہے کہ مخلوقات سے کنارہ کشی اختیار کرو اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے تصویر کی طرح حیران و خاموش ہو جاؤ یہاں تک کہ تم اس کے دروازے پر مر جاؤ۔ اور خلوتِ باطنی یہ ہے کہ ماسوا اور اغیار کا خیال ذرا بھی دل میں نہ آنے پائے اور دنیا اور آخرت کی کدورت اور آلائشیں بالکل دھو ڈالو۔ تیسری بات یہ ہے کہ ایک ہی کے ہو جاؤ۔ ایک ہی کا ذکر زبان پر اور ایک ہی کا دھیان دل میں رہے۔ یہاں تک کہ دوسرے کا نام لینا یا کسی کا اندیشہ کرنا حرام مطلق سمجھنے لگو۔ چوتھی بات یہ ہے کہ کم بولنے کم کھانے اور کم سونے کی عادت ڈالو۔ کیونکہ انھیں سے نفسِ سرکش کو مدد ملتی ہے اور وہ قوی ہو جاتا ہے۔ زیادہ بکنا خدا کے ذکر سے روک رکھتا ہے۔ بہت سونا غور و فکر سے باز رکھتا ہے۔ اور حد سے زیادہ کھانا گرانی اور سستی پیدا کرتا اور ضروری کاموں میں خلل ڈالتا ہے۔ ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے کیونکہ ظاہری طہارت باطنی صفائی کے لیے سہارا ہے۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ طہارت کا کیا راز ہے؟ آپ نے فرمایا اَلطَّھَارَۃُ السِّرّ (طہارت خود ایک راز ہے) جس طرح طہارتِ ظاہری کی ہر وقت ضرورت ہے اسی طرح طہارتِ باطنی کی بھی ہمیشہ حاجت ہے۔ کیونکہ صرف ظاہری طہارت سے باطن کا تزکیہ نہیں ہوتا۔ تم کو جذباتِ حق میں سے کوئی جذبہ کھینچ کر ایسی جگہ پہنچا دے گا کہ اگر تمام جنات و انسان کے معاملے اور مجاہدے

Marfat.com

صرف تمھیں کو حاصل ہو جائیں جب بھی تم کو وہاں نہیں پہنچا سکتے۔ جیسا کہا گیا ہے جَذْبَةٌ مِّنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِيْ عَمَلَ الثَّقَلَيْنِ۔ (جذباتِ الٰہیہ میں سے ایک جذبہ دو جہان کے اعمال کے برابر ہے) یہ باتیں کہنے میں بہت آسان ہیں مگر کرنے میں نہایت مشکل۔ کیونکہ اس راستے میں چلنا ہاتھ پاؤں سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی روش دل و جان سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دل و جان کسی کے حکم کے طابع نہیں لیکن ہمت والوں اور عاشقانِ صادق کے لیے منھ کا نوالا ہے۔ علم و معرفت اس راہ کے سلوک کا دروازہ ہے۔ جو ادھر سے نہیں جائے گا وہ ایک لق و دق بیابان میں بھٹک کر اور غولِ بیابانی کے ہاتھوں میں پڑ کر جان و ایمان کھو بیٹھے گا۔ جیسا کہا گیا ہے۔ ؎

غولانِ طریقت اند این مدعیان　　　　زنہار کہ تا غول زراہت نہ برد

(یہ جھوٹا دعویٰ کرنے والے غولِ طریقت ہیں۔ دیکھو ہوشیار رہو کہ یہ راستے سے تم کو بہکا نہ دیں) اگر کسی کو اس کے حاصل کرنے کی دُھن لگی ہو تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک ایسا درد ہے جس کی کہیں دوا نہیں۔ اسی میں لپٹا رہے، اور علاج کی فکر نہ کرے۔ کیونکہ اس کا علاج نہیں ہے، ساری زندگی علاج کی تلاش ہی میں برباد ہو جائے گی اور دوا ہاتھ نہ آئے گی۔ کسی عارف نے فرمایا ہے کہ لوگ طالبوں کو جو دیکھتے ہیں کہ درد لیے چھک رہے ہیں اور کہیں علاج کا ٹھکانا نہیں وہ اس لیے ہے کہ یہ علاج کی فکر میں سرگرداں ہیں اور ناکامی کا سبب اُن کی یہی مشغولی ہے۔ وَاللّٰہِ لَنْ یَّتَّصِلَ اِلَی الْکُلِّ اِلَّا مَنِ انْقَطَعَ عَنِ الْکُلِّ۔ (خدا کی قسم، جب تک کُل سے ترکِ تعلق نہ کرے کوئی بھی کُل کو نہیں پا سکتا۔ ایک بزرگ نے جو کہا ہے وہ اسی نکتہ کی تائید کرتا ہے۔ مثنوی

۱۔ آسمان زیرِ دست خواہی خیز　　　　پائے بالا نہ از زمیں بگریز

۲۔ می رود ہیچ گونہ باز مبین　　　　تا نیفتی ز آسمان بزمین

۳۔ مردہ را کہ حال بد باشد　　　　میلِ دل سوئے کالبد باشد

۴۔ وانکہ داند کہ اصل کارش نیست　　　　جانِ او بے جسد تو اند زیست

(اگر تم آسمان کی بلندی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔ پاؤں اوپر اٹھاؤ اور زمین چھوڑ دو۔ ۲۔ اس طرح جاؤ کہ کسی طرح بھی مڑ کر نہ دیکھو، تاکہ آسمان سے زمین پر نہ گر پڑو۔ ۳۔ وہ مردہ جس کی حالت بُری ہوتی ہے اس وجہ سے ہے کہ اُس کے دل کا میلان جسم کی طرف ہوتا ہے۔ اور جس کو یہ معلوم ہے

Marfat.com

کہ اس کا جسم اصل مقصود نہیں ہے اُس کی روح بغیر جسم کے زندہ رہ سکتی ہے)۔ مگر یہ کام عشق کا ہے نہ کسی کے حکم کا۔ عام لوگ فرمان کے بندے ہیں اور ہر ایک دکھ کی دوا چاہتے ہیں لیکن عشاق اور محبانِ صادق عشق و محبت کے بندے ہیں ایسا ہی درد چاہتے ہیں جس کی کوئی دوا نہ ہو۔ محبوب اُن سے کہتا ہے کہ مجھ سے الگ رہو، ورنہ مر جاؤ گے، مٹ جاؤ گے۔ مگر یہ پروا نہیں کرتے اور جواب دیتے ہیں کہ ہم تو روزِ ازل ہی جان ہار چکے ہیں اور اپنے آپ کو فنا کے سپرد کر دیا ہے۔ تیرے بغیر زندگی سے مر جانا اچھا اور نیست و نابود ہو جانا ہی بہتر ہے ع درکوے تو مردہ بہ نہ از روے تو دُور۔ (تیری گلی میں مر مٹنا تیری دوری اور جدائی سے کہیں بہتر ہے)۔ اے بھائی اس راہ میں سر والوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اُن کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر کسی کو یقین نہ آئے اور سمجھ نہ سکے تو ذرا (عشق کے) صحرا و بیابان کی طرف رُخ کرے اور آنکھ سے دیکھ لے کہ لاکھوں سر ذلت و خواری کی گرد میں تڑپ رہے ہیں۔ اور کسی نے ظاہراً اور حقیقۃً اپنے محبوب کا جلوہ نہیں دیکھا۔ تم کو عشق پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ایسے سر کے خیال سے، جو خاک ہو جانے والا ہے الگ ہو جاؤ تاکہ میں تم کو وصل کی عزت کے تخت پر بٹھاؤں۔ اب اے بھائی! تمھیں اختیار ہے۔ رباعی

لو بادۂ گلبنِ جوانی عشق است	سرمایۂ ملکِ جاودانی عشق است
چون خضر گر آبِ زندگانی طلبی	سرچشمۂ آبِ زندگانی عشق است

(عشق، باغِ جوانی کی تازہ شراب ہے اور عشق ہی ہمیشہ رہنے والے ملک کا سرمایہ ہے۔ اگر حضرتِ خضر کی طرح تم کو آبِ حیات کی جستجو ہے تو سمجھ لو کہ عشق ہی آبِ حیات کا سرچشمہ ہے۔ اگرچہ کوئی سر اور کوئی دل اس سودا سے خالی نہیں۔ لیکن اتنی بڑی دولت اور اس قدر عظیم الشان مرتبہ ہر ہوسناک کو نصیب، اور یہ لقمہ ہر خسیس کے منہ کے لائق نہیں ہوتا ہے

گنجے ہست ملکِ وصلِ تو خلقے ہست منتظر	این کار دولت ہست کنوں تا کرا رسد

(تیرے وصال کی دولت ایک بڑا خزانہ ہے۔ لوگ اس کے انتظار میں ہیں۔ اب دیکھیے اتنی بڑی دولت کس خوش نصیب کے حصے میں آتی ہے۔ تم اپنا دل خوش رکھو اور آسرا لگائے بیٹھے رہو، کیونکہ اُس کے لطف و کرم کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید قدس سرہٗ کو لکھا کہ جو شخص غفلت میں رات بھر سویا کرتا ہے وہ منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔

Marfat.com

آپ نے جواب میں فرمایا اگر محبوب کے لطف و کرم کی ہوا کا ایک جھونکا آجائے تو کوئی مشکل نہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ سارے جہان کے لوگوں کی پونجی جانچی گئی اور چھان کر دیکھی گئی لیکن حقیقت کا ذرا بھی پتا نہ چلا۔ سیب کی چادریں پھاڑی گئیں مگر سوئی کے ناکے کے برابر بھی کچھ نہ نکلا۔ اس نے ایسا شک پیدا کر دیا ہے جس سے یقین کا چہرہ چھل جاتا ہے۔ اور ایسی عادت اور طریقے کو جاری کر دیا ہے جو حقیقت کے آئینے کو گرد آلود بنا دیتا ہے۔ ایسا شرک ڈال رکھا ہے جو توحید سے ہمیشہ جھگڑتا رہتا ہے۔ اور ایسا تخم نفاق بو دیا ہے جو اخلاص کو ملیا میٹ کر کے چھوڑتا ہے۔ ایک دوست کے لیے ہزار دشمن اور ایک صدیق کے سامنے ہزار ہزار زندیق پیدا کر دیے ہیں۔ جہاں کہیں مسجد ہے ٹھیک اس کے سامنے ہی کلیسا، اور جس جگہ کوئی عبادت خانہ ہے اس کے مقابل شراب خانہ قائم کر رکھا ہے۔ جہاں عبادت جبہ و قبا ہے وہیں زنار بھی ہے۔ جہاں کوئی اقراری ہے وہیں انکاری بھی موجود ہے۔ پورب سے پچھم تک ہر جگہ نعمتوں سے بھر دی ہے۔ مگر ہر نعمت کے اندر محنت و بلا بھی چھپا رکھی ہے۔ بیچارہ انسان خاکی نژاد دم نہیں مار سکتا۔ قطعہ

این ہمہ می کند دلے از بیم	مرد را زہرہ نے کہ آہ کند
زانکہ رد لیش مثال آئینہ ست	آہ آئینہ را تباہ کند

(مرد سب کچھ برداشت کرتا ہے مگر اس کو مجال نہیں کہ اُف کر سکے۔ کیونکہ محبوب کا چہرہ آئینہ کی طرح شفاف و پاکیزہ ہے۔ آئینے کے سامنے اگر کوئی آہ کرے تو آئینہ دھندلا ہو جاتا ہے، اور اس کی صفائی مدھم ہو جاتی ہے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باسٹھواں مکتوب ۶۲

دوسرے الفاظ میں تجرید و تفرید کا بیان

میرے بھائی شمس الدین تم کو اللہ اپنی عبادت و بزرگی کی برکات سے آراستہ فرمائے اور اس کا فضل و احسان متفاہے شامل حال رہے۔ سلام کا تحفہ اس خط لکھنے والے کی طرف سے قبول کرو۔ معلوم ہو کہ تجرید و تفرید کی منزل طے کرنا مرید کے لیے اس راہ کی شرط ہے۔ خلق اللہ

اور تعلقاتِ دنیاوی سے علیحدہ ہو جانا تجرید اور خود اپنی ذات سے کنارہ کش ہو جانا تفرید ہے
دل میں کسی طرح کا غبار، نہ پیٹھ پر کوئی بوجھ، نہ مخلوق کے ساتھ کسی قسم کا لگاؤ باقی رہے۔ اُس
کی ہمتِ بلند دونوں جہان اور کنگرۂ عرش سے گزر کر اپنی مراد تک پہنچ گئی ہو۔ کونین کی حکومت
کے باوجود بغیر لقائے دوست اُس کو کوئی خوشی ہو نہ سکون۔ اور اگر دوست کے ساتھ ہے، اور
کونین کی کوئی نعمت میسر نہ ہو تو ذرا غم نہیں۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔ لَا وَحْشَةَ مَعَ اللّٰهِ وَلَا
رَاحَةَ مَعَ غَیْرُ اللّٰهِ۔ اگر اللہ کے ساتھ ہے تو کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں اور غیر خدا کے ساتھ
رہنے میں کوئی راحت و آرام نہیں۔ جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ جو کوئی خدا سے حجاب میں ہے سخت رنج
و بلا میں گھرا ہوا ہے، اگرچہ روئے زمین کے خزانے کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہوں۔ اور پھٹی پرانی
گدڑی پہننے والا قلاش اور فاقہ کش فقیر، اگر خدا کی حضوری اُسے حاصل ہے تو یہ بادشاہ دو جہان ہے
اسی لیے کہا گیا ہے۔

ہر کرا یک خرقہ و نانے بود   در دو کونش ملک سلطانے بود

(جو شخص ایک گدڑی اور ایک روٹی میں مگن ہے وہ دونوں جہان کی سلطنت کا مالک بادشاہ ہے)۔
حضرت خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ مَھْمَا عَذَّبْتَنِیْ فَلَا تُعَذِّبْنِیْ بِذُلِّ
الْحِجَابِ (اے اللہ اگر تو مجھے عذاب دینا چاہے تو ہر طرح کا عذاب کر لیکن اپنے حجاب کی ذلت کا
عذاب نہ فرما)۔ اے بھائی دوزخ کی حقیقت یہی ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں جہاں کفار کے عذاب
کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ فرمایا ہے کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (یہ لوگ آج
اپنے پروردگار سے حجاب میں ڈال دیے گئے ہیں۔ اس حجاب کے عذاب کے بارے میں ایک نکتہ
ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اگر کل وصال کی محفل دوزخ میں آراستہ کی جائے تو یہ طالبان و مریدان
دوزخ کے دہکتے انگارے کا آنکھوں میں سرمہ لگائیں۔ اور اگر دم بھر کے لیے جنت الفردوس
میں کہیں بُلائے جائیں اور حجاب میں مبتلا کیے جائیں تو اتنا چیخیں چلائیں کہ دوزخی لوگ بھی اُن
پر ترس کھانے لگیں۔ اسی مطلب کا راز ہے جو کہا گیا ہے۔

با تو دل مسجد ست بے تو کنشت   بے تو دل دوزخ ست و با تو بہشت

(اگر تو ساتھ ہے تو دل مسجد، اور اگر تو نہیں تو بتخانہ ہے۔ اگر تو ہے تو دل بہشت ہے اور نہیں تو دوزخ

Marfat.com

یہ طلب ہے کہ جب مرید پر حق کی عظمت و بزرگی ظاہر ہو گئی اور درد طلب نے اس کا دامن تھام لیا اور وہ سمجھ چکا کہ مَنْ لَّہُ الْمَوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ وَ مَنْ فَاتَہُ الْمَوْلٰی فَاتَہُ الْکُلُّ جو مولیٰ کا ہو گیا ساری چیزیں اُس کی ہو گئیں، اور جس نے مولیٰ کو کھو دیا اُس نے سب کچھ کھو دیا۔ اس لیے کہ اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں اُن سے بے پروائی کی جا سکتی ہے۔ مگر کسی حال میں بغیر اس ذات کے چارہ نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اَنَا بُدُّكَ اللَّازِمُ (ہم تیرے لیے ضروری ہیں۔ سب سے چارہ ہو سکتا ہے لیکن ہمارے بغیر چارہ ممکن نہیں۔ یقیناً صفحۂ دل سے سارے دعوے مٹ جائیں گے اور مِنِّی (مجھ سے) وَلِیْ (اور میرے لیے) کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت حیات و موت، ردّ و قبول اور ہجو و تعریف اس کی نگاہ میں ایک ہو جائے گی بہشت و دوزخ اور دنیا و عقبیٰ کا خیال اس کے دل میں نہ آئے گا۔ کپڑے روٹی کے لیے لوگوں کے در پر بھیک مانگنے نہ جائے گا۔ وہ غوطہ خور، جس کی ہمت بلند ہے اپنی جاں بازی کے صلے میں سمندر کی تہ سے گوہر شب چراغ نکال لاتا ہے۔ یہ کسی غریب بڑھیا کی جھونپڑی کے ٹمٹماتے دیے پر کیوں آنکھ اُٹھائے گا۔ اس کی منزلِ مقصود درگاہِ خداوندی ہے ماسوی اللہ کی طرف اُس کے قدم نہیں اُٹھ سکتے۔ اُس نے کرامت و جاہ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالی ہیں اور دل سے ننگ و نام و سلامتی کے نقوش دھو دیے ہیں۔ اُن کی روش یہ ہے کہ لَوْ زَاحَمَنِی الْعَرْشُ لَمَحَقْتُہٗ (اگر عرش بھی میری ہمت کے سامنے آجائے تو میں اس کو نیچا دکھا دوں) اور وَلَوْ قَبِلَنِی الْکَوْنُ لَہَدَمْتُہٗ (اور اگر دنیا و آخرت اپنا جلوہ دکھائیں تو میں اُنھیں ڈھا دوں)۔ اس کے آرام و راحت کی یہی صورت ہے کہ ہر وقت اپنی طلب کے طور پر حضرت موسیٰ کی طرح اَرِنِیْ کی رٹ لگائے اور محبوب کی غیرت و شرم سے لَنْ تَرَانِیْ کا جواب سنا کرے۔ سبحان اللہ اس آب و خاک کا کیا ہی اچھا سودا اور کاروبار ہے رباعی

مارا بجز این جہان جہانے دگر ست ــــــ جز دوزخ و فردوس مکانے دگر ست

قلاشی و رندی ست سرمایۂ عشق ــــــ قرائی و زاہدی دکانے دگر ست

(ہمارے لیے اس عالم کے سوا ایک دوسرا ہی جہان ہے۔ دوزخ و بہشت کے علاوہ ایک دوسرا ہی مکان ہے۔ بے نوائی اور آزادی عشق کی پونجی ہے۔ اظہارِ بندگی اور زاہدی ایک دوسری دکان ہے)۔

Marfat.com

جب طالبِ صادق کو تجرید و تفرید کی دولت حاصل ہو چکی تو دنیا میں اس کی اس طرح آؤ بھگت ہوتی ہے
کہ یَا دَاؤُدُ اِذَا رَأَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَہٗ خَادِمًا (اے داؤدؑ جب تو میرے طالب کو دیکھے تو اس کا
خادم بن جا۔ حضرت داؤد پیغمبر جیسی ہستی کو اس کی خدمت کا حکم دیا جاتا ہے۔ پھر دوسرے لوگوں کا
کیا ذکر۔ یہ مقام و مرتبہ آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے دفعتہً کہاں، مگر جس کو خدا
چاہے۔ ہم نہیں دیکھتے کہ جو شخص قرآن شریف حفظ کرنا اور قاری بننا چاہتا ہے تو وہ الف' با' 'تا'
پہلے شروع کرتا ہے تاکہ تدریجًا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک پہنچ جائے اور ایک مدت
گذارنے کے بعد وہ حافظ اور قاری کہلانے کا مستحق ہو۔ طریقۂ خداوندی اسی طرح جاری ہے پھر
کیا کرنا ہے۔ یہی راز ہے جو کسی نے کہا ہے ؎

تو فرشتہ شوی گر جہد کنی از پے آنکہ برگ توت ہست گشتہ بتدریج اطلس

(اگر تو کوشش کرے تو فرشتہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ یہ شہتوت کا پتا ہی تو ہے جو ریشم کے کیڑے
کی غذا ہو کر بتدریج اطلس بن گیا ہے)۔ اپنی بے نوائی، افلاس، بدبختی اور آلودگی سے شکستہ دل
اور ناامید نہ ہونا چاہیے۔ اس کی قدرت اور فضل پر نگاہ رہے۔ اگر وہ چاہے اور ہزاروں
کلیساؤں اور بتخانوں کو آن کی آن میں کعبہ اور بیت المقدس بنا دے اور کتنے بدکار و گنہگار کو
حبیبُ اللہ اور خلیل اللہ کا خطاب عنایت فرمائے۔ لاکھوں کفار کو مومن اور ہزاروں مشرکین اور
بت پرستوں کو مسلمان اور شرابیوں کو مناجاتی بنا دے۔ اور لطف یہ کہ اُس کے لیے کسی سبب اور
علت کی حاجت نہیں۔ اور نہ کچھ توقف اور دیر ہے اور نہ کسی کو چون وچرا کی مجال کہ ایسا کیوں اور
کس لیے کیا گیا۔ ؎

ہست سلطانی مسلّم مراُو را نیست کس را زہرۂ چون و چرا

(بادشاہی اُسی کے لیے ثابت ہے کسی دوسرے کو مجال چون وچرا نہیں۔ ؎

بسا پیرِ مناجاتی کہ از مرکب فرو ماند بسا رندِ خراباتی کہ زین بر شیر نر بندد

(بہتیرے مناجات کرنے والے پیر گھوڑے سے گر کر راستے میں پڑے رہ جاتے ہیں اور بہتیرے
رندانِ سیہ مست شیرِ نر پر سواری کر کے اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں)۔ جو خطوط پہلے لکھے گئے،
اُن کو غور و فکر کے ساتھ بار بار دیکھو، انشاء اللہ تمہارے دل پر ان کے معنی و مطلب محقق اور

Marfat.com

منقش ہو جائیں گے اور اس کی تاثیر اور ثمرہ اعضا سے ظاہر ہونے لگے گا۔ اور خدا کے فضل و کرم اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور آلِ اطہار کی برکات سے دل چمک اٹھے گا۔ اے بھائی! ہم لوگ اپنی اپنی بلا میں گھرے ہوئے ہیں، بلکہ سارا عالم بلاؤں میں گرفتار ہے۔ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ہم تم کو اس لیے بھیجتے ہیں کہ بلا میں مبتلا کریں اور تمھارے ساتھ خلق کو بھی بلا میں جھونک دیں۔ تلوار سنبھالو اور مردانہ قدم اٹھاؤ اور جہاد کرو۔ کبھی جنگِ بدر کے دن اور کبھی جنگِ اُحد کے موقع پر ہزاروں خلعت، اور کبھی اونٹ کی اوجھڑی پیٹھ پر لادی جاتی ہے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کہتے ہو کہ ہم کو خوشبو پسند ہے اور اس کے مقابلے میں اونٹ کی لید اور کہتے ہو کہ ہم عورتوں کو دوست رکھتے ہیں، اس کے مقابلے میں افکِ عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے آتا ہے۔ یہاں عقلیں مجبور اور دل حیران و پریشان ہیں کہ آیندہ اس مشتِ خاک کے ساتھ اس کا جلال و جمال کیا کیا گل کھلاتا ہے۔ ؎

اے گشتہ اسیر در بلایت	آن کس کہ زند دمِ ولایت
جز جان و دل و جگر نہ بینم	در گردشِ چرخِ آسیایت
عشاقِ جہان شدند والہ	در عالمِ عزت و کبریایت

(ساری مخلوق تیری بلا میں گھری ہوئی ہے۔ اب کون ایسا ہے جو ولایت کا دم مار سکتا ہے۔ میں تیرے آسمان کی چکی کی گردش میں جان و دل و جگر کے سوا کوئی چیز پستے نہیں دیکھتا۔ تیری عزت و کبریائی کے عالم میں دنیا بھر کے عشاق حیران و درماندہ ہیں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترسٹھواں مکتوب ۶۳

دین کی راہ پاک صاف رکھنے کے بیان میں

بھائی شمس الدین جانو کہ دین کا راستہ اپنی برائیوں سے پاک صاف رکھو اور انسانیت کے خس و خاشاک کو اکھاڑ پھینکو، اور اس راہ سے اپنی وحشت دور کرو۔ بشریت کی آفتیں باہر نکال دو۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس نے مراد کی راہ میں قدم رکھا مگر اس کا نفس اس کے نزدیک حجت

زیادہ عزیز ہے تو وہ مومن ہی نہیں، ولی اور محب کا مرتبہ تو بہت دُور ہے۔ یہیں سے کہا گیا ہے۔ قطعہ

نفس بے فرمانِ من مارا برسوائی کشید دوست می پنداشتم این نفسِ دشمن دار را
دوستی با جاہ و منزل کردہ ام تا این زماں شکل پروانہ کہ او ہم نور داند نار را

(میرے نافرمان نفس نے مجھے رسوا کر دیا۔ میں اس نفسِ دشمن کو ہمیشہ دوست سمجھتا رہا۔ اب تک میں بلند مرتبے اور مکان کو اس طرح اپنا محبوب سمجھتا رہا ہوں جس طرح پروانہ آگ کے شعلہ کو نور سمجھتا ہے) بزرگوں کا قول ہے کہ اگر پل بھر بھی نفسِ سرکش کو موقع دیا جائے تو یہ ہزاروں زنّار لا کر گلے میں ڈال دے گا۔ اور لاکھوں بت سامنے لا کر رکھ دیگا کبھی اس شریر کو مصلح نہ سمجھو۔ اگر ایک لاکھ سال تک اس کو زیر کرتے رہو گے اور ایک دفعہ بھی اس کی خواہش پوری کر دو گے تو سارا کیا دھرا برباد ہو جائے گا۔ ؎

غمزۂ توبہ فریبد زاہد صد سالہ را موے پیشانی گرفتہ پیش خمار آورد

(توبہ کا ناز و غرور سو سالہ زاہد کو بھی دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ سر کے بال پکڑ کر شراب خانے میں کھینچ لاتا ہے)۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر نظر رکھتا ہے وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ شیطان پر جو اتنی بلائیں نازل ہوئیں محض نفس پر نظر رکھنے سے ہوئیں۔ جن لوگوں نے خدائی کا دعویٰ کیا وہ بھی نفس ہی کو دیکھنے کی وجہ سے کیا۔ پکار پکار کر کہا گیا ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جب تک بلائے نفس سے چھٹکارا نہ ہو ہرگز اس راہ میں قدم نہ رکھو۔ اے بھائی! اچھی طرح سمجھ لو کہ دین کے راستے کو نفس کی آفتوں سے بچائے رکھنا بہت بڑا فرض ہے۔ اور بجز توبہ کرنے کے یہ آفتیں دُور نہیں ہو سکتیں۔ اور توبہ کی دولت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ظاہر ہوئی۔ توبہ کا دروازہ کھل جانے سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلعت عنایت ہوئی۔ بزرگانِ طریقت نے فرمایا ہے کہ اگر بنی آدم پر دولت و سعادت کے ہزاروں خزانے نچھاور کر دیے جاتے تو اتنی عظمت و مرتبت حاصل نہ ہوتی جتنی کہ حضرتِ آدم پر عنایت نازل ہونے سے ہوئی وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) اگر کارخانۂ تقدیر میں ان کی نافرمانی نہ لکھی گئی ہوتی تو آپ کی اولاد پر توبہ کا دروازہ ہرگز نہ کھلا ہوتا۔ قدرت میں یہی پوشیدہ تھا۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے دربار کی

Marfat.com

غیرت کا یہی تقاضا تھا۔ یعنی جس گوہر بے بہا کو اتنی شان و شوکت سے بنایا گیا کہ خلقت بیدی (میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا) اُس کے لیے کم سے کم یہی خلعت زیبا تھی۔ وَ عَصٰی اٰدَمُ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ؎

چرخ نہ بر بے درمان می زند قافلۂ محتشمان می زند

کس نہ بدین باغ تو بودی و من نو برِ این باغ تو بودی و من

(آسمان مفلسوں اور فقیروں کا نہیں بلکہ مال و دولت والوں کا قافلہ لوٹتا ہے۔ اس باغ کائنات میں سوائے میرے اور تمھارے کوئی اور نہ تھا۔ اس باغ کی تازہ بہار تو ہی تھا اور میں) جنت الفردوس کی جس قدر نعمتیں اور نوازشیں تھیں ایک ایک کرکے حضرت آدم علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئیں۔ کیونکہ صانعِ باکمال کے یدِ قدرت کا بنایا ہوا کوئی نمونہ ایسی صفات و شان کا نہ تھا۔ ان کی آنکھوں سے ایسی اعجوبۂ روزگار ہستی گزری ہی نہ تھی۔ ہر ایک کو ان سے عشق ہوگیا۔ چونکہ حضرت آدم کی ہمت بہت بلند تھی ان باتوں سے آپ کا دل کبیدہ ہوگیا اور ٹھان لیا کہ یہاں سے ایسے گھر چل کھڑے ہوں جہاں حکم بجالائے اور فرمان کی سختیاں برداشت کرتے رہیں۔ کیونکہ بہشت ناز و نعمت کی جگہ ہے۔ یہاں حکم کا بوجھ اُٹھانے کی گنجائش نہ تھی۔ آپ نے التجا کی کہ خداوندا میرے لیے کوئی بہانہ چاہیے تاکہ حوران جنت کے پھندوں سے رہائی حاصل ہو۔ اب گیہوں کے درخت کا بہانہ کھڑا کیا گیا۔ تمام غوغا مچ گیا وَ عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ (اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارے ڈر کے سب نے آنکھیں پھیر لیں۔ سارا عشق رفت و گذشت ہوگیا۔ ذرا ہوش سنبھالے رہنا تاکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو تم عاصی نہ کہو ورنہ قیامت کے دن تمھاری زبان گدّی سے باہر کھینچ لی جائے گی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن شریف میں تو وَ عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ کہا گیا ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ ہاں ہاں قرآن تو حق ہی کے لیے یہ زیبا ہے کہ حضرت آدمؑ کا سر کاٹ لے یا پاک دامنی کا تاج پہنائے۔ ہمارے تمھارے منھ کے لائق نہیں۔ ہم جیسوں کو یہ زیب نہیں دیتا۔ شاہنشاہ وقت کو اختیار ہے کہ اپنے مدار المہام وزیر کو ایسا ویسا کچھ کہے۔ اگر کہیں وہی باتیں میرے اور تمھارے منھ سے نکل جائیں تو یقینی گردن ماری جائے۔ اے بھائی! حضرت آدمؑ کی راہ بڑی ہی سنگلاخ اور دشوار گذار ہے۔

Marfat.com

ان کا ذکر نہ کرو۔ آدمؑ کے دل کو دین کے غم نے گھیر لیا۔ سلامتی کا گھر ملامت خانے سے بدل لیا ایک آواز سنی، کیا شیطان سے جھگڑنا چاہتے ہو؟ اس برگزیدگی کو تہ کر دینا پڑے گا۔ نیک نامی پر گناہوں کے دھبے لگیں گے اور خلافت کے تاج سلطانی کے عوض جوتیاں چٹخارنی پڑیں گی آپ نے فرمایا میں اس کے لیے تیار ہوں۔ ان باتوں سے میرا دل چھوٹا نہ کیجیے۔ پھر کیا تھا بہشت سے نکل کھڑے ہوئے۔ وہاں کی ساری نعمتوں پر لات مار دی اور فرمایا ؎

اگر دہند مرا بے تو رائگان چہ کنم
بہشت و کوثر و حور و جہانیان و جہان

(اگر باغِ بہشت و کوثر اور حور و قصور مجھ کو مفت دیں تو بغیر تیرے سب بے کار ہیں انھیں لے کر میں کیا کروں)۔ ایک تم اور ہم ہیں کہ ہمیشہ اپنے آپ کو دیکھا کرتے ہیں اور اپنی ہی خدمت کیا کرتے ہیں اور اپنی بڑائی کی ڈینگ مارتے ہیں۔ اس پر اس بات کی ہوس کہ حضرت آدمؑ کا ترکہ پائیں۔ تم نہیں جانتے کہ مجہول النسب کو میراث نہیں ملتی۔ مدتیں گذریں کہ ہم لوگوں کی ہستیاں مٹا دی گئیں اور برباد ہو چکیں۔ محرومی اور ناکامی ہم بدبختوں کے سر تھوپی جا چکی۔ اب ہاتھ اُٹھا کر سوزِ دل کے ساتھ دعا کرو کہ ؎ قطعہ

ہر کسے در کعبۂ وصلت رسید
من بماندم درمیانِ واپسان

چون کسان گر لائقِ رحمت نہ ایم
لعنتے بفرست بر ما ناکسان

(ہر ایک تیرے حریم وصال تک پہنچ گیا۔ مگر میں بدبخت راہ کے درماندوں کے درمیان پڑا ہوا ہوں۔ اگر ہم لائق لوگوں کی طرح رحمت کے قابل نہیں ہیں تو نالائقوں کی طرح ہم پر اپنی لعنت ہی بھیج دے) کیونکہ تیری لعنت بھی دوسروں کی رحمت و نعمت سے کم نہیں۔ جس نے توبہ کا دریا دیکھا تک نہ ہو اُس کو حضرت آدم کی میراث میسر نہیں ہو سکتی۔ تمھارے دل میں شاید یہ خیال پیدا ہو کہ توبہ تو اس وقت کی جائے جب کوئی گناہ سرزد ہو۔ تو اے بھائی ہمارا وجود سر سے پاؤں تک گناہ ہی گناہ ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا ؎

اِذَا قُلْتُ مَا اَذْنَبْتُ قَالَتْ مُجِیْبَۃً
وُجُوْدُکَ ذَنْبٌ لَا یُقَاسُ بِہٖ ذَنْبٌ

(جب میں نے پوچھا کہ میں نے کیا گناہ کیا؟ تو اُس کی محبت نے جواب دیا کہ میرے وجود کے سامنے تیرا وجود ہی ایک گناہ ہے اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہوگا)۔ جو لوگ کہ معصومینِ بارگاہ کبریا

ان کے حق میں فرمایا گیا۔ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ (اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو معافی دیدی ہے) آخر موسیٰ علیہ السلام نے کون سا گناہ کیا تھا جو آپ نے کہا تُبْتُ اِلَيْكَ (میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ (میں روزانہ سو مرتبہ خدا سے استغفار کرتا ہوں)۔ اے بھائی! تم کو ہر برائی اور بدکاری سے توبہ کرنا چاہیے۔ صدیقوں کو اپنے صدق سے توبہ کرنا ضروری ہے جس طرح ہم جیسے بدعہدوں اور جھوٹوں کو ظلم وجفا سے توبہ کرنا واجب ہے۔ ٹھیک اسی طرح وفاداروں اور مخلصوں کو بھی اخلاص و وفا سے توبہ کرنا لازم ہے! اور جس طرح ہم جیسے نفس و خواہشات کے بندوں کو ہوا وہوس سے توبہ کرنا ضروری ہے اسی طرح ہر اہل دل کو اپنے مراقبے کی حالتوں سے توبہ کرنا لازمی ہے۔ عارفوں نے کہا ہے جس طرح گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے اسی طرح طاعت و بندگی بجالا کر اس سے بھی توبہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی کہے کہ معصیتوں کو چھوڑنا اور درگزر کرنا چاہیے تو بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا بھر کی طاعت وصدق واخلاص بجا لائے۔ اور جب بجالا چکے تو اس کی بادِ بے نیازی کے جھونکوں میں اُڑا کر رکھ دے۔ یہی راز ہے جو کہا ہے ؎

تو می خواہی بہ تسبیح و نمازے | کہ تا خوشنود گردد بے نیازے
نمازت توشۂ راہ درازست | ولے او از نمازت بے نیازست

(تو چاہتا ہے اپنی تسبیح اور نماز سے اس بے نیاز کو خوش کر دے۔ نماز تیرے لمبے سفر کیلئے زادِ راہ ضرور ہے لیکن اس بے نیاز کو تیری نماز کی پرواہ نہیں)۔ اگر کل ساری دولت و سلطنت ایک فقیر کو بخش دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس امت کے فقرا کو لاکر عرش پر بٹھادیں اور کہیں يَا اَبْنَاءَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ بِمَ عَرَفْتُمْ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (اے آب و گل سے بنے ہوئے انسانو تو نے پروردگار عالم کو کیونکر پہچانا) جواب دیں گے، خداوندا چونکہ زمین و آسمان کا تو ہی مالک و مختار ہے حکم ہوگا جو کچھ آسمان و زمین میں ہے، ہم نے سب تجھے بخش دیا۔ یہ کہیں گے بارِ خدایا چونکہ عرشِ اعظم بھی تیری ملکیت ہے۔ فرمان ہوگا ہم نے امتیانِ محمدؐ کو تختِ عرش پر بٹھادیا تاکہ سمجھ لیں کہ ہماری کوئی چھوٹی سی سلطنت نہیں ہے جو تمہارے وہم و خیال میں سما سکے۔ یہ سن کر فوراً ہی سب کے سب اپنی معرفت و توحید سے توبہ کرنے لگیں گے ؎

چہ شناسد کمالِ دہقان را   دانہ در چاہ و کرم در گندم

(کسان کی گرہستی کے کمال کو کون جانتا ہے کہ دانہ گڑھے میں اور گھن گیہوں میں لگتا ہے) پھر بھی اس کی کھیتی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر توبہ کا دروازہ بند ہو گا تو یہ لوگ اپنی مختصر توحید و معرفت کی خجالت میں گڑ جائیں گے۔ اور جس طرح دوزخی طوق و زنجیر کے بوجھ سے پسے جاتے ہیں یہ بھی اپنی معرفت و توحید کی شرم سے دب کر رہ جائیں گے۔ اس لیے کہا گیا ہے ؎

گر زاہدان بہ قبلۂ ابروت بنگرند   اے بس نمازہا کہ زحیرت قضا کنند

(اگر زہاد تیرے کعبۂ ابرو پر نگاہ ڈالیں تو ایسی حیرت میں پڑ جائیں کہ تمام نمازیں قضا کر دیں)۔ اگر قیامت کے دن پوچھا جائے کہ تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا حق کس طرح بجالائے تو کہیں گے کہ نہیں ہمیں تو دین کا بندہ بنا کر پیدا کیا گیا تھا۔ برابر دین ہی کی فکر میں لگے رہے۔ ہمارے پروردگار سے پوچھو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے رمز کچھ وہی جانتا ہے۔ اسی کے کرم کے اوصاف ہمارے دلوں کو ڈھارس دیتے ہیں کہ لَا یَعْرِفُہٗ غَیْرُہٗ (اس کے سوا اس کو کوئی نہیں پہچان سکتا)۔ اے بھائی! یہ ایسی گتھی نہیں جسے عقل سلجھا سکے۔ یہاں تک وہم و خرد کی رسائی نہیں۔ یہی تو راز ہے جو کہا گیا ہے ؎

وہم تہی پائے بسے در نوشت   ہم ز درش دست تہی باز گشت

(عقل جوتے اتار کر بہت کچھ دوڑی مگر کوئی نتیجہ نہ نکل سکا اور خالی ہاتھ لوٹنا پڑا)۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اگر روئے زمین کے پیغامبر و صدیق اور آسمان کے ملائکۂ معصومین و مقربین ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک اُس کی توحید زبان سے رٹتے رہیں، بالآخر تھک کر یہی کہیں گے کہ نَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ (ہم نے جو کچھ کہا ہے اس سے توبہ کرتے ہیں) اے بھائی! اگر کل معصومین و مخلصین کی پاک دامنی سے تمھارا خمیر گوندھیں تو ہوشیار رہو اور ان پر نہ پھولو۔ اور اگر قہر کی تلوار حسرت و ناکامی کے زہر آب میں بجھا کر تمھارے سر پر ماریں تو شکستہ دل نہ ہو۔ ایک دل جلے نے کہا ہے رباعی

حاشا کہ دلم از تو جدا خواہد شد   یا با کسے دیگر آشنا خواہد شد
از مہر تو بگسلد کرا دارد دوست   وز کوے تو بگذرد کجا خواہد شد

حاشا و کلا کہ میرا دل تجھ سے جدا ہو جائے گا یا کسی دوسرے کو دوست بنائے گا۔ اگر وہ تیری

محبت نہ کرے تو پھر کون ہے جس کو دوست بنائے اور اگر تیری گلی چھوڑ دے تو پھر کہاں جائے؟

اگر از تو بر کنم دل بہ کجا برم نگارا
زدرِ تو باز گردم کہ کند قبول مارا؟

(اے محبوب اگر میں اپنا دل تجھ سے پھیر لوں تو کہاں لے جاؤں کہ کوئی دوسرا محبوب نہیں ہے۔ اور اگر تیرے دروازے سے لوٹ جاؤں تو پھر کون مجھے قبول کرے گا؟)۔ دنیا میں جس نے اپنے آپ کو توبہ کی آگ میں نہ جھونک دیا یقینی اُسے آتش دوزخ میں جھلسنا پڑے گا۔ تم کو جو بھی اپنا عیب و ہنر معلوم ہے اُسے آج ہی توبہ کی آگ میں جلا کر خاک کر دو تا کہ یہ فتویٰ تمھاری پشت پناہی کرے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ (جس نے گناہوں سے توبہ کر لی وہ ایسا ہو گیا جیسے اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں) پھر سوزِ دل سے یہ کہو ؎

الٰہی رحم کن کالودگانیم
بخونِ دل جگر پالودگانیم
رواجے نہ تو اندر سکۂ ما
کہ مشتے سرب و سیم اندودگانیم
یکے بر روزگارِ ما بہ بخشائے
کہ ما بر خویش ناخوشنودگانیم

(اے خداوند کریم ہم گناہوں میں آلودہ ہیں اور اپنے دل و جگر کے خون میں لتھڑے ہوئے ہیں تو ہمارے کھوٹے ہی سکے کو چلا دے کہ ہم اپنی چاندی میں سیسہ ملائے بیٹھے ہیں۔ ہمارے حال پر بخشش کی ایک نظر ڈال کہ ہم خود اپنے آپ سے رنجیدہ اور شرمندہ ہو رہے ہیں)۔ دین کی راہ میں جتنے کانٹے بھی آج ملیں سب چن چن کر پھینک دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو یہی کانٹے کل تیر بن کر کلیجے میں چبھیں گے۔ تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہم کلامی کی بدولت اس مقام پر پہنچ گئے کہ فرمایا گیا کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (موسیٰ نے خدا سے باتیں کیں) تو چوبیس ہزار چودہ کلمے بغیر کسی واسطے کے آپ کو سنائے گئے۔ آپ مارے شوق کے سر سے پاؤں تک کان ہی کان بن گئے۔ اور جیسے کان سے سنا جاتا ہے سارے جسم سے آپ سننے لگے۔ اور جس جس کلمے کو سنتے آپے سے باہر ہو جاتے اور جب ہوش سنبھالتے دل پر اس کا زخم لگایا جاتا وَقَتَلْتَ نَفْسًا، قِبْطِیًّا بِلَا وَحْیٍ (اے موسیٰ بغیر ہماری وحی کے تو نے ایک قبطی کو مار ڈالا)۔ اگر دوزخ کے ساتوں طبقوں کا عذاب اس وقت حضرت موسیٰ پر ڈال دیا جاتا تو اتنا شدید نہ ہوتا، جتنا کہ یہ طنز و طعنہ۔ اس نوازش و اکرام اور خلعت شاہانہ کے وقت اُس

Marfat.com

واقعہ کی یاد آپ کی راہ میں کانٹے سے کم نہ تھی۔ اور وہ کانٹا آنکھوں میں چبھنے لگتا۔ تم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی سنا ہوگا۔ تلوار کھینچ کر آرہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ جب تک میرے دم میں دم ہے کسی کی مجال نہیں کہ لات وعزیٰ کو برا بھلا کہہ سکے۔ قسم ہے لات وعزیٰ کی میں ابھی جاکر محمدؐ کا سر کاٹ لاتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ تیغ کشی اپنا کام کرکے رہی یعنی آپ جب مہتری کے عالم میں میدانِ ولایت میں جولانی فرماتے تھے تو آپ کے کانوں میں یہ آواز گونجتی تھی کہ ارے تم تو وہی عمر ہو کہ تلوار لے کر رسول اللہؐ کا سرِ مبارک کاٹنے آئے تھے تاکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی مملکت برباد ہوجائے تو آپ اس قدر منفعل اور خجل ہوتے تھے کہ زمین پھٹ جائے اور اس میں سما جائیں۔ اور جب جب یہ بات دُہرائی جاتی تو آپ کو کچھ نہ سوجھتا اضطراب میں کمرے سے باہر نکل آتے، زمین پر ماتھا رگڑتے، منہ پر خاک ملتے اور کہا کرتے تھے، یا خدا عمر کو اُٹھا لے تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے ہی ظلم وستم کو نہ دیکھے۔ اب ہم تم سر پہ خاک اُڑایا کریں کہ ساری عمر بت پرستی میں گزار دی۔ اور ہمارے روزے اور نماز پر لعنت ہے کہ خدا کے دربار میں کیا مقبول ہوگی جب کہ کسی کتے کے آگے رکھ دیں تو وہ بھی سونگھ کر چھوڑ دے (رباعی)

اے فسق وفساد کارِ ہر روزۂ ما | دے پُر زِ حرام کاسہ وکوزۂ ما
می خندند در روزگار وحی گرید عمر | بر طاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

(برائی اور بدکاری ہمارا روز کا مشغلہ ہے۔ اور ہمارا پیالہ اور کوزہ حرام کی کمائی سے بھرا ہے ہماری بندگی، نماز اور روزے پر زمانہ ہنس رہا ہے لیکن ہماری زندگی رو رہی ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھٹواں مکتوب

تقوے کے بیان میں

بھائی شمس الدین تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نیک بختی جاودانی اور دولت دو جہانی کا دروازہ تقوے ہے۔ جتنی منزلیں عالم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ میں آراستہ کی گئی ہیں اور جتنے درجے جنت الفردوس میں بنائے گئے ہیں سب کے سب متقیوں کے لیے مہیا کیے گئے ہیں اور اُنھیں

Marfat.com

ناموں سے وہ نامزد ہیں۔ سنو! متقی وہی شخص کہا جائے گا جو اپنی قید و بلا سے نکل کر آزاد ہو چکا ہو۔ کیونکہ وہ آدمی جو اپنی ہستی کے پھندوں اور نفس کی خواہشات سے بالکل کنارہ کش نہ ہو گیا ہو وہ دوزخ کی یادگار رہے۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو یہاں سے نہ گزرے) ساری مخلوق دوزخ میں ٹھونس دی جائے گی تاکہ سرکشوں اور نافرمانوں سے وہ اپنی قسمت کا حصہ لے لے۔ اس کے بعد وہاں سے متقیوں کو نکال لیا جائے گا اور خود پرست اور نفس کے پجاری اوندھے منہ قعرِ دوزخ میں ڈھکیل دیے جائیں گے ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (پھر وہ باہر لائے جائیں گے جو متقی ہیں) اس آیت کا یہی فتویٰ ہے۔ اے بھائی! یہ حضرات متقی دوزخ کے ساتوں طبقات سے اس آسانی سے گزر جائیں گے جس طرح پانی میں مچھلی تیرا کرتی ہے۔ ان کی ہیبت و شکوہ سے دوزخ خود لرزہ براندام ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ہمت کے بادشاہ ہیں۔ انھیں لوگوں کا طغرائے امتیاز ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے)۔ جس طرح دوزخ میں ان کی گنجائش نہیں اسی طرح بہشت میں بھی یہ نہیں سما سکتے۔ اگر تم کہو کہ پھر آخر ان کا کون سا مقام ہے۔ تو وہ فضا جس کا نام فضائے ربوبیت ہے یہیں متقیوں کا ٹھکانا ہو گا۔ جیسا کہا گیا ہے۔ قطعہ

ما چو فردا شہیم در ہمہ مصر | چہ غم امروز گر بزندانیم
تو چہ دانی کہ ما چہ مرغانیم | ہر نفس زیر لب چہ می خوانیم
گر بصورت گدائے این کوئیم | تو بہ معنی نگر کہ سلطانیم
گرچہ خود مفلسیم در ظاہر | تو بہ باطن نگر کہ ما کانیم

(جبکہ ہم کل ہی مصر کے تخت پر بادشاہ بن کر بیٹھنے والے ہیں تو اس کی کیا پروا کہ آج قید خانہ میں ہیں۔ تم نہیں جان سکتے کہ ہم کس باغ کی چڑیاں ہیں اور کیا راگ الاپ رہے ہیں۔ گو بظاہر مفلس و قلاش ہیں مگر حقیقۃً بادشاہ ہیں۔ اگرچہ صورۃً کوڑی کوڑی کے لیے محتاج ہیں۔ مگر باطن میں ہم جواہرات کی کان ہیں)۔ کیا تم نے قرآن شریف میں یہ آیت نہیں پڑھی۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (متقی لوگ شاہی وفد کی صورت میں خدا کے سامنے پیش کیے جائیں گے)۔ تم یہ سمجھو کہ بہشت کے سوا اُن کی اور کوئی جگہ نہیں۔ اور تم نے سنا نہیں

Marfat.com

کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب و احباب کو کون سا شربت پلا دیا ہے۔

حَاکِیًا عَنِ اللّٰہِ تعالیٰ۔ عَدَدتُ بِعِبَادِی الصَّالِحِیْنَ مَالاَ عَیْنٌ رَأَتْ وَلاَ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلاَخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ یہ حدیث قدسی بلا واسطہ جبریل علیہ السلام کے خداوند تعالیٰ سے سنی (ہم نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں مقرر کی ہیں جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا)۔ یہ اس کی نمائش ہے کہ ہم بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی مصیبتیں اٹھالیں تو ہماری خدائی میں ذرہ برابر کمی نہ آئے گی اور نہ احکامِ اُلوہیت میں کسی طرح کا نقصان آئے گا۔

زہے ساحت کہ گر عالم نہ بودے سر موے از انجا کم نہ بودے

نہ ہرگز کبریائیش را بدایت نہ ملکش را سر انجام و نہایت

(اس کی کبریائی کا ملک اتنا وسیع ہے کہ اگر یہ دنیا نہ بھی ہوتی تو بال برابر بھی اس کے ملک میں کمی نہ آتی اُس کی کبریائی کی کوئی ابتدا اور اس کے ملک کی کوئی انتہا نہیں)۔ اس بودی عقل سے قرآن پاک کے کنہیات کا سمجھنا ناممکن ہے۔ ہاں، قرآن پاک کی اعانت سے کچھ تھوڑا سمجھ بوجھ سکتے ہو۔ قولہٗ تعالیٰ فَلاَ تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ (کسی کو ان انعامات کا علم نہیں جو اُن سے ہم نے چھپالیا ہے)۔ سنو، دین کے راستے میں کوئی ہجرت اس سے بڑھ کر نہیں کہ کوئی شخص اپنے آپ سے ہجرت کر جائے تاکہ ساری کائناتِ عالم سے علیٰحدہ ہو بیٹھے۔ کیونکہ خود جہان کو اس آدمی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا جو آپ ہی درماندہ ہو رہا ہو، جب عنایت و توفیقِ خداوندی نے اس کی امداد فرمائی تو وہ اپنے آپ سے چھٹکارا پاچکا۔ اب آفرینش و جہان کی راتیں سہانی بسر ہوں۔ کیونکہ مرد نے اُسے خیر باد کہہ کر اپنی راہ اختیار کرلی۔ جیساکہ کہا ہے اِنْ تَعَلَّقْتَ بِذَرَّۃٍ اَوْتَعَلَّقَتْ بِکَ ذَرَّۃٌ فَاَنْتَ فِیْ حِبَالِتِھَا (اگر کسی ذرّہ کا تعلق تیرے ساتھ یا تیرا تعلق کسی ذرہ کے ساتھ ہے تو گویا تُو اس کا رہن ہے)۔ اور اس وقت تک اس کا بندہ اور غلام رہے گا جب تک اُسے جھاڑ کر آزاد نہ ہوجائے تقوے کی شکل نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ تقوے کی یہی عادت رہی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ تیری ہستی سراپا اسی کی ہو رہے۔ جیساکہ کہا ہے

دلبرِ جانانت اگر آرد دست درگزر از خود رہ بسیار نیست

(اگر تیرا محبوب تیرا ہاتھ تھام لے تو اپنی ہستی قربان کردے۔ یہ کوئی دور دراز راستہ نہیں ہے)۔

Marfat.com

واللہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ تجھے جاہ و حشم اور دنیا کے ناز و نعم بھی ملیں اور اس کے ساتھ ساتھ تو تقویٰ بھی چاہے۔ سن رکھ کیا فرماتا ہے اَنَا اَغْنَی الْاَغْنِیَاءِ عَنِ الشِّرْکِ (میں شرکا سے مطلق بے پرواہوں) وہ کسی طرح بھی شرکت قبول نہیں کرتا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے ؎

آن کس کہ بیار من ہمی در نگرد گو منگر کہ عشق شرکت نپذیرد

(جو کوئی میرے محبوب پر نظر ڈالے اس سے کہہ دے کہ مت دیکھ کیونکہ عشق شرکت قبول نہیں کرتا)۔

تقویٰ ایک بہت وسیع ملک ہے۔ یہاں جھگڑے لڑائی کی گنجائش کہاں۔ دین کی سلطنت بڑی غیرت مند واقع ہوئی ہے، یہ کسی کی شرکت نہیں چاہتی۔ میاں صاحب یہی بھاری بوجھ جو سر پر لاد رکھا ہے تقویٰ کی راہ میں روڑا بنا ہوا ہے جب تک یہ چٹان چکنا چور نہ ہوئے گی متقیوں کے تقوے کے بارے میں تم کو ایک لفظ اپنی زبان سے نکالنا درست نہیں۔ اپنے آپ سے جتنا لگاؤ ہوتا جائے گا بدبختی و ناکامی کا یہ سنگ راہ اور زیادہ اٹل بنتا رہے گا۔ اپنے سے آشنائی کے معنی اس سے بیگانگی کے ہیں۔ اور اگر اپنے سے بیگانہ ہوئے تو اس سے آشنا ہو گئے۔ جو شخص اسی سنگ راہ کے ارد گرد پھر پھر کر رہ گیا وہ خواہ خرقہ پوش ہو، جبہ و دستار باندھ کر مصلے پر بیٹھا رہتا ہو، یا تلوار باندھنے والا کوئی مسلح سپاہی ہو، دونوں کے درجے برابر ہیں۔ بدبختی کا یہ بھاری پتھر کسی پختہ پیر کی مدد کے بغیر پاش پاش ہو کر اپنی جگہ سے نہیں ٹل سکتا۔ اور یہ ہولناک و خونخوار بیابان اس کی رہبری کے بغیر طے کر لینا دشوار و ناممکن ہے۔ اسی لیے کہا ہے۔ قطعہ

زنہار تانہ آئی بے مردے اندریں رہ زیرا کہ این بیابان خونخوار می نماید
گر مرد رہ نۂ تو بر بوئے گل چہ پوئی رو باز گرد کاین رہ پر خار می نماید

(دیکھو خبردار بغیر کسی رہبر کے اس راہ میں قدم نہ رکھنا۔ کیونکہ اس میں بڑے بڑے خونخوار جنگل ہیں جبکہ تم نابلد ہو تو پھولوں کی مہک پر کیا دوڑ پڑتے ہو۔ جاؤ لوٹ جاؤ یہ راستہ کانٹوں سے بھرا پڑا ہے)

سنو، تقویٰ کے یہ معنی ہیں کہ ناچیز سے ناچیز مخلوق کی طرف بھی تم حقارت و توہین کی نظر نہ اٹھاؤ۔ اگر کہیں راہ میں چیونٹی آجائے تو بچا کر قدم آگے بڑھاؤ۔ حدیثوں میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ایک چیونٹی پر آپ کا پاؤں پڑ گیا اور وہ زخمی ہو گئی۔ اس کی تکلیف کا اثر آپ کے قلب پر ہوا۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ درد کی وجہ سے ہاتھ پاؤں

Marfat.com

ٹپک رہی ہے۔ آپ غمگین ہو گئے اور اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگے۔ آپ اس قدر لرزہ براندام ہوئے گویا آپ کے بدن میں طاقت ہی نہیں ہے۔ چیونٹی ہاتھ پاؤں مار کر بل میں چلی گئی لیکن آپ کے دل میں اس کا بڑا دکھ رہا۔ آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ رات کے وقت آپ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور خشمگیں ہیں اور ڈانٹ رہے ہیں کہ "اے علی تم نہیں سنتے کہ آج ساتوں آسمان میں تمھارے ظلم و ستم کی داستان گونج رہی ہے جس چیونٹی پر تم نے پاؤں رکھ دیا تھا وہ اپنی قوم کی سردار اور صدیقانِ بارگاہ میں سے ایک تھی۔ وہ جس دن سے پیدا ہوئی پل بھر بھی خدا کی تسبیح و تہلیل سے غافل نہ ہوئی۔ مگر اس وقت کہ تم نے اسے کچل دیا" حضرت کی یہ باتیں سن کر آپ کانپ اٹھے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ ہم کیا کریں اور اب اس کا کیا چارہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اے علی، گھبراؤ نہیں۔ اس چیونٹی نے خدا سے تمھاری معذرت چاہی ہے اور کہا ہے کہ اے پروردگار، تو نے ہر کام میں قصداً اور بلا قصد کو معتبر فرمایا ہے۔ علی سے یہ حرکت قصداً نہیں بلکہ بلا قصد سرزد ہوئی ہے اس سے درگذر کر اور میں بخشایش چاہتی ہوں تو ان کو بخش دے۔ چونکہ تم میرے دربار کے شجاع کہلاتے ہو اس لیے چیونٹی نے شفاعت کی اور تمھاری رہائی کا احسان رکھا جب یہ قصور معاف ہوا۔ اے علی اگر وہ تمھاری سفارش نہ کرتی تو بارگاہِ خداوندی میں تمھاری بڑی رسوائی ہوتی۔" تم نہیں جانتے ایسا کیوں ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ اپنے حقوق سے تو چشم پوشی کی جاسکتی ہے لیکن دوستوں کے حق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہوش سنبھال کر بیٹھو کائناتِ عالم کا کوئی ذرہ نہیں جس نے یہ باتیں نہ سنی ہوں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

ہر چہ تو بینی ز سفید و سیاہ — بر سر کار یست درین بارگاہ

(ترجمہ) اس کارخانۂ خداوندی میں سفید و سیاہ جو کچھ بھی دیکھتے ہو وہ خدائی سلطنت کے کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا ہے۔ ؎

نگہ کن ذرہ ذرہ گشتہ پویاں — بہ حمدش نکتۂ توحید گویاں

(دیکھو آفرینش کا ذرہ ذرہ گردش کر رہا ہے اور اس کی حمد میں توحید کا ایک نکتہ بیان کر رہا ہے)۔ تاکہ تم سمجھو کہ مخلوقات کے ساتھ پروردگار عالم کے ہزاروں اسرار پوشیدہ ہیں۔ اور ایسے ایسے

کام سپرد کیے گئے ہیں جہاں عقل کی رسائی نہیں۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (اور کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو اُس کی حمد وثنا نہ کرتی ہو) یہی جملہ کافی گواہ ہے۔ اسی راز کو کسی نے کہا ہے ؎

ہزاراں قطرہ زین وادی بر آیند بدین درگہ بہ زانو اندر آیند
بہ عجز خویش می گویند کہ اے پاک توئی معروف وعارف ما عرفناک

(اس وادی کے ہزاروں قطرے اس درگاہ میں سر کے بل آتے ہیں اور عجز وانکسار کے ساتھ کہتے ہیں کہ اے پاک پروردگار تو ہی عارف ہے اور تو ہی معروف ہم تجھے نہیں پہچان سکتے) تمھاری خوش نصیب نگاہیں کبھی اس پر پڑی ہیں کہ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ (تیرے رب کے لشکر کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا)۔ اگر نظر سے جہالت کے پردے اُٹھ جائیں تو سارے جہان کو اُس کی اطاعت و بندگی میں کمربستہ پاؤ گے اور ہر تاریکی اور نادانی کے گوشے سے باہر نکل آؤ گے تو جملہ مخلوقاتِ عالم کو اُس کی تلاش میں سرگرداں دیکھو گے۔ اسی موقع کے لیے حضرت نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ؎

معرفت از آدمیان بردہ اند آدمیان راز میان بردہ اند

(معرفت آدمیوں سے لے لی ہے، اور آدمیوں کو درمیان سے اُٹھا دیا ہے) جب حضور سرورِ کائنات ان اسرار سے باخبر ہوئے تو ہمیشہ آپ یہی چاہتے تھے اور دعا کرتے تھے اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا هِیَ (اے اللہ مجھے ہر شے کو اسی طرح دکھا جیسی حقیقت میں وہ ہیں)۔ تاکہ بغیر کسی دقّت کے میں اسرار کے موتی پالوں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ (خداوندا مجھے حق کو حق دکھلا اور حق کی اتباع کی توفیق دے۔ اور باطل کو باطل دکھلا اور اُس سے بچنے کی طاقت عطا فرما)۔ اسی کی طرف یہ اشارا ہے جو کہا گیا۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَصَّرَهٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِهٖ (جب خدا کسی بندے کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو اس کے عیب اس پر ظاہر کر دیتا ہے) کہتا ہے اگر نگاہوں کے سامنے بتخانہ آجائے تو اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ زمین جس پر شراب خانہ تھا تھوڑے دنوں کے بعد اسی زمین پر مسجد تعمیر ہو گئی۔ یہی حق ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دل ہی بدل دیا جاتا ہے اور وہ بتخانہ سے مسجد وکعبہ بن جاتا ہے۔ مگر یہ بتخانہ عظمت میں اس سے کہیں زیادہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک کعبہ ہی کعبہ بنا ہوا دکھائی دے۔ اگر کبھی کہا جائے کہ تمھاری دعائیں مقبول

Marfat.com

ہوا کرتی ہیں اور تم مستجاب الدعوات بنا دیے گئے ہو۔ تو تم کہو کہ اے خدا میں یہ نہیں چاہتا، بلکہ مجھ کو میری ہی نظر سے اُٹھا دے۔ جب تمھاری نگاہوں سے تمھیں اُٹھا دیا گیا تو سارے کاموں کے نیک ہونے کی امید بندھ گئی۔ جب تک تم اپنی نظر سے اپنی ہستی کو دیکھتے رہو گے خود پرست کہے جاؤ گے شیطان کیا تھا خود پرست ہی تو تھا۔ صورۃً کچھ ہی ہو، فرشتہ خواہ انسان، زمین یا آسمان، دوزخ یا بہشت، خود پرست وہی کہلاتا ہے جو اپنی ہستی و شخصیت سے گزر نہ گیا ہو۔ اسی کی طرف اشارتاً کہا ہے۔ قطعہ

گرچہ حجاب تو برون از حد ست ہیچ حجاب تو چو پندار نیست

پردۂ پندار بسوز و بدان در دو جہانت بہ ازین کار نیست

(اگرچہ تیری آنکھوں پر ہزاروں پردے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن کبر و نخوت و خود بینی سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں۔ اس خود بینی کو جلا دے کیونکہ دونوں جہاں میں تیرے لیے کوئی کام اس سے بہتر نہیں) سنو محبت وہ چیز ہے جو دونوں جہاں کی عزت و آبرو مٹا دیتی ہے۔ عبودیت کی دنیا میں تو بہشت و دوزخ کی قدر ہوتی ہے۔ مگر محبت کے جہان میں دونوں عالم کی قدر و منزلت ایک ذرّے کے برابر بھی نہیں۔ حضرت آدم کو بہشت کی نعمتیں عطا کی گئیں۔ مگر دیکھا کہ انھوں نے کیا کیا۔ آپ نے گیہوں کے ایک دانے کے عوض میں بہشت اور نعمائے بہشت کی لذتوں کو فروخت کر دیا۔ اور بلند ہمتی سے محنت و مشقت کا گھر پسند فرمایا۔ ؎

نمی خواہیم جز زلفِ تو زنجیر زہے دیوانۂ عاقل کہ مائیم

(ہم ایسے عقلمند دیوانے ہیں کہ تیری زلفوں کے سوا کوئی زنجیر پسند نہیں کرتے) حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ "اے داؤد میرا ذکر، ذکر کرنے والوں کے لیے، میری بہشت بندگی بجا لانے والوں کے لیے، میری زیارت میرے مشتاقوں کے لیے اور میں خاص عاشقوں کیلیے ہوں۔ اے بھائی! عذاب ثواب کی باتیں اور بہشت و دوزخ کے نام محبت و عشق کے دفتر سے اس طرح قلم زد کر دیے گئے ہیں کہ ان کے نشان نہ آج مل سکتے ہیں نہ کل ہی۔ مگر یہ باتیں ہر شخص کے دماغ میں نہیں سما سکتیں۔ اور اس شربت کی مٹھاس ہر ایک کام و دہن کے لائق نہیں۔ یہی راز ہے جو کہا گیا ہے۔ ؎

Marfat.com

ہر نفسے حوصلۂ باز نیست ہر شکمے حاملۂ راز نیست

(ہر ایک کو بازکی ہمت اور بلند پروازی حاصل نہیں ہوتی اور ہر ایک دل اسرار الٰہی کا حامل نہیں ہوتا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پینسٹھواں مکتوب

صدق کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تم کو بزرگی عطا فرمائے۔ دیکھو حضرت خواجہ ذوالنون مصری نے فرمایا ہے اَلصِّدْقُ سَيْفُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ مَا وُضِعَ عَلٰى شَيْءٍ اِلَّا قَطَعَهٗ (سچائی زمین پر خدا کی تلوار ہے، جس پر پڑتی ہے کاٹ کر چھوڑتی ہے) صدق کا مطلب مسبب کے مسبّب (یعنی سبب بنانے والے کو دیکھنا ہے نہ کہ سبب کا ثابت کرنا سبب ثابت کرنے سے صدق کا حکم باقی نہیں رہتا۔ اس لیے کہ ایمان کی حقیقت ہی یہ ہے کہ خدا کے سوا کچھ نہ چاہے۔ جیسا کہ کہا ہے اِعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (خدا ہی کی پرستش کرو اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ بناؤ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھ کو صدقِ ایمان حاصل ہے اُس نے مان لیا کہ بجز خدا اُسے کسی سے کوئی تعلق اور سروکار نہیں۔ اس کے دعوے کی سچائی کی یہی دلیل ہے کہ اگر خدا کے سوا کوئی چیز دیکھے تو اس سے آنکھیں پھیر لے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو وہ اپنے دعوے میں سراسر جھوٹا ہوگا۔ اسی معنی میں کہا ہے۔ رباعی

دل را طمع وصل، بلا را سپر است جان در دم قہر ہجر او، پر خطر است
بیرون ز وصال و ہجر کارے دگر است ہمت چو بلند شد ہمہ دردِ سر است

(دل میں اُس کے وصل کی خواہش ہونا بلاؤں کے لیے سپر ہے۔ اس کی جدائی کا عذاب جان کیلیے بڑا ہی خطرناک ہے اس کے وصال و فراق سے کہیں بڑھ کر ایک دوسرا ہی کام ہے۔ جب ہمت بلند ہو جاتی ہے تو یہ باتیں دردِ سر معلوم ہوتی ہیں) ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصری بیت المقدس سے بغداد آرہے تھے راستے میں دُور سے ایک آدمی نظر آیا۔ ان کا جی چاہا کہ اس سے بات کریں جب قریب پہنچے تو دیکھا ایک بوڑھی عورت جبہ پہنے اور عصا لیے چلی آرہی ہے۔ آپ نے پوچھا بڑی بی

Marfat.com

تم کہاں سے آرہی ہو؟ وہ بولیں "اللہ کے یہاں سے!" آپ نے کہا "گھر کہاں ہے؟ بولیں" اللہ کے یہاں!" پھر پوچھا۔ "کہاں کا ارادہ ہے؟" جواب دیا "اللہ کے یہاں کا!" آپ نے اُن کو ایک اشرفی دینی چاہی۔ اُس نے ہاتھ ہلا کر منع کیا۔ اور کہا۔ "اے ذوالنون یہ کیا حالت ہے جس میں تم مبتلا ہو۔ میں تو سارا کام خدا ہی کے لیے کرتی ہوں، اور غیر خدا سے کوئی چیز نہیں لیتی۔ نہ اس کے سوا کسی کو پوجتی ہوں نہ اُس کے سوا کچھ لے سکتی ہوں" اتنا کہہ کر غائب ہو گئی۔ مرید کی ہمت ایسی ہونی چاہیے۔ اسی راز کے متعلق کہا گیا ہے ؎

ہمت ازانجا کہ نظر ہا کند خوار مدارش کہ اثر ہا کند

(ہمت جس جگہ سے بھی نظر کرتی ہے اس کو معمولی نہ سمجھو وہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے) جس نے کہا میں اسی کے لیے کام کرتا ہوں یہ اس کی صداقت اور ہمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ لوگوں کے معاملے دو طرح پر ہوا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ کرتا ہے یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ اُسی کے لیے کرتا ہوں۔ مگر وہ سارے دھندے اپنے لیے کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی دلی خواہش کا اس میں دخل نہ ہو۔ اس جہان میں اس کا ثواب اس کو ملے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ اس جہان اور اس جہان کے ثواب و عذاب اور تمام معاملوں سے قطعی الگ ہوں۔ جو کچھ کریں محض فرمانِ الٰہی کی عظمت اور محبت کے جذبے کے ماتحت بجا لائیں۔ یہی ہے جو کہا گیا ہے۔ قطعہ

دنیاست بلاخانہ و عقبیٰ ہوس آباد ما حاصلِ این ہر دو بیک جو نہ ستانیم
این فتنہ بہ دنیا شد و آن غرہ بہ عقبیٰ ما فارغ ازین ہر دو نہ اینیم نہ آنیم

(دنیا بلاؤں کی جگہ ہے اور عقبیٰ حرص و ہوس کی منزل ہم ان دونوں میں سے کسی کو ایک جَو کے بدلے بھی نہیں خریدتے۔ یہ دنیا کا فتنہ ہے اور وہ عقبیٰ کا غرور۔ ہم ان دونوں سے آزاد ہیں نہ اہلِ دنیا ہیں اور نہ اہلِ عقبیٰ) کہتے ہیں کہ طاعت کی وجہ سے طاعت کرنے والے کو اس سے کہیں زیادہ انعام و حصّہ ملتا ہے جتنا کہ گناہگار کو گناہ سے کیونکہ گناہ کے لطف اور مزے تو تھوڑی ہی دیر میں ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر طاعت کی راحتیں ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ مخلوق کی طاعت و مجاہدہ سے اللہ تعالےٰ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور نہ اس کو چھوڑنے سے اس کا کوئی نقصان یا گھاٹا ہے۔ اگر ساری دنیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کی صداقت برتنے لگے تو اسی کی بہبودی و سعادت ہے

Marfat.com

اور اگر تمام جہان والے فرعون کے کذب کی پیروی کریں تو اس میں انھیں کا نقصان ہے۔ اس خوانِ پُرنعمت پر صدق خالص کی جگہ مقرر ہو چکی ہے کہ اَھْلُ الْقُرْاٰنِ اَھْلُ اللّٰہِ خَاصَّۃً (اہلِ قرآن خاص اللہ والے ہیں)۔ اُس کی پرورش اور غذا قرآن پاک کے نعمت خانے سے ہوا کرتی ہے اَھْلُ الْجَنَّۃِ خَاصَّۃً (خاص جنت والے ہیں) جنت کے خواہاں تو دوسرے لوگ ہیں۔ لیکن اَھْلُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی توحید والوں کی پاک روحیں اس اصل سے وجود میں آئی ہیں وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی)۔ اس گروہ کی روزی عالم قرآن سے ملا کرتی ہے جس کسی کو قرآن کے دسترخوان پر بٹھایا گیا وہ اس جہان کی کدورتیں جو فتنہ و فساد کی جڑ ہیں برداشت نہیں کر سکتا۔ آخر تنگ آکر موت کی تمنا کرے اور منتظر رہے گا کہ یہ مبارک گھڑی کب آتی ہے۔ کس دا حضرت عزرائیل کرم فرماتے ہیں تاکہ یہ کدورتیں رفع دفع ہو کر غم و درد کی طلب کی جھلک نظر آنے لگے اور قیامت تک محبوب کے مشاہدۂ جمال میں محو رہیں۔ طریقت کے پیشواؤں نے اس کی پہلی شناخت یہ بتائی ہے کہ موت کا عاشق بن جائے گا۔ اور اس انتظار میں تڑپا کرے گا کہ جناب عزرائیل کے قدم کدھر سے آتے ہیں تاکہ ان کا استقبال تپاک کے ساتھ کیا جائے۔ ایسے حضرات کے پاس ملک الموت اس لیے آتے ہیں تاکہ اس کم بخت روڑے کو جس کا نام نفس ہے راستے سے ہٹا دیں۔ جان نکالنا ان کا کام نہیں۔ کیونکہ وہ مرنے والا تو یہ بشارت رکھتا ہے کہ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ (اللہ ہی جانوں کو موت دیتا ہے)۔ جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دَقَّ عَظْمِیْ وَاشْتَدَّ شَوْقِیْ اِلٰی لِقَاءِ رَبِّیْ (درد محبت سے میری ہڈیاں گھل گئیں اور میرے پروردگار کے دیدار کا شوق بھڑک اٹھا)، تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: ”سرکار، ذرا اپنا شوق ابھی کچھ روز دبائے رکھیے۔ مجھے اس کام کے لیے ربیع الاول میں حکم دیا گیا ہے۔ حضورؐ کے اضطراب و شوق کی وجہ سے میں عدول حکمی کیسے کر سکتا ہوں۔ اسی موقع کی مناسبت سے کہا گیا ہے۔

طرفہ سروکار یست کہ بر وعدہ شوق صابر نتوان بود و تقاضا نتوان کرد

(عجیب معاملہ آپڑا ہے کہ محبوب کے وعدے پر نہ صبر کرنے کی طاقت ہے اور نہ تقاضا کیا جا سکتا ہے) اے بھائی سچ ہے کہ زمانے میں کوئی دکھ درد لقاء سے جمال باری تعالیٰ کی تمنا کے

درد و غم سے بڑھ کر نہیں۔ جیسا کہ ایک آرزومند نے کہا ہے۔ قطعہ

منم و ہزار حسرت کہ در آرزوئے رویت ہمہ عمر در غمت رفت و نرفت ہیچ کارم

اگرم تو دست گیری بپذیر انیست دولت واگرنہ رستخیزی زہمہ جہان برآرم

(مجھے نہایت حسرت و افسوس ہے کہ تیرے دیدار کی تمنا میں میری ساری زندگی گذر گئی، اور کچھ بھی کام نہ نکلا۔ اگر تو مدد کرے اور مجھ کو قبول کرلے تو یہ بڑی دولت ہے۔ نہیں تو زمانے میں قیامت اُٹھا کر ہی دم لوں گا)۔ یہ وہ درد ہے کہ اگر ذرہ بھر بھی جہان میں اپنی چمک دکھائے تو روئے زمین پر کسی بیماری کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں اپنی ارادت کے ابتدائی دنوں میں ایک ویران شہر میں گھوم رہا تھا۔ جیسا کہ نئے نئے مریدوں اور مبتدیوں کی عادت ہوتی ہے، میں بھی ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد میں گیا۔ یہاں ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ خون کے آنسو رو رہا ہے، مسجد کی زمین اس کے لہو سے بھیگ گئی ہے۔ میں نے کہا یَا شَیْخُ اُرْفُقْ بِنَفْسِكَ (اے شیخ اپنے آپ پر رحم کیجیے) آخر آپ پر کون سی مصیبت پڑی ہے۔ وہ بولے اب مجھ میں طاقت باقی نہیں رہی اور خدا کی طلب و تمنا میں زندگی بھی ختم ہو گئی۔ اسی راز کو کسی دل جلے نے یوں کہا ہے۔ ؎

مردم در آرزویت روزے نہ دید رویت حاجی براہ رفتہ وز کعبہ باز ماندہ

(لوگ تیری تمنا میں گھلتے رہے لیکن کسی دن تیری صورت نہ دیکھی۔ حاجی نے راستے کی ہزار مشکلیں جھیلیں لیکن کعبۂ حقیقی سے محروم رہا) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت یہ دعا کی اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ (اے اللہ موت کی سختیوں کے وقت میری مدد فرما) میری جان نکالنا ملک الموت کا کام نہیں۔ اے خدا تو اعانت فرما تاکہ میں اس جان کے بکھیڑوں سے چھوٹ جاؤں۔ ؎

جانان فدائے دوستی لست جانِ من عاشق بہ دوست زندہ بود جان چہ حاجت است

(اے محبوب میری جان تیری محبت پر قربان ہے۔ عاشق تو دوست کی بدولت زندہ رہتا ہے اُسے جان کی کیا ضرورت ہے)۔ اے بھائی! مدتیں گذر چکیں کہ یہ کہا گیا ہے کہ دوسروں کے قصے سننا سوائے دردِ سر مول لینے کے کچھ نہیں۔ کسی بھوکے کے سامنے مزے دار کھانے کی

Marfat.com

تعریف کرنا حسرت و درد کے سوا اور کیا ہے۔ اگر تم سے ہوسکتا ہو تو قدم آگے بڑھاؤ۔ جان پر مصیبت اٹھاؤ، اور سر کی بازی لگادو۔ اسی لیے کہا ہے ۔

از گفتگو نیاید وصلش بسے محال ست بحرِ محیط ہرگز در ناودان نہ گنجد

(اس کا وصل باتوں سے حاصل نہیں ہوتا یہ بہت دشوار بلکہ محال ہے۔ بھلا کہیں بحرِ ناپیدا کنار کوزے یا کسی نالی میں سما سکتا ہے) جس دل میں عشق اور موت کی دھن سمائی اُس پر سعادت کے دروازے کھل گئے اور نام و نمود کے بندوں کے لیے یہ راہ بند کردی گئی۔ یہ موت کے ڈر سے کھلے جاتے ہیں۔ ایک بڑے میاں تھے جنھیں لوگ سید الاوتاد کہا کرتے تھے ان کا نام کُلَیب تھا۔ عربی زبان میں سگ کی تصغیر کلیب ہے۔ بدن بگڑا ہوا تھا ان پر تنگی معاش اتنی سخت تھی کہ شام سے صبح اور صبح سے شام ہوجاتی لیکن ایک لقمہ بھی ان کو میسر نہ ہوتا۔ خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں ایک دن ان کے حجرے کے آس پاس پھر رہا تھا۔ ان کی مناجات کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ وہ کہہ رہے تھے اِلٰھِیْ ھٰذَا اِسْمِیْ کُلَیْبٌ وَھٰذَا جِسْمِیْ مَجْذُوْمٌ وَھٰذَا قَلْبِیْ وَمَعَ ھٰذَا اَیْنَ جِبْرِیْلُ حَتّٰی یَرٰی مُبَارَزَتِیْ (خداوندا میرا نام کتے کا پلا ہے میں کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہوں، فقر و فاقہ کی مصیبت ہے۔ کہاں ہیں جبریل کہ وہ میری ان بلاؤں کے ساتھ جد و جہد کو دیکھیں ۔

عرش رولانے کہ زتن رستہ اند شہپر جبریلؑ فرو بستہ اند

(جن کی عرشی روحیں جسم کی قید سے آزاد ہوچکی ہیں اُن کی پرواز نے جبریلؑ کے پر باندھ دیے ہیں. اے بھائی! خدا اکیلا ہے وَالْمُؤْمِنُ مُتَوَحِّدٌ (اور مومن بھی یگانہ ہے)۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا ہے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ مومن بھی یگانہ ہو۔ اس امر پر کلمۂ شہادت دلیل ہے کہ اس کا آدھا جز لَآ اِلٰہَ برائت و علیحدگی چاہتا ہے۔ اور دوسرا اِلَّا اللّٰہ دوستی اور گرویدگی کا مستحق ہے۔ جس قدر غیر حق سے علیحدگی ہوگی اتنی ہی حق کے ساتھ محبت اور وابستگی ہونا ضروری ہے۔ کسی نے اس طرح فریاد و فغاں کی ہے ۔

کو آتشے کہ بر سرِ این خرقہ را بسوزم کین خرقہ در برِ من زنار می نماید

(وہ آگ کہاں کہ اپنی اس گدڑی کو اس میں جلا ڈالوں۔ کیونکہ یہ خرقہ میرے بدن پر زنار معلوم ہوتا ہے

Marfat.com

جو شخص اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اُس کو اپنے اسرار میں غور کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ اگر غیرِ حق سے وہ گریزاں ہے تو اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ اور اگر غیرِ حق کی طرف اس کے اسرار مائل ہیں اور جو چیز حق تک پہنچانے والی ہے اس سے علیٰحدگی اور دُوری ہے تو اس کو اپنے ایمان کا ماتم کرنا چاہیئے۔ اس کے دل سے نورِ ایمان چھین لیا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

ہنوز از کافِ کفرِ خود خبر نیست حقائقہائے ایمان را چہ دانی

(ابھی تو تجھے اپنے کفر کے کاف کی بھی خبر نہیں ہے تو ایمان کی حقیقتوں کو کیا جان سکتا ہے)۔ چنانچہ کسی بزرگ نے یہ کہا ہے کہ ساری دنیا محبت اور عاشقی کی دعوے دار ہے۔ مگر ان کے دعوے کو جب غور سے دیکھتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب خود اپنے ہی معشوق بنے ہوئے ہیں عاشقی سے ان کو دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیونکہ جو شخص محبّت کا مدعی ہو اُس کے دعوے کی سچائی اس سے معلوم ہوگی کہ وہ اپنی مرادوں سے دامن جھاڑ کر باہر نکل آیا ہے یا نہیں۔ اگر مراد کی طلب اب بھی باقی ہے تو یہ محبوبی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کو محب نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا دعویٰ سراسر جھوٹا اور لغو ہے۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اس وقت تک محبت کا دعویٰ صحیح نہیں جب تک کہ محب کو محبوب کے سوا کونین کے ایک ذرّے کی بھی ہوس باقی ہے۔ اربابِ نظر نے اس آیت کے متعلق کہا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا (اے وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ) مومنوں کو پھر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دوسرا ایمان پہلے ایمان کے علاوہ ہے۔ پہلا ایمان اللہ کی تصدیق اور اقرار ہے۔ اس اقرار و تصدیق کی حقیقت غیرِ خدا کی طرف نظر نہ کرنا ہے۔ پھر بھی اگر غیرِ حق پر آنکھ ڈالی تو پہلے قول و قرار سے ہٹ گیا۔ بندوں کی آنکھیں دیکھنے سے کب تک بند رہ سکتی ہیں۔ اس لیے فرمان ہوا کہ ایمان دوبارہ تازہ کرو۔ جب دیکھتے ہو تو ان نظر آنے والی اشیاء کو نہ دیکھو بلکہ ان کے صانع و خالق کو دیکھو۔ یہاں تک کہ کسی طرح کا خطرہ اور خدشہ دل میں پیدا نہ ہو، ورنہ دوبارہ ایمان لانا ہوگا۔ ایمان تازہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جب جب غیرِ خدا کا خیال آئے اُس سے اعراض کر کے حق کی طرف رجوع کرے۔ اے بھائی اس سے بڑھ کر اور کوئی خوش نصیبی ہو سکتی ہے کہ وہ کہے "اے مٹّی کے پتلے تو دل کی صفائی کے ساتھ میرا ہو جا۔ اے پانی کے ناچیز قطرے سوا میرے کسی سے دل نہ لگا۔ اے خاک کے ٹھیکرے میرے وصال کے محل میں پاؤں رکھ۔"

Marfat.com

اس پیکرِ آب و گل کو اتنی بڑی دولت ملتی ہے کہ اپنے فضل و کرم سے حکم فرماتا ہے کہ دن رات میں پانچ مرتبہ میرے وصال کی خلوت میں داخل ہو کر معراج صلوٰۃ حاصل کیا کر۔ اور عالم میں پکار کر کہا کہ قُسِمَتِ الصَّلٰوۃُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نماز بانٹ دی گئی ہے میرے اور میرے بندے کے درمیان۔ اسی لیے کہا ہے ؎

این آبروئے بس مرا کہ بندت خوانند خاکِ سرِ کوئے آستانت دانند

(میری یہ آبرو کہاں کہ مجھ کو تیرا بندہ پکاریں۔ یہی عزت میرے لیے بہت ہے کہ تیری گلی کی خاک جانیں)۔ موسیٰ علیہ السلام جو دربار کے کلیم تھے چالیس دنوں تک انھیں سخت انتظار میں رکھا گیا۔ مگر تمھاری (امتِ محمدیہ کی) باری آئی تو ساقیِ لطف و کرم نے یہ کہہ کر ساغرِ وصل پلا دیا کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْقُلُوْبِ (نماز دلوں کی معراج ہے)۔ اس سے یہ نہ سمجھو کہ اس امت کو پیغمبروں پر فضیلت دی گئی ہے۔ لیکن تم نے سنا ہوگا مَنْ کَانَ اَضْعَفُ فَالرَّبُّ بِہٖ اَلْطَفُ۔ جو زیادہ عاجز و ناتوان ہے اس پر خدا زیادہ مہربان ہے۔ اسی لیے کہا ہے ؎

دَورِ تو زین دائرہ بیرون ترست از دو جہان قدرِ تو افزون ترست

(تیری گردش دائرۂ کون و مکان سے باہر ہے۔ دونوں جہان سے تیری قدر و منزلت بہت زیادہ ہے)۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چھیاسٹھواں مکتوب ۶۶

حضرت آدم علیہ السلام کے نسب کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ تم کو معلوم ہو کہ اس راہ کے آدمی کو حضرت آدمؑ کی اولاد کہلانے کا اُس وقت حق پہنچتا ہے جب وہ عالمِ دل میں پہنچ جائے۔ جب اس مقام میں پہنچ گیا تو عالمِ گردش ختم ہو گیا۔ اب یہاں سے روش شروع ہوتی ہے۔ یہاں جس طرح وہ خود بدل جاتا ہے اسی طرح جو کچھ اُس کو مل چکا ہے وہ بھی بدل جاتا ہے۔ چیزوں میں تصرف کرنے کی قوت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ تم نے سنا ہوگا کہ فلاں فقیر کی بوتلوں میں شراب شربت بن گئی، اور ارنڈ کا پھل انجیر وہ اسی مقام میں تھا۔

Marfat.com

اگر وہ چاہے کہ حکومت کے مال میں دست اندازی کرے تو اس کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں۔ بعض مشائخ ایسے گزرے ہیں جن کا بیت المال اسی طرح جاری تھا۔ شریعت کا فتویٰ ہے کہ اگر یورپ سے پچھم تک ساری زمین خون سے بھر جائے تو اس وقت بھی مومن سوائے حلال کے حرام چیز نہیں کھا سکتا جب تک دل کے عالم میں نہیں پہنچتا ایمان کی حقیقت ظاہر نہ ہوگی۔ جیسا کہ یہ حدیث نقل کی ہے۔ لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا بِرْکَۃَ الدَّمِ لَا یَشْرِبُ الْمُؤْمِنُ اِلَّا الْحَلَالَ (اگر ساری دنیا خون کا حوض بن جائے تو مومن سوائے حلال کے اور کچھ نہیں پی سکتا) شریعت میں اس کی اصل ملتی ہے۔ اس سے یہ مطلب آسانی سے سمجھ میں آجائے گا کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی جوان نے آکر پوچھا کہ رمضان کے دنوں میں بیوی کا بوسہ لیا جا سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "جائز نہیں ہے"۔ اس کے کچھ دیر کے بعد ایک بوڑھا شخص آیا۔ اور اس نے یہی دریافت کیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "ہاں جائز ہے"۔ حضورؐ کے اصحاب نے متعجب ہو کر کہا یا رسول اللہ یہ کیا ہوا؟ ایک کو منع کیا، اور دوسرے سے فرمایا جائز ہے۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں وہ پہلا شخص جوان تھا، آتش شوق بھڑک اٹھنے کا خوف تھا۔ وہ دوسرا بوڑھا تھا اس کے ہیجانِ نفس کا کوئی گمان نہیں ہو سکتا تھا"۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہر آدمی کے لیے شریعت کا حکم ایک نہیں ہوا کرتا۔ یوں سمجھو کہ ایک شخص کرامت سے زور سے دریا پر چلتا پھرتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا ایسا کرے تو ڈوب مرے۔ اور جو کوئی اس کی پیروی کرے اور خزانۂ شاہی میں تصرف کر بیٹھے مگر اس راہ سے نابلد ہو تو وہ اپنی ہلاکت کی کوشش کرتا ہے۔ ہاں! آشنائے راہ کی ہدایت و اجازت سے البتہ قدم رکھ سکتا ہے۔ جب صاحبانِ دل اس مقام میں پہنچ جاتے ہیں تو ان کا عضو عضو سر سے پاؤں تک دل ہی دل بن جاتا ہے۔ اور ان کا کوئی عمل ضائع نہیں جاتا۔ یہی لوگ عالمِ دل کے مسند نشین کہے جاتے ہیں یہیں سے یہ بات نکلتی ہے کہ جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک جھاڑتے تھے تو اصحاب موئے مبارک آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ اور جو کپڑا زیب تن فرماتے تھے حضورؐ کے جسم مطہر کا اثر اس میں آجاتا تھا۔ اس لیے آپ نے ایک منافق کو اس کے لڑکے کی خاطر سے جو مسلمان ہو چکا تھا ایک کرتا مرحمت فرمایا۔ اس نے اپنے باپ کی قبر میں رکھ دیا۔ صحابہؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "کیا اس سے مرنے والے منافق کو کوئی فائدہ ہوگا؟" آپؐ نے فرمایا "جب تک اس کا ایک دھاگا بھی

Marfat.com

باقی ہے اس پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔ اسی کو دیکھ کر مریدان پیروں کے خرقے تبرک سمجھ کر آپس میں بانٹ لیتے ہیں تاکہ ہر شخص اس سے فائدہ اُٹھائے۔ ان مردانِ خدا کے سوا کسی اور کے کپڑے تقسیم کرنا ایک رسم بن گئی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب مردانِ راہ کی گردش ختم ہو چکتی ہے تو وہ دل کے عالم میں داخل ہوتے ہیں اور امام و مقتدا بن جاتے ہیں اور انھیں کو زیبا ہے کہ لوگوں کو حق کی طرف بلائیں۔ اور جو اس منزل تک نہیں پہنچا اسے اس کا حق نہیں کہ اس طرح کی باتیں کرے۔ اس لیے جب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بصرہ تشریف لائے تو یہاں حضرت خواجہ حسن بصری جو یگانۂ روزگار تھے آپ نے ان کو ان باتوں سے روک دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ سرزد ہوتا ہے عالم دل سے اس کا نزول ہوتا ہے۔ اس کا حق آپ ہی کو تھا۔ اے بھائی! اگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا اِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (بیشک تو ہی سیدھی راہ دکھا سکتا ہے)۔ پیروں کے حق میں یہ نوازش ہوئی مِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (ہم نے بعض امتیں ایسی پیدا کی ہیں جو حق کی طرف راستہ دکھاتی ہیں)۔ اگر تم کہو کہ ہم کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ مدعی کذّاب ہے یا ازلی عنایتوں کا حامل؟ اس کا یہی جواب ہے کہ جس طالبِ راہ کی روش درست ہوتی ہے اُس کے دل میں ایک طرح کی روشنی پیدا ہو جاتی ہے جس کی تابش سے وہ طغرائے شاہی دیکھ لیتا ہے اور مدعیوں کی طرف نہیں جھکتا۔ تم دیکھتے نہیں کہ اگر ہزاروں قسم کے جانور ایک جگہ جمع ہوں اور طرح طرح کے چارے اور دانے اُن کے سامنے ڈال دیے جائیں تو ہر ایک کا منھ اور معدہ آپ ہی سمجھ جائے گا کہ اس کی کیا غذا ہے۔ دوسروں کے کھانے کی طرف وہ توجہ نہ کرے گا۔ قرآن مجید نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (ہر شخص اپنا مشرب خوب جانتا ہے)۔ مردانِ خدا کی جوتیاں جھاڑو اور انھیں سے مانگو۔ مدعیوں سے کچھ ہونے کا نہیں۔ یہ لوگ اس کام کے لائق ہی نہیں۔ مدعی کون ہے؟ وہی جو بغیر جانے بوجھے راہ خدا میں چل کھڑا ہونے کا دعوے کرے، اور ایک قدم چلا نہ ہو۔ دیکھا بھی نہ ہو۔ اسی طرف اشارہ کیا ہے جو کہا ہے۔ وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (اگر تو اُن کی پیروی کرے گا جو دنیا میں بہت ہیں تو وہ خدا کے راستے سے تجھے گمراہ کر دیں گے)۔ جب گمراہ کرنے والے زیادہ ہوئے تو ہدایت کرنے والے یقیناً کم ہوں گے۔ طالب کا دل اس روشنی سے جو اُسے

ازل میں دی گئی ہے خود پہچان لے گا۔ اور اس کی صداقت ایک مرکز پر قائم ہو جائے گی۔ اور اپنے حوصلہ طلب کے موافق فیض و اثر لینا شروع کر دے گی۔ اور پیر عمل و تصرف کرنے لگے گا۔ یہ سمجھو کہ وہ مردہ ہے اُس کا پیر غسل دیتا ہے تاکہ وہ آلودگیوں سے پاک و صاف ہو جائے اب جبکہ پاک ہو چکا تو اس کی گردش ختم ہو گئی۔ پھر یہاں سے سلوک کی راہ شروع ہوتی ہے۔ جس کا نام روش ہے۔ وَاللّٰهُ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ (اللہ پاک ہے اور پاک لوگوں کو قبول کرتا ہے)۔ اے بھائی! یہ بھی کوئی طاعت ہے جس کو تم طاعت سمجھتے ہو۔ جیسے تمھارا نماز پڑھنا، روزے رکھنا، صدقہ دینا یا ماں باپ اور شہر والوں کی خدمت کرنا تمھاری عادت ہو گئی ہو۔ کیونکہ فرمان تو یہ ہے وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (اگر خدا کی بندگی کرو گے تو ہدایت پاؤ گے) یہ نہیں کہا گیا۔ وَاِنْ تُطِيْعُوْا اعَادَتُكُمْ تَهْتَدُوْا (اگر تم اپنی عادت کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے)۔ تو کسی صاحب دل کے فرمان سے جو طاعت بجا لاؤ گے اسی کا پھل ہدایت ہے وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی) اس کی یہی کافی دلیل ہے۔ اگر غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اگر ایک رکعت نماز کسی صاحب دل کے حکم سے پڑھی جائے تو ان ہزار رکعتوں سے جو اپنی خواہش و عادت سے پڑھی جائے کہیں بہتر ہے۔ اور ایک دن کا روزہ جو ان کے حکم سے رکھا جائے ان ہزار روزوں سے کہیں اچھا ہے جو اپنے جی سے رکھا گیا ہو۔ اور اسی طرح ایک روپیہ خیرات دینا اُن ہزار روپوں کے صدقہ کرنے سے افضل ہے جو اپنی عادت کی وجہ سے دیے گئے ہوں۔ اے بھائی! اسی دُھن میں لگے رہو کہ عادت کس طرح چھوٹ سکتی، اور دین کیسے طلب کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ باتیں بغیر مردانِ راہ کی کفش برداری کے پیدا نہیں ہو سکتیں، کیونکہ پیرانِ طریقت چونکہ جانتے ہیں، وقت آنے پر گھات میں لگے رہتے ہیں اور روزانہ ایک قوم کو شیطان کے پھندوں سے باہر نکالا کرتے ہیں تاکہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مریدوں کے دلوں میں اپنا قدم جمائے۔ ان کو معلوم ہے کہ یہ شخص کس حال میں پیدا ہوا۔ اور اس وقت کتنے پانی میں ہے۔ ماں باپ سے جلد جلد جو سیکھ لیا ہے وہیں کا وہیں ہے۔ اگر بیس تیس چالیس پچاس سال، یہاں تک کہ زندگی کے آخری دن بھی آ جائیں اس کی شکل و صورت میں کسی طرح کی تبدیلی نہ ہو گی۔ جیسا پہلے دن تھا اب بھی بالکل ویسا ہی نظر آئے گا۔ دنیا کی رسم و عادت والے دوسرے ہیں۔

Marfat.com

اور مردانِ خدا دوسرے لوگ ہیں۔ جو شخص اپنی عادت کا بندہ ہو، غفلت کے سوا اس کا کوئی کام نہ ہو اور خواہشِ نفس کو اپنا معبود جانتا ہو، بھلا وہ کیسے ان کی برابری کر سکتا ہے جنھوں نے خدا کی راہ میں پہلا قدم رکھتے ہی زنارِ کفر کو توڑ کر پھینک دیا، دنیا اور آخرت پچھاڑ کر دی۔ اور پکار اُٹھے۔ رباعی۔

دیدیم نہاد گیتی و اصلِ جہان ——— وز علتِ عار برگذشتیم آسان
وان نورِ سیاہ را ز لا برتر دان ——— زان نیز گذشتیم نہ این ماند نہ آن

ہم نے دنیا کی حقیقت سمجھ لی اور ہیچ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اگر چہ وہ نورِ سیاہ لا الٰہ سے برتر ہے لیکن ہم نے اُسے بھی چھوڑ دیا۔ اب نہ یہ رہ گیا نہ وہ) کسی کی طرف توجہ نہ کی۔ یعنی اِلاَّ اللہ کی منزل میں جا کر دم لیا۔ تم سے جہاں تک ہو سکے طلب کی راہ پر قائم رہو۔ ممکن ہے کہ تم کو طلب اپنا جلوہ دکھا دے۔ اگر کسی دن اپنے چہرے سے طلب پردہ گرا دے تو تم، تم نہ رہ جاؤ گے۔ تمھاری یہ ساری خودی نیست و نابود ہو کر رہ جائے گی۔ یہاں تک کہ تم کو اس کی بھی تمیز نہ ہوگی کہ تم کبھی طالب بھی تھے یا نہیں۔ اسی کے متعلق ایک بزرگ نے کہا ہے کہ "جس طلب میں طالب کو اس کی خبر ہو کہ وہ طالب ہے تو سمجھو کہ طلب کی حقیقت سے وہ ابھی کوسوں دُور ہے"۔ تم دیکھتے نہیں کہ جب مستی بے نہایت بڑھ جاتی ہے تو خود مستانے کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی کہ وہ مست ہے۔ افسوس جس کو اتنی تمیز بھی باقی رہ گئی ہو کہ وہ جانتے کہ "میں مست ہوں۔ اور دوسرے لوگ ہوش میں ہیں"۔ وہ مستی کے کمال مدارج تک نہیں پہنچا ہے۔ کیونکہ کمال مستی کی شان تو یہ ہے کہ اس شخص کی مستی اور تمیز بالکل کھو جائے۔ اگر اس سے پوچھا جائے "کیا تو مست ہے؟ تو کچھ نہ بولے۔ اور اگر جواب دے تو یہ ابتک ممتاز نہیں، بلکہ اس میں تمیز باقی ہے۔ تم نے سنا نہیں جو کہا گیا ہے ؎

ما را غمِ عشق تو چنان در پے جست ——— کز ہستی ما نماند جز صورتِ ہست

(تیرے غمِ عشق نے ہماری رگ و پے میں ایسا گھر بنایا ہے کہ سوائے صورتِ ہستی کے ہماری ہستی ہی باقی نہ رہی) جب طلب کی حقیقت دکھائی دینے لگتی ہے تو طالب باقی نہیں رہتا مَنْ طَلَبَ وَجَدَ (جس نے ڈھونڈا اس نے پا لیا)۔ اسی طلب کی ضرورت ہے۔ جب مرید یہاں تک پہنچتا ہے تو آگے اس کا کوئی کام باقی نہیں رہتا۔ خود طلب راہبر بن جاتی ہے۔ اسی جگہ

Marfat.com

کسی دل جلے نے کہا ہے ؎

عشق آن کند ہر انچہ بباید تو صبر کن شاگرد باش عشق ترا اوستاد بس

(عشق وہی کرتا ہے جو کرنا چاہیئے تو صبر کر۔ تو عشق کا شاگرد ہو جا یہی اُستاد تیرے لیے کافی ہے)۔ اور مَنْ طَلَبَ غَیْرِی لَمْ یَجِدْنِی (جس نے کسی دوسرے کی خواہش کی وہ ہم کو نہیں پا سکتا) اس کو کبھی نہ بھولنا چاہیے۔ جب تک تیرے دل میں کسی دوسرے کی جگہ ہے اس وقت تک تو طالب نہیں کہا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ تیری ہستی کی بساط ہی کیا۔ بھلا مطلوب اتنی تنگ جگہ میں کیونکر سما سکے گا۔ یُحِبُّونَہٗ کا دعویٰ اس وقت صادق ہو گا جب ہر طرف سے ساری توجہ ہٹا کر یُحِبُّھُمْ کی لذت میں تو محو ہو جائے گا۔ دیکھو یُحِبُّھُمْ کہنا اسی ذات کے لیے زیبا ہے کیونکہ وہ ہزاروں لاکھوں محبوب رکھتا ہے اور ہر ایک تک پہنچتا ہے۔ لیکن تمہارا وجود محض چھوٹا موٹا اور تنگ ہے۔ آفتاب ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے پورب پچھم ہندوستان ترکستان ہر جگہ چمکیا ہے۔ کیونکہ اس کا چہرہ بہت بڑا اور کشادہ ہے۔ اس کی تابانی ہر جگہ قائم ہے۔ مگر تمہارے وجود کا گھر جب تک پوری طرح اس کے سامنے نہ آئے گا اُس کی ایک کرن سے بھی تم فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تمہارا خانۂ وجود بالکل اس کے مقابل آجائے تاکہ پوری طرح سورج سے طاقت حاصل کر سکے۔ ہزاروں ہزار عالم اپنے اپنے حصے لیا کرتے ہیں مگر آفتاب کی گرمی اور روشنی میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی۔ وَمِنْ اٰیَاتِہِ الشَّمْسُ (اُس کی نشانیوں میں سے ایک آفتاب بھی ہے)۔ اس کو ذرا غور و فکر سے پڑھنا۔ اور ایک نکتہ یاد رکھنا۔ وہ یہ کہ کسی ایسی چیز کو پیار کرنا جو خود دوست نہیں بلکہ دوست کی تابع اور ضمن ہے کمالِ محبت کے لیے کوئی ہرج نہیں ہے جیسا کہا ہے ؎

اُحِبُّ لِحُبِّھَا طَلَعَاتُ نَجْدٍ وَمَا شَغَفِیْ بِھَا لَوْلَا ھَوَاھَا

(میں لیلیٰ کی محبت میں نجد کے میدانوں اور ٹیلوں سے پیار کرتا ہوں۔ اگر اس کی محبت نہ ہوتی تو مجھے ان سے کوئی واسطہ نہ ہوتا)۔ یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اور ان میں گھل مل جاتا ہے۔ کسی نے کہا ہے ؎

اَجِدُ مَلَامَۃً فِیْ ھَوَاکَ لَذِیْذَۃً حُبًّا لِذِکْرِکَ فَلْیَلُمْنِی اللُّوَّمُ

Marfat.com

(تیرے عشق میں لوگوں کی ملامتیں مجھے اچھی لگتی اور مزا دیتی ہیں۔ کیونکہ ملامت کرنے والے تیری محبت کے ذکر کے ساتھ ملامت کرتے ہیں) محبت میں شرکت اسے نہیں کہتے یہ تو دوست کی محبت کے آثار ہیں۔ مجنوں کا عشق اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ رنگوں میں کالا رنگ اُس کو سب سے زیادہ پسند تھا۔ چنانچہ خود کہتا ہے ؎

اُحِبُّ بِحُبِّہَا السَّوْدَاءَ حَتّٰی اُحِبُّ بِحُبِّہَا سُوْدَ الْکِلَابِ

(لیلیٰ کی محبت کی وجہ سے میں کالے رنگ کو پسند کرتا ہوں۔ اور اسی کی محبت میں کتے کا کالا رنگ مجھے پیارا لگتا ہے)۔ اے بھائی! محبت کا عالم عجیب عالم ہے یہیں دشمنوں سے دوستی ہو جاتی ہے۔ ایک جماعت کافروں سے جہاد کرنے جا رہی تھی حضرت ابو العباس قصار رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا "میری داڑھی اس کافر کے تلوؤں کی خاک پر تصدق جو اُس کے لیے مارا جائے۔ جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا وَّلٰکِنَّ صَاحِبُکُمْ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ (اگر میں کسی کو دوست بناتا تو یقینی ابو بکرؓ کو بناتا مگر تمہارا ساتھی (محمدؐ) تو خدا کو دوست بنا چکا ہے)۔ اس جگہ کسی کو حق نہیں کہ وہ کہے "آخر آپ بال بچوں سے کیوں ملتے جلتے تھے" کیونکہ معلوم ہے کہ حضورؐ سے جب پوچھا گیا مَنْ اَحَبُّ النِّسَاءِ اِلَیْکَ قَالَ عَائِشَۃُ (بیویوں میں آپ کی چہیتی کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا عائشہ) فَقِیْلَ مِنَ الرِّجَالِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ (جب پوچھا گیا۔ اور مردوں میں؟ فرمایا۔ ابوبکر)۔ آخر ان کی محبت تو حضورؐ کے دل میں جاگزیں تھی۔ وَلٰکِنَّ صَاحِبُکُمْ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ (مگر محمدؐ تو خدا کو دوست بنا چکا ہے)۔ اسی طرح آپؐ حضرت ابراہیم کو بھی بہت مانتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کی وفات کے غم میں آپؐ روئے بھی۔ اور حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے بارے میں فرمایا اَوْلَادُنَا اَکْبَادُنَا (ہماری اولاد ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہیں۔ تو یہ کیا ہوا؟ مبتدی کے دل میں ابتداءً اس طرح کے شکوک پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مگر اہلِ بصیرت کے یہاں کوئی مشکل ہی نہیں۔ اے بھائی! فرض کرو کہ ایک آدمی علم کا عاشق ہے اور رات دن طلبِ علم کے سوا اس کا کوئی کام نہیں، تو یہ دوات قلم روشنائی اور کاغذ کو دوست رکھتا ہے تو یہ کہنا بے معنی ہے کہ یہ علم کا عاشقِ کامل نہیں ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ بذاتہٖ محبوب تو ایک ہی

Marfat.com

ہوتا ہے۔ مگر دوسری چیزوں سے جنھیں محبوب کے لگاؤ کے سبب پیار کرتا اور محبت رکھتا ہے۔ تو کسی نقصان و ضرر کا احتمال نہیں۔ اگر آدمی خدا کو دوست رکھتا ہے۔ پیغمبروں اور استاد سے بھی محبت کرتا ہے۔ یہ بالکل عقل کے مطابق ہے کہ جو شے دوست کی طرف منسوب ہے وہ بھی دوست ہے سارا عالم اسی کا بنایا ہوا ہے۔ جہان اور جہان والے اسی کے مصنوعات اور حرف ہیں۔ اگر ایک قدم آگے بڑھاد و تو بول اٹھو گے "یقینی سب کچھ خود وہی ہے" کسی صاحب بصیرت نے کہا ہے ؎

دوئی را نیست رہ در حضرتِ تو ہمہ عالم توئی و قدرتِ تو

وجودِ کون ظلِ حضرتِ تست ہمہ آثار صنع و قدرتِ تست

(تیری بارگاہ میں دوئی کی گنجائش کہاں؟ سارا عالم تجھ سے اور تیری قدرت سے بھرا ہے۔ دونوں جہان کا وجود تیرا سایۂ دربار ہے۔ یہ سب کچھ تیری صنعت و قدرت کے آثار ہیں)۔ مگر محبوب کی اگر اس بات میں رضامندی ہے کہ فلاں خط جو ہم نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اُسے جلا ڈال! تو عاشق کا فرض ہے کہ فوراً جلا ڈالے۔ یہاں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے محبوب کے حرفوں کی توہین کی ہے کیونکہ اس کی خوشنودی اسی امر میں تھی۔ وَھٰذِہٖ مَنْزِلَۃٌ عَظِیْمَۃٌ۔ یہ بڑی زبردست منزل ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے اُس کی راہ میں کافروں کو پکڑ لیا اور ان سے جہاد کیا تو اُس کے احکام بجا لائے اور اُس کی رضا کی طلب ان کا مقصد تھا۔ کیونکہ محبوب کی سلطنت میں عاشق کی مجال نہیں کہ ذرا بھی دست اندازی کر سکے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرسٹھواں مکتوب ۶۷

نیک گمان رکھنے کے بیان میں

بھائی شمس الدین تمھیں معلوم ہو کہ یہ اللہ والے لوگ اوروں کے اعتبار سے خداوند کریم سے بہت ہی اچھا گمان رکھتے ہیں۔ خواجہ یحییٰ معاذ رازی فرماتے ہیں جس کسی کا گمان خدائے بزرگ و برتر کی طرف اچھا نہ ہوگا۔ اس کی آنکھیں اللہ کے راستے کے لیے روشن نہ ہوں گی۔ یہ اس کے مطابق ہے جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی بیان فرمائی ہے۔ حاکیًا عن

Marfat.com

اللہ تعالیٰ۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْیَظُنَّ مَا یَشَاءُ اَیْ اَنَا عَالِمٌ بِظَنِّ عَبْدِیْ فَاَجَازَہٗ عَلٰی وِفْقِ الْمَعْلُوْمِ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے۔ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کو جانتا ہوں۔ اور معلوم کی موافقت پر میں نے اُس کو اجازت دے دی ہے) حضرت یوسف علیہ السلام کے قصّے میں کہا گیا ہے کہ آپ نے حضرت زلیخا سے یہی کہا کہ تمھارا شوہر میرے حق میں اچھا گمان رکھتا ہے۔ اُس نے کہا ہے عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَا (شاید اس کی ذات سے ہم کو نفع پہنچے) بھلا میں اس کے خلاف کیونکر کر سکتا ہوں تو جب مخلوق کسی کافر کے حُسنِ ظن کے خلاف نہیں کرتی تو بدرجۂ اتم یہ ماننا پڑے گا کہ خداوندِ برتر مومنوں کے نیک گمان کے خلاف نہ کرے گا۔ اسی راز کو یوں بیان کیا ہے۔ قطعہ

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب ۔۔۔ گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستان را کجا کنی محروم ۔۔۔ تو کہ با دشمنان نظر داری

(اے ایسے بخشش کرنے والے کہ کافر اور مشرک کو بھی اپنے نامعلوم خزانے سے روزی دیتا ہے تو اپنے دوستوں کو کیسے محروم کرے گا جب کہ دشمنوں پر ... ایسی عنایت کی نظر رکھتا ہے)۔ کسی شخص کے متعلق اچھا گمان رکھنا خدا کی نوازش و عنایت کی دلیل ہے۔ اسی طرح کسی کے حق میں بدگمانی کو اس کے برعکس سمجھو۔ تو جو کوئی کسی کو چشمِ عنایت و کرم سے دیکھے گا وہ یقینی بڑا دوست ہوگا۔ اور یہی خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو شخص خداوند عزوجل کی طرف اچھا گمان نہیں رکھتا خدا کی طرف اس کی آنکھیں روشن نہیں ہوتیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ جو بھی جیسا گمان کرے گا اُس کے ساتھ خدا بھی اسی کے لائق گمان کرے گا۔ جب اُس کی طرف بدگمانی کرے تو خدا بھی اس کے ساتھ برائی کرے گا۔ اور خدا کی طرف سے جس پر برائی نازل ہو گی ہرگز اُس کی آنکھیں روشن نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ بندہ جیسا گمان کرے گا خدا اے بزرگ و برتر بھی اسی کے مطابق کرے گا۔ اگر برا گمان کیا تو خدا بھی اس کے ساتھ برائی کرے گا۔ اور جس کے ساتھ خدا نے برائی کی اس کی آنکھیں روشن نہیں ہو سکتیں۔ اور اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ برُا گمان دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اچھا گمان نیک دوستوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور آنکھوں میں روشنی دشمنوں سے نہیں بلکہ دوستوں سے ہوا کرتی ہے۔ بدگمانی کسی پہلی عداوت کو

Marfat.com

ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح حسن ظن پہلی دوستی اور محبت کی نشانی ہے۔ یہاں پر ایک بہت باریک نکتہ ہے جس سے بہتیرے لوگ مغالطے میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ نکتہ آرزو اور رجا کے فرق کو سمجھنا ہے وہ حسن ظن جو سابقہ محبت کی علامت ہے اور رجا، ان دونوں کی اصل وحقیقت ہے۔ لیکن آرزو کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں۔ ان دونوں، یعنی آرزو اور رجا کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص کھیتی کرنے کے لیے زمین درست کرتا ہے، ہل چلاتا ہے، نگہبانی کرتا ہے، بیج ڈالتا ہے اور مشقتیں جھیلتا ہے اور کاشتکاری کے جملہ سامان ٹھیک کرنے کے بعد امید رکھتا ہے کہ خدا کے فضل وکرم سے کھیت لہلہائے گا اور غلہ پیدا ہوگا اسی کا نام رجا اور گمان نیک ہے۔ لیکن ایک دوسرا شخص گرہستی کا کوئی کام نہیں کرتا۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ کھیت یوں ہی بغیر جوتے پڑتی پڑا ہوا ہے۔ اور فصل کاٹنے کے وقت کہتا ہے کہ "میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ پیداوار گھر لاؤں گا۔" اس آرزو کو جب کوئی بھی صاحب عقل سنے گا تو کبھی پسند نہ کرے گا۔ اور کہے گا کہ اس کو غلہ حاصل ہونے کی امید کیوں ہے؟ تو ایسے شخص کی محض آرزو بغیر کسی محنت ومشقت کے کوئی اصلیت وحقیقت نہیں رکھتی۔ اسی طرح جب بندہ خدا کی عبادت میں جدوجہد کرے۔ جیسا اس نے فرمایا ہے وہ بجالائے منہیات شرعیہ سے کنارہ کش رہے اس کے بعد کہے کہ "میں امید رکھتا ہوں کہ جو کچھ میں بجالایا ہوں اُسے خداوند کریم اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے گا۔ میرے گناہ اور میری کوتاہیوں کو معاف کرے گا اور ثواب بخشے گا۔" گمان نیک اس کو کہتے ہیں۔ اور اس امید کی حقیقت واصلیت ہے مگر جو کوئی غفلت میں پڑا رہے، عبادت چھوڑ کر گناہ کرتا رہے، قہر خداوندی کا کچھ خوف نہ کرے اور اللہ کے وعدے اور وعید پر دھیان نہ دے اور یہ کہے کہ "میں امید کرتا ہوں کہ مجھے خدا بہشت مرحمت فرمائے گا اور عذاب دوزخ سے نجات دے گا۔" یہ محض آرزو ہی آرزو ہے جس کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں۔ اور یہ لاحاصل ہے۔ اس غافل نے اسی کو رجا اور گمان نیک سمجھا ہے۔ اس کی یہ بہت بڑی خطا ہے۔ حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کرتا رہے اور مرنے کے لیے درستی اعمال اختیار کرے۔ اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس اور خواہشات کے پیچھے دوڑتا دوڑتا ہے اس پر بھی خدا سے مغفرت کی امید رکھے۔" ان باتوں کے جاننے کے بعد تم سمجھو گے

یہ لوگ اپنے آپ کو ساری مخلوقات سے حقیر و ذلیل تر سمجھتے ہیں لَا یَرَوْنَھَا اَھْلاً لِشَیْءٍ مِنَ الْخَیْرِ لَا دِیْنًا وَّلَا دُنْیًا۔ (وہ اپنے آپ کو کسی خیر و صلاح کا اہل نہیں پاتے، وہ دنیاوی ہو یا دینی)۔ کیونکہ ان لوگوں نے دیکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کی بزرگی کے باوجود فرمایا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ (میں اپنے کو نفس سے پاک نہیں سمجھتا۔ کیونکہ یہ بُرائی کی طرف لے جاتا ہے) جب حضرت یوسف علیہ السلام کے نفس کا یہ حال ہے جو پیغمبر تھے تو دوسروں کے نفس کا کیا ذکر۔ اسی لیے کہا ہے۔

تا ترا نفسے و شیطانے بود در تو فرعونے و ہامانے بود

(جب تک تجھ میں نفسانیت اور شیطنت ہے جان لے کہ تیرے دماغ میں فرعونیت اور ہامانیت ہے)۔

اگر با نفس میری وائے بر تو بسے گرید ز سر تا پائے بر تو

(اگر تو نفس کو لے کر اس دنیا سے گیا تو تیرے اوپر افسوس ہے۔ کیونکہ سر سے پیر تک تیرے تمام اعضا تیرے اوپر روتے رہیں گے)۔ اس گروہ کا نفس کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ یہ جب دنیا کو خیرباد کہتے ہیں تو اپنے نفس کی ایک مراد بھی پوری نہیں ہونے دیتے۔ اگر ان کا نفس اچھے کام یعنی طاعت و عبادت کے لیے بھی کہے تو یہ اس سے مطمئن نہیں ہوتے۔ کیونکہ نفس تو درحقیقت دشمن ہے تو دشمن کی باتوں پر جس کو یقین و اطمینان ہوگا وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا مؤمن کا نفس دشمن اور خداوند بزرگ و برتر اس کا دوست ہے۔ دشمن کے ساتھ بدگمانی کی ضرورت ہے۔ اور دوستوں کے ساتھ نیک ہی گمان ہوا کرتا ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں جس کسی کو دوست کی ضرورت ہے بھلا وہ کسی دشمن کی صحبت کیوں اختیار کرے گا۔ کیونکہ دشمن سے ملنے جلنے کا مطلب یہ ہے کہ دوست سے قطع تعلق کیا اور رسم و راہ بند کر دی۔ بزرگوں نے کہا ہے۔

دو ہمدم را کہ باہم شان حساب است اگر موئے میان باشد حجاب است

(دو دوستوں کے درمیان اگر محبت ہے تو ان کے بیچ میں اگر ایک بال بھی حجاب بن جاتا ہے)۔ عارفوں کے لیے سوائے خدا کے سوچنا گناہ، بجز خدا کسی چیز کی خواہش شرک اور کسی دوسرے کی صحبت کفر ہے۔ زنا سے زانی اس طرح نہیں بھاگتا جتنا ان باتوں سے یہ لوگ دُور بھاگتے ہیں۔ ان کے نزدیک گناہ اور ظلم یہی ہے نہ وہ کہ جیسا ہم لوگ کیا کرتے ہیں۔ قِیْلَ لِغِلْمَانٍ کَیْفَ حَالُکَ

Marfat.com

مَعَ الْمَوْلیٰ فَقَالَ مَاجَفَوْتُهٗ مُنْذُ عَرَفْتُهٗ فَقِیْلَ لَهٗ مَتیٰ عَرَفْتَهٗ فَقَالَ مُنْذُ سَمُّوْنِیْ مَجْنُوْنًا۔
(غلبان سے پوچھا گیا۔ خدا کے ساتھ تمھارا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا جب سے میں نے اُسے پہچانا پھر کوئی جفا نہیں کی۔ پھر کہا گیا، تم نے خدا کو کب پہچانا؟ جواب دیا جب سے لوگوں نے میرا نام دیوانہ رکھا۔ یہ عجیب الٹی بات ہے۔ جو دل اور جان سے خدا کا ہو رہا وہ دیوانہ کہلاتا ہے اور جس کے دل میں کونین کے مقابلے میں خدا کی جگہ نہ ہو وہ عاقل کہلاتا ہے ؎

زہے دیوانۂ عاقل کہ مائیم نمی خواہیم بجز زلفِ تو زنجیر

(اے محبوب تیری زلف کے سوا ہم اور کوئی زنجیر نہیں چاہتے ہم بھی کیا خوب عقلمند دیوانے ہیں)۔
اس کو طریقۂ ملامتیہ کہتے ہیں اور اس گروہ کے لوگ ملامتی پکارے جاتے ہیں۔ کیونکہ برابر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جاہ و منزلت اور دولت و اقبال آدمی کی رہزنی اس طرح کرتے ہیں کہ اگر ہزار ریت بھی ہوں تو اس طرح نہیں لوٹتے۔ موحد پر یہی دولت و عزت ڈاکہ ڈالتی ہے۔ اسی مطلب کی یہ حکایت حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ کسی شہر میں تشریف لائے لوگوں نے خیر مقدم کیا اور اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ آپ جس قدر لوگوں سے قریب ہوئے اسی قدر خدا سے اپنے آپ کو دُور دیکھا۔ آپ بے چین ہو کر شہر سے نکل بھاگے۔ آپ کے ساتھ شہر والے بھی باہر نکل آئے۔ آپ نے یہ نظارہ دیکھ کر اپنے خادم ابو عبد اللہ دویلی سے کہا۔ "دیکھو اس ہجوم کو ہم اپنے پاس سے کیونکر بھگاتے ہیں؟" خادم نے کہا میں دیکھتا رہا کہ کیا کرتے ہیں۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب یہ سمجھے کہ اب کچھ دُعا کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (میں ہی اللہ ہوں۔ بجز میرے کوئی معبود نہیں۔ تم لوگ میری پرستش کرو) سب نے بیک زبان کہا کہ بایزید کافر ہو گیا۔ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ سب لوگ ان کو تنہا چھوڑ کر لوٹ آئے۔ حالانکہ آپ نے خدائی کا دعوےٰ نہیں کیا تھا، بلکہ قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت فرمائی تھی۔ پھر خادم کی طرف منھ پھیر کر فرمایا "اے لڑکے تو نے دیکھا۔ میں نے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھ کر اتنی بلاؤں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اسی راز کو کہا ہے رباعی

از بہر تو اے یارِ عزیز چالاک ہل تا بدرند پوستینم ہمہ پاک

در عشق یگانہ باشم از خلق چہ باک
معشوق مرا و بر سر عالم خاک

(اے ہوشیار دوست مجھے چھوڑ دے تاکہ تیری محبت کے الزام میں لوگ میری کھال نوچ ڈالیں اور میں اس قید سے آزاد ہو جاؤں۔ اگر میں عشق میں یگانہ ہو جاؤں تو مجھے مخلوق سے کوئی ڈر نہیں معشوق میرا ہو اور میں سارے جہان کے سر پر خاک ڈال دوں)۔ غیر حق کی صحبت شرک ہے اور سوائے حق کے کسی پر نگاہ کرنا حجاب ہے۔ موحّد تنہا ہوتا ہے۔ لوگ تو اس کو دیکھتے ہیں۔ مگر وہ غیر کو نہیں دیکھتا۔ اس کا ڈر سب پر غالب ہوتا ہے۔ اُس کی رجا سب رجاؤں پر، اس کی جلالت سب جلالتوں پر، اُس کی سلطانی سب سلطانوں پر، اُس کی قدرت سب قدرتوں پر، اس کا قہر سب قہروں پر، اور دوسری باتیں بھی اسی طرح بالاتر ہوا کرتی ہیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے جو فرمایا ہے لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ (اللہ تعالیٰ کی معیت میں میرے لیے ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جہاں کوئی مقرب فرشتہ یا کوئی نبی مرسل دم نہیں مار سکتا) خدا کے ساتھ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سِرّ اچھوتا اور منفرد تھا۔ اس گھڑی آپ کے سوا ہر ایک کا راستہ بند تھا۔ یہ کمالِ انفرادیت حضور ہی کو حاصل تھا۔ ہر شخص کو یہ مقام اور درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنی اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق ہر شخص کو جگہ ملتی ہے جب بندے کی نظر کمال حاصل کر لیتی ہے تو یہ جہان اور اس کے جیسے ہزاروں عالم کا اس کو ذرہ برابر بھی خطرہ نہیں ہوتا۔ اسی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہا ہے۔

اگر روشن شود آئینۂ دل
درے بکشاید اندر سینۂ دل

درے کان را چو بر دل بر کشاید
فلکہا پردہ داری را نہ شاید

درے کز وے بر آید ہر چہ خواہی
چہ رازِ دین چہ اسرارِ الٰہی

(اگر تیرے دل کا آئینہ روشن ہو جائے تو سینے میں ایک دروازہ کھل جائے گا۔ جب ایسا دروازہ دل پر کھول دیا جائے تو ساتوں آسمان بھی اس پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ یہ وہ دروازہ ہے کہ جو کچھ تو چاہے گا اس سے برآمد ہوگا۔ وہ دین کے سربستہ راز ہوں یا اسرار الٰہی)۔
تم اس جگہ سے معلوم کرو کہ مشاہدۂ توحید کا دعویٰ تو بہت لوگ کرتے ہیں مگر وہ خود حجاب میں

Marfat.com

پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کو اس کی خبر نہیں۔ سنو، جو شخص خدا سے باخبر ہے اور توحید کا مشاہدہ اس کو حاصل ہے اُس کو غیرِ خدا کا نہ کوئی خوف ہوگا نہ کسی سے کوئی امید، نہ غیرِ حق پر اس کی نظر پڑے گی نہ سوائے خدا کے کسی سے صحبت ہوگی۔ یہی راز ہے جو کسی نے کہا ہے۔ رباعی

تنہا ز ہمہ جہان من، و تنہا تو　　　یا من بمیان رسولؑ آیم یا تو

خورشید را نخواہم کہ برآید بر تو　　　تو آئی بر من سایہ نیاید با تو

(میں ساری دنیا سے کنارہ کش ہو کر تنہا رہ گیا ہوں اور تو بھی واحد و تنہا ہے۔ میرے اور تیرے درمیان کسی رسول کی گنجایش نہیں اس لیے یا میں رسول بن کر درمیان میں آؤں، یا تو۔ تیرا رشک گوارا نہیں کرتا کہ تیرے اوپر سورج کی روشنی پڑے۔ ہاں تو اس طرح میرے سامنے جلوہ افروز ہو کہ تیرا سایہ بھی تیرے ساتھ نہ ہو)۔ اور وہ جو غلبان مجنون نے کہا کہ جب میں نے اس کو پہچان لیا تو پھر کوئی جفا نہیں کی"۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ مجھے اُس نے اپنی معرفت عنایت فرمائی تو میں نے غیر کو دیکھنا یا اُس کے ساتھ مشغول ہونا جفا سمجھا اس مشغولیت کو جفائے مشغولی کہتے ہیں۔ یہ گناہ کے حکم میں نہیں ہے۔ یعنی جب اُس نے اپنی مہربانی سے میری آنکھوں سے پردہ اُٹھا دیا تاکہ اس کا جلوہ دیکھوں، اب اگر میں اُس کے غیر پر نظر ڈالوں تو گویا میں خود بیچ میں پردہ ڈال دوں۔ یہ سراسر جفا ہے کہ وہ پردہ اُٹھائے اور میں پردہ ڈالوں۔ اور یہ روزمرہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے باتیں کرے اور وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو یعنی غور سے اس کی باتیں نہ سنے تو بات کرنے والا کہتا ہے کہ میاں کیا ظلم کرتے ہو کہ میری بات بھی دھیان سے نہیں سنتے۔ اسی طرح اگر ایک دوست اپنے دوست کو دیکھ رہا ہو اور وہ دوست کسی دوسری طرف توجہ کرے تو وہ کہتا ہے کہ یہ کیا ستم ہے "من بتو مشغول و تو با عمرو زید" (میں تو تجھ سے مخاطب ہوں اور تو دوسروں کی طرف متوجہ ہے)۔ اسی معنی کو اصمعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک حکایت میں بیان کرتے ہیں کہ ایک حسینہ کو دیکھ کر میرا دل اس کی طرف متوجہ ہوگیا میں نے اس سے کہا کہ میری مٹی تیری مٹی کے ساتھ متحد ہوگئی ہے۔ یعنی میرا دل تجھ پر فریفتہ ہوگیا ہے"۔ اس نے کہا۔ "اگر تیری مٹی میری مٹی سے مشغول ہے تو میری مٹی تیری مٹی کا حصّہ ہے (یعنی میں تیری ہوں)، مگر میری ایک بہن ایسی ہے کہ اگر تو اُسے دیکھ لے تو میرا حسن و جمال بھول جائے"۔ میں نے پوچھا "وہ کہاں ہے

اُس نے کہا "تیرے پیچھے ہے"۔ میں نے منہ پھیر کر اپنے پیچھے دیکھا۔ اُس نے جھپٹ کر میری پیٹھ پر ہاتھ مارا اور کہا "اے جھوٹے مکار اگر تیری مٹی میری مٹی کے ساتھ مشغول تھی تو مجھے چھوڑ کر دوسرے کی طرف کیوں دیکھا؟" اہلِ معرفت کے نزدیک جفا اس کا نام ہے۔ اور یہ جو کہا کہ جب سے میں نے اُسے پہچانا ہے لوگ مجھے دیوانہ کہنے لگے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جس کو جتنی معرفت حاصل ہوتی ہے اتنا ہی وہ مخلوق سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اس لیے لوگ اُسے دیوانہ سمجھتے ہیں۔ عارف کی یہی صفت ہے کہ لوگ جتنا اُس سے ملنا چاہتے ہیں وہ اُن سے دُور بھاگتا ہے۔ اور جس قدر لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اُسے وحشت ہوتی ہے۔ اس کی صفت، اس کا فعل و عمل اور حال و قال مخلوق کی ضد اور مخالف ہوتا ہے اس لیے سب اُسے دیوانہ کہتے ہیں۔ اس کی ایک تاویل اور ہے اور وہ یہ ہے کہ کہا ہے اَكْثَرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ بُلْهٌ (اکثر جنتی لوگ بے وقوف معلوم ہوتے ہیں)۔ دیکھتے نہیں کہ جو شخص لوگوں سے دُور بھاگتا ہے اور اہلِ دنیا کی طرف نظر نہیں کرتا لوگ اُسے احمق کہتے ہیں۔ اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کیونکہ جس طرح دیوانہ عقلمندوں کے نزدیک پاگل ہوتا ہے اسی طرح دیوانے عقلمندوں کو پاگل سمجھتے ہیں! ایک عزیز نے ان کی صفت اس طرح بیان کی ہے۔ قطعہ

آنان کہ ہمیشہ در نماز اند — پندار کہ محرمانِ راز اند
بر ہیچ کسے نیازِ شان نے — اِلّا کہ بہ ذکرِ بے نیاز اند
در بوتۂ فقر می بسوزند — با اندہِ خویش می بساز اند
یک بار بریدہ از دو عالم — وز دونِ خدا در احتراز اند

(جو لوگ ہمیشہ نماز میں مستغرق ہیں سمجھ لو کہ یہی واقفِ اسرارِ الٰہی ہیں۔ اُن کی نیازمندی کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتی۔ مگر یہ کہ وہ ہمیشہ خدائے بے نیاز کے ذکر میں محو رہتے ہیں۔ وہ فقر کی بھٹی میں جلتے رہتے ہیں اور اپنے رنج و غم میں مگن رہتے ہیں۔ انھوں نے دونوں جہان سے ترکِ تعلق کر لیا ہے اور غیرِ حق سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں) بعض کتابوں میں نازل ہوا ہے خَلَقْتُ جَمِيْعَ الْعَالَمِ لَكُمْ وَخَلَقْتُكُمْ لِيْ (میں نے سارا جہان تمھارے لیے پیدا کیا اور تم کو اپنے لیے)۔ ایک دن ایک دیندار آدمی آئینہ دیکھتا تھا اور حیرت کے ساتھ سوچ رہا تھا کہ مجھ کو

Marfat.com

پیدا کرنے میں خدا کی کون سی حکمت تھی؟ آئینہ سے ندا آئی اور اُس نے سنی حِکْمَتِیْ فِیْ خَلْقِكَ مَحَبَّتِیْ (تجھے پیدا کرنے میں میری حکمت وہ محبت ہے جو تیرے دل میں ہے) - یہ ایک راز ہے جو سب کی نظر سے پوشیدہ ہے تاکہ حاسدوں کی نظر اُس پر نہ پڑے - اے بھائی! اگر وہ تم کو بادشاہی نہ دیتا تو تم سے اُس کی معرفت درست نہ ہوتی - کیونکہ بادشاہوں کو بادشاہوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں پہچان سکتا - قرآن پاک سے سنو ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوْكًا (پھر ہم نے تم کو خلیفہ بنایا اور تمھیں بادشاہی دی) حضرت خواجہ نظامی علیہ الرحمۃ نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

خاکِ تو آمیختہ رنجہا است — در دلِ این خاک بسے گنجہا است
خاکِ تو آن روز کہ می بیختند — از پئے معجونِ دل آمیختند
ما کہ ز صاحب خبران دلیم — گوہرے ام گرچہ ز کانِ گلیم
بر فلک آے ار طلبِ دل کنی — تا تو درین خاک چہ حاصل کنی

(اے خاک کے پتلے انسان، بہت سے رنج و غم ملا کر تیرا خمیر گوندھا گیا ہے اور اس آب و گل میں بہت سے خزانے رکھ دیے ہیں - اُس روز تیری خاک کو اس لیے چھانا تھا کہ معجون دل میں اس کو ملا یا جائے - ہم لوگ عالمِ دل سے باخبر اور واقف ہیں - اگرچہ ہم مٹی کی کان سے برآمد ہوئے ہیں لیکن ایک بیش بہا اور انمول موتی ہیں - اگر تجھے عالمِ دل کی طلب ہے تو آسمان کی طرف پرواز کر اور دیکھ کہ تو اپنے عالمِ خاک سے کیا دولت حاصل کر سکتا ہے) - والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اڑسٹھواں مکتوب ۶۸

عالمِ آخرت کے متعلقات میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین خدا تم کو نیک بختی کی راہ دکھائے - جانو کہ آخرت کی راہ پر چلنے والے دو گروہ ہیں - سعید و شقی - اور ہر گروہ کے لیے اپنا ایک راستہ اور قدم ہے کہ وہ اپنے مقررہ راستے پر چلتے ہیں - اور ایک ایک منزل ہے کہ وہ اُس کی سیر کرتے ہیں اور ہر ایک کا ایک ایک منتہا ہے کہ خود اپنی رفتار سے وہاں تک پہنچتے ہیں - پس جانو کہ وہ جو سعید کہے جاتے ہیں

Marfat.com

وہ بھی دو گروہ ہیں۔ خواص و عوام۔ عوام تو مخالفتِ نفس اور ترک لذات و شہوات کے راستے سے احکام شریعت کے مطابق عبادت اور سنت کی اتباع کرتے ہوئے بہشت اور اس کے درجات تک پہنچتے ہیں۔ اور خواص یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ اس کو دوست رکھتے ہیں) طریقت کی راہ پر گامزن ہو کر فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ (متقی لوگ اپنے بادشاہ بڑی قدرت والے کے پاس مسندِ صدق پر رونق افروز ہوں گے) اور مقامِ عندیت اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَھَرٍ (ڈر والے باغوں اور نہروں میں اتریں گے)۔

منکر چہ شوی زحالِ درویشان
نے ہر چہ ترا نیست کسے را نبود

(فقیر دل کی حالت پر جو خدا کی نوازشیں ہیں تو اس کے ماننے سے کیوں انکار کرتا ہے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ جو دولت تجھے نہیں ملی وہ کسی کو نہ ملی ہوگی)۔ اور شقی بھی دو گروہ ہیں۔ ایک شقی اور دوسرا اشقی۔ شقی اس امت کے بعض وہ گنہگار ہیں جو اپنے نفس کی خواہشات پر قائم رہے اور احکام خداوندی کی مخالفت پر اصرار کرتے رہے اور لذات و شہوات نفسانی و حیوانی میں مگن رہے۔ وہ گناہ کے راستے پر چل کر طبقاتِ جہنم میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اشقی کافروں کی صفت ہے کہ وہ ہر طرح دنیا ہی کے طالب رہے اور اس نعمتوں میں زندگی بسر کرتے رہے۔ وہ مدت العمر لذات و شہواتِ نفسانی و حیوانی میں مست رہ کر دین و آخرت کے کام سے بے خبر رہے اور فانی نعمتوں کے ساتھ کھیلتے رہے۔ دنیا بھی پوری طرح ہاتھ نہ آئی اور آخرت بھی برباد ہوئی۔ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ (جس نے دنیاوی کھیتی کا ارادہ کیا ہم اس کو عطا کر دیتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا)۔ اور وہ جو شقی کا گروہ ہے وہ ایمان کا ایک حصہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ زبان سے اقرار کرتے ہیں اگرچہ ارکان و اعمالِ شرعیہ بجا نہیں لاتے بالضرور اللہ تعالٰی کی وعید کے مطابق دوزخ میں جائیں گے اور عذاب کی تکلیف کا مزا چکھیں گے مگر آخر کار اس دولت کی برکت سے کہ زبان سے اقرار کرتے ہیں عذاب سے نجات پائیں گے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ایک گروہ کو دوزخ سے باہر نکالیں گے۔ وہ کوئلے کی طرح جلے ہوئے ہوں گے۔ اُن کو نہرِ حیات میں غوطہ دیا جائے گا تو ان کے بدن پر گوشت پوست پیدا ہو جائے گا جب وہاں سے لائیں گے تو ان کے چہرے چاند

Marfat.com

کی طرح چمکتے ہوئے ہوں گے۔ ان کی پیشانی پر لکھا ہوگا۔ ھٰؤُلَآءِ عُتَقَاءُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ۔ یہ لوگ دوزخ سے اللہ کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ لیکن گروہِ اشقیٰ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ان کی کبھی نجات نہ ہوگی۔ کیونکہ ان میں کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے نور کا کوئی نشان واثر نہ ہوگا، جس کی بدولت خلاصی کی امید ہوتی ہے اس لیے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور دوزخیوں کے ہر گروہ کے لیے طبقاتِ جہنم میں ایک ایک مقام جداگانہ ہوگا۔ جیسا منافقوں کے حق میں فرمایا گیا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ ایک کے کفر و نفاق سے دوسرے کے کفر و نفاق تک تھوڑا تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا طریقہ اور منزل جداگانہ ہے۔ کافروں میں بھی مقلد اور محقق ہیں۔ اور جس طرح محقق کے ایمان کو مقلد کے ایمان پر فضیلت ہے، اس طرح محقق کافر کا عذاب مقلد کافر کے عذاب سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ کفر تقلیدی وہ ہے جو ماں باپ سے ملا۔ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ[1] انھوں نے جو کچھ ماں باپ اور ملک کے لوگوں کو کرتے دیکھا وہی کیا۔ ایسے لوگ دوزخ کے طبقۂ اوّل میں رکھے جائیں گے۔ اور کفر تحقیقی وہ ہے کہ جو کچھ ماں باپ سے پایا اور اُن کو کرتے ہوئے دیکھا اسی پر بس نہیں کیا بلکہ محنت اور کوشش کرکے دلائل ڈھونڈنے لگے اور مدتوں اس کی تحصیل میں کتابیں دیکھیں اور اس علم کی ریاضت و مجاہدے میں عمر گنوادی۔ نفس کی صفائی کی کوشش کی اس لیے کہ غور و فکر کرکے عقلی دلائل و براہین حاصل کریں جس کے ذریعہ شک و شبہ پیدا کیا جاسکے اور صانع کے وجود کی نفی ہوسکے یا صانع کے ثبوت کی دلیلیں کمزور کردیں اور کہیں کہ صانع مختار نہیں ہے اور اس کو جزئیات کا کوئی علم نہیں ہے۔ اور اسی طرح کے بہت سے کفریات ہیں جو ہر ایک گروہ بکا کرتا ہے۔ ان کی نگاہ اور دلوں میں شیطان بسا ہوا ہے جب ہی تو یہ دعوے کرتے ہیں کہ جو کوئی یہ علم واعتقاد نہیں رکھتا، وہ علم و معرفت میں ناقص ہے۔ یہاں تک کہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ انبیاء فلاسفر تھے انھوں نے جو کچھ کہا ہے اپنی حکمت سے کہا ہے۔ اسی قسم کے شبہے اور فاسد خیالات سامنے لا کھڑا کرتے ہیں اور اسی مہلک اور فتنہ انگیز علم کی تحصیل میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی کا نام "علمِ حصولِ دین" رکھا ہے۔ تاکہ کوئی شخص

---

[1] ترجمہ:۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا ہے اور ہم اُنھیں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

ان کے عقیدے کی خباثت سے باخبر نہ ہونے پائے اور جاہل و بے بصیرت لوگ ان کی تقلید میں کفریات قبول کریں۔ اور دائرۂ اسلام سے کلیۃً خارج ہو جائیں۔ ایسی ایسی آفتیں بہت ہیں خدا ان سے پناہ دے۔ اے بھائی! اگر گنہگاروں کو طاعت نصیب نہیں تو گناہ تو ہے۔ سنو، اس میں ایک راز پوشیدہ ہے۔ خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے لَوْلَا اَنَّ الْعَفْوَ مِنْ اَحَبِّ الْاَشْیَاءِ اِلَیْہِ مَا ابْتَلٰی اٰدَمَ بِالذَّنْبِ وَھُوَ اَکْرَمُ الْخَلْقِ اِلَیْہِ (اگر خدا کے نزدیک عفو گناہ ہر چیز سے زیادہ پیارا نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام کو گیہوں کھانے میں مبتلا نہ کرتا جبکہ وہ اُس کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ عزیز تھے)۔ دیکھتے نہیں کہ بادشاہ کا خاص غلام فرش کے کنارے کھڑا رہتا ہے اور ندیمان و ارکانِ دولت تختِ شاہی کے آس پاس بیٹھا کرتے ہیں مگر اس غلام کی دُوری میں سو ہزار لطیفے ایسے پوشیدہ ہوتے ہیں جو ارکانِ سلطنت اور درباریوں کے اس قرب میں نہیں۔ اس غلام کی دُوری گمراہی کی دُوری نہیں ہے بلکہ ثبوتِ قرب کی دُوری ہے۔ ہزاروں قرب کا راز اس ظاہری دُوری میں پوشیدہ ہے اور لاکھوں بعد کے اسرار ظاہری نزدیکی میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ حیرت پر حیرت بڑھتی رہے۔ تم دیکھتے ہو کہ شاخ کسی درخت کی مسجد میں ہوتی ہے اور اُس کی جڑ کلیسا و بتخانہ میں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شمشیر برہنہ چلے آ رہے ہیں اور غیب سے آواز آتی ہے طَرِّقُوْا لِعَبِیْدِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (خداوندِ دوجہاں کے بندے کو آنے کا راستہ دو)۔ بھلا حیرت کی کوئی انتہا ہے ایک عارف نے کہا ہے۔ قطعہ

اے بر آبِ زندگانی آتشے برافروختہ　　واندران ایمان و کفرِ عاشقان را سوختہ
گہ بقہر از جعدِ مشکین تیغہا افراختہ　　گہ بلطف از لعلِ نوشین شمعہا افروختہ
یوسفِ عشقت بیک ساعت بچاہ انداختہ　　ہرچہ در صد سال از دے عقلِ ما اندوختہ

(تو نے چشمۂ آبِ زندگانی کے پاس الاؤ جلا رکھا ہے اور اس دہکتی آگ میں عاشقوں کے کفر و ایمان کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ کبھی اپنے غصے میں زلفِ مشکیں سے تلواریں نکالتا ہے کبھی از راہِ عنایت اپنے میٹھے لبوں سے شمعیں روشن کرتا ہے۔ تیرے یوسفِ عشق نے کنوئیں میں ہم ایک ساعت میں ڈبو دیا۔ جو ہماری عقل نے سیکڑوں برسوں میں جمع کیا تھا۔ والسلام

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انھتّرواں مکتوب ۶۹

اسباب کے تعلق اور اس کے ترک میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تم کو عزت دے۔ جانو کہ گروہِ صوفیہ کا حال اسباب کے ساتھ تعلق رکھنے اور اسباب سے کنارہ کشی اختیار کرنے میں مختلف ہے۔ بعض ان میں ایسے ہیں جن کا دل فتوحاتِ غیبی پر مطمئن رہے وہ کسی سببِ ظاہر پر مائل نہیں ہوتے نہ روزی کے لیے کوئی کسب کرتے ہیں نہ کسی کے سامنے دستِ سوال پھیلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا حال ان کے ترکِ اسباب پر حکم کرتا ہے۔ اور صریح توحید ان پر کھل جاتی ہے۔ اور انھیں یقین کامل ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہی رزّاق اور حقیقی کفیل ہے۔ اس لیے رزق کا غم اور اس کے حصول کی فکر ان کے دل سے زائل ہو جاتی ہے جس کسی کا یہ حال ہے اس کو خدا کی طرف سے تونگری حاصل ہے حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کوئی کسب نہیں کرتے۔ پھر پیٹ کا دھندا کیسے چلتا ہے؟ آپ نے فرمایا میرا خدا جو کتّے اور سُور تک کو روزی دیتا ہے وہ بایزید کو بھوکا نہ رکھے گا۔ اور یہ جو بزرگوں میں سے کسی نے کہا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کو اپنے خدا سے بھی کوئی طلب و حاجت نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے متعلق وہ صدق و یقین رکھتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ اگر وہ نہ مانگے گا تب بھی اللہ تعالیٰ اس کی روزی اس کو بالضرور پہنچائے گا۔ اسی موقع کے لیے کہا گیا ہے۔ ؎

روزی تو باز نہ گردد ز دَر کارِ خدا کن غمِ روزی مخور

(تیری روزی تیرے گھر سے واپس نہیں لوٹ سکتی۔ تو خدا کا کام کیے جا روزی کا غم نہ کر)

کسب و ہنر کی اصلیت حضرت آدم علیہ السلام سے منسوب ہے۔ آپ نے کھیتی باڑی خود کی اور اپنی اولاد کو سکھائی۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت شعیب علیہ السلام سوداگر تھے اور مویشیوں کے مالک تھے موسیٰ علیہ السلام آپ کے یہاں گلہ بانی کا کام کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنایا کرتے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام چھوارے کی پتیوں سے تھیلا بُنتے تھے۔

اور جَو کی دو روٹیوں میں بیچ دیتے تھے۔ ایک روٹی فقیروں کو خیرات کرتے اور ایک سے خود روزہ افطار کرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں اتنے مویشی تھے کہ چار ہزار زر خرید غلام ان کی چرواہی اور رکھوالی کرتے تھے۔ اکابر صحابہؓ کی تجارت بھی معروف و مشہور ہے۔ جیسے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ اگر ایسا ہوتا کہ کسبِ معیشت سے توکل کو نقصان پہنچتا تو انبیاء علیہم السلام اس سے کوسوں دُور رہتے۔ چونکہ یہ لوگ بہ اعتبار دوسروں کے توکل کے مقام میں کہیں بلند و برتر ہیں۔ ورنہ حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یاران و اصحاب کو کسب کرنے سے روک دیتے تاکہ ان کے توکل کو نقصان نہ پہنچے۔ اور ایسے لوگوں پر تو کسب کرنا فرض ہے جن پر کسی کا کھانا کپڑا واجب ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کا اناج رکھ دیا کرتے تھے۔ لیکن کہا گیا ہے کہ کسب اس طرح اختیار کرے کہ خدا سے اُس کی نظر نہ ہٹنے پائے۔ اگر کوئی شخص اپنے نفس کو اس حال میں دیکھے کہ اگر میں کسب نہ کروں گا تو میرا نفس خدا سے پھر جائے گا اور مخلوق کا دروازہ کھٹکھٹائے گا تو اُس پر نماز کی طرح کسب کرنا فرض ہے۔ پھر اگر کسی کو کسب کرنے سے کسب ہی پر بھروسا ہو جائے تو اُسے کسب کو ترک کر دینا بہتر ہے۔ ہر موقع پر اپنی حالت کو دیکھتا رہے اور ظاہر و باطن میں اسی کی رعایت مدِّ نظر رکھے کہ اگر ترکِ کسب سے خدا سے روگردانی کا خطرہ ہو تو کسب کرنا بہتر ہے۔ اور اگر ترکِ کسب ہی خدا تک پہنچا دیتا ہے اور کسب راندۂ درگاہ بناتا ہے تو ترکِ کسب ہی اولیٰ اور بہتر ہوگا۔ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا شریعت کی رُو سے کسب کرنے کا اطلاق نوافل کی طرح ہے، اس معنی میں نہیں کہ کسب کرنے سے روزی حاصل ہوتی ہے یا اُس سے منافع حاصل کرنے کی امید کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ روزی کی طلب ایک مباح چیز ہے جیسے نفل روزہ یا نفل نماز وغیرہ کہ ان کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے لیکن منفعت کی ان سے امید کرنا شرک ہے۔ جیسے نماز روزہ کہ جتنا بھی کیا جائے اچھا ہے لیکن ان سے نجات کی امید کرنا نہ چاہیے کیونکہ خدا کے سوا بندہ کسی دوسری چیز سے اپنی نجات وابستہ کرے تو شرک ہے۔ عبادت و بندگی، خدا کی عظمت و جلال اور اپنی عبدیت کی صداقت کے لیے بجا لانا چاہیے۔ جیسا کہ کہا ہے ؎

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ

(جب کہ تیری محبت سچی ہے تو میں اس کی پرستش کرتا ہوں کیونکہ محبت کرنے والا جس کی محبت کرتا ہے اُس کا فرمان بردار ہوتا ہے) لیکن اس کے باوجود نجات کو خدا کی بخشش اور کرم سمجھنا چاہیے نہ کہ اپنی خدمت و عبادت کا نتیجہ۔ کسب کو بھی اسی طرح جانو۔ کسب اختیار کرو لیکن روزی کو کسب پر منحصر نہ سمجھو بلکہ خدا کی طرف سے عطا و کرم جانو کہ اُس نے اپنی بخشش کا دروازہ تم پر کھول دیا۔ جس طرح اُس نے تم کو بندگی کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو فاقے سے تنگ آکر سوال کے حاجتمند ہوتے ہیں۔ کہا ہے کہ اگر درویش اپنی کوشش اور طاقت کو کچھ عرصہ تک قائم رکھے تو اس کی ضروریات پوری ہونے لگتی ہیں۔ اور اگر خدا سے طلب کرے لیکن عنایت کا دروازہ اس پر نہ کھولا جائے اور تقدیرِ الٰہی اس پر ظاہر نہ ہو اور اپنے فرائض و نوافل کی مشغولیت میں اتنا وقت نہ پائے کہ کسب اختیار کرے اس وقت جائز ہے کہ لوگوں سے سوال کرے کیونکہ ایسی صورت میں صلحا اور بزرگوں نے سوال کیا ہے۔ حضرت خواجہ ابوسعید حرازی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ فاقہ کے وقت آپ سوال کرتے تھے۔ اور کہتے تھے ثُمَّ شَيْئًا لِلّٰهِ (خدا کے لیے کچھ ہے)۔ اور خواجہ ابو حفص حداد جو خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہما کے استاد تھے مغرب اور عشا کے درمیان گھر سے باہر نکلتے اور دو ایک آدمی سے اپنی ضرورت کے مطابق سوال کرتے تھے، وہ بھی ایک دو روز کے بعد جب تک اسی پر گذر بسر کرتے۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک زمانہ تک بصرہ کی جامع مسجد میں معتکف رہے۔ تین دن راتوں میں ایک رات افطار کرتے اور جس رات افطار کرتے دروازے دروازے پھر کر بھیک مانگتے تھے۔ حضرت خواجہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ حجاز سے یمن تک سفر کرتے اور راستے میں لوگوں سے مانگا کرتے تھے۔ جن جن بزرگوں کا اس مکتوب میں ہم نے ذکر کیا ہے ان کے حدود آداب کو ملحوظِ خاطر رکھیں اور اس سے آگے قدم نہ بڑھائیں۔ جب فقیر اپنے نفس کو کے ذریعہ ریاضت و سیاست میں لے آتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کو ایک علم اور ایک بصیرت فرماتا ہے کہ اُس کی روشنی میں سبب اختیار کرتا ہے یا سبب کو ترک کر دیتا ہے۔ اور فقیر کے ضروری ہے کہ حتی الامکان سوال نہ کرے۔ کیونکہ اس میں رغبت و رہبانیت کا بڑا خطرہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

الغرض مشائخین رضوان اللہ علیہم نے تین وجہوں سے سوال کرنا جائز رکھا ہے۔ ایک تو فراغتِ دل کے لیے جو نہایت ضروری چیز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک اس گروہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں جو دن رات انتظار ہی کرتے گذار دے جیسے اور کوئی کام کرنے کی ان کو حاجت ہی نہیں۔ ہمارے احتیاجات میں دربارِ خداوندی سے طلب کرنے کے لیے روٹی کے مشغلے سے بڑھ کر اور کوئی اضطراری مسئلہ نہیں۔ اسی لیے خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید سے جو آپ کی زیارت کے لیے آئے تھے ان کے پیر کا حال پوچھا۔ اُنھوں نے کہا وہ تو خلق اللہ سے کنارہ کش ہو کر طریق توکل اختیار کیے بیٹھے ہیں۔ خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا۔ تم جب یہاں سے واپس جاؤ تو ان سے کہنا کہ بھائی، تم دو روٹیوں سے اللہ تعالےٰ کا امتحان نہ لو، بلکہ جب بھوک لگے تو اپنے ہم جنسوں سے دو روٹیاں مانگ لیا کرو اور توکل کا بلند بالائے طاق رکھ دو تاکہ یہ ملک اور یہ شہر اس کارنامہ کی نحوست سے زمین میں نہ دھنسا دیا جائے۔

دوسرے نفس کو کچلنے کے لیے در در بھیک مانگیں تاکہ ذلت و خواری نصیب ہو اور اپنی قدر و قیمت معلوم ہو جائے کہ لوگ ان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے ملے تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اے ابابکر تجھے بڑا گھمنڈ اور غرور اس بات کا ہے کہ تو خلیفۂ وقت کے حاجب الحجاب کا لڑکا اور امیر زادہ ہے تیرا کوئی کام نہیں بن سکتا جب تک تو بازار کی دوڑ نہ لگائے اور دکان دکان پھر کر بھیک نہ مانگے۔ جب کہیں تجھ کو اپنی قیمت معلوم ہوگی۔ انھوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ ان کی طلب صادق تھی۔ رفتہ رفتہ اُن کی دریوزہ گری کی آمدنی کم ہوتی گئی۔ ایک برس کے بعد تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ پورے بازار میں چکر لگاتے، روتے گڑگڑاتے لیکن ایک دمڑی چھدام بھی کوئی نہ دیتا۔ آپ واپس آکر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے حال بیان فرماتے۔ آپ سن کر فرماتے۔ ہاں، اب تو نے مخلوق کے نزدیک اپنی قیمت جان لی کہ تو ایک دمڑی کے لائق بھی نہیں ہے۔ یہ بھی ریاضتِ نفس کی ایک خاص قسم ہے تیسری قسم یہ ہے کہ مخلوق سے سوال کریں یہ سمجھ کر کہ ساری دولت خدا کی ہے اور وہی ہر شے کا مالک ہے اور تمام خلق اس کی وکیل ہے۔ تو جس چیز کی حاجت اپنے نفس کے لیے دیکھتے ہیں، اُس کے وکیل سے مانگتے ہیں لیکن اپنا روئے سخن خدا ہی کی طرف رکھتے ہیں۔ مشاہدہ معروف ہے کہ اپنا

Marfat.com

حصہ اس کے وکیل سے طلب کرنا زیادہ قرینِ ادب و احترام ہے بہ نسبت اس کے کہ بلا واسطہ مولیٰ سے مانگیں۔ پس مخلوق سے سوال کرنا خدا سے حضوری اور توجہ کی علامت ہے نہ کہ حق سے دُوری یا اعراض۔ خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے اپنی ماں سے کہا کہ "مجھ کو فلاں چیز کی ضرورت ہے۔" ماں نے کہا "خدا سے مانگ۔" اس نے کہا اے مادرِ مہربان مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنے نفس کی ضرورت خدا سے طلب کروں۔ جو کچھ آپ عنایت کریں گی وہ بھی تو اسی کا ہے۔ پس سوال کرنے کے آداب یہ ہیں کہ سوال پورا ہونے پر اس سے زیادہ خوش نہ ہوں جتنا کہ سوال نہ پورا ہونے پر۔ مخلوق کو درمیان میں نہ دیکھے بلکہ اپنی نظر بہرحال خدا پر رکھے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ سوائے اس شخص کے کہ جس کے مال پر حلال ہونے کا یقین ہو اور کسی سے اپنی ضرورت بیان نہ کرے۔ اور اس کا بھی خیال رہے کہ اس بھیک کے پیسوں سے شان و شوکت اور شادی نکاح کا سامان نہ کرے اور اپنی ملک سمجھ کر جمع نہ کرے۔ یہ صرف وقت گذاری کے لیے ہے اور کل کی فکر نہ کرے اور اپنی بزرگی و پارسائی کا ڈھنڈورا نہ پیٹے تاکہ لوگ متاثر ہو کر اسے کچھ دیا کریں۔ صوفیوں میں سے ایک بزرگ کسی جنگل سے کوفے کے بازار میں آئے فاقہ مست اور جنگل کی سختیاں جھیلے ہوئے۔ ہاتھ پر ایک چڑیا بٹھائے ہوئے کہتے تھے "اس چڑیا کے لیے مجھ کو کچھ دو!" لوگوں نے کہا یہ کیسا سوال ہے؟ انھوں نے کہا کہ میرے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ میں کہوں کہ خدا کے لیے مجھ کو کچھ دو۔ اس حقیر دنیا کے لیے حقیر ہی چیز کا وسیلہ اور شفیع لاتے ہیں۔ اس لیے اس چڑیا کا واسطہ دے کر مانگتا ہوں۔ سبب اختیار کرنے اور سبب کو ترک کرنے کے متعلق یہ احکام تھے جو اس مکتوب میں لکھے جا سکے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سترواں مکتوب

اس گروہ کی صحبت کے بیان میں

میرے بزرگ بھائی شمس الدین۔ خدا تم کو اپنے صدیقوں کی صحبت نصیب کرے۔ سیم مرید کے لیے صحبت بھی ایک بڑی اہم چیز ہے۔ اور طبیعتوں میں صحبت کی غیر معمولی تاثیر ہوا کرتی

Marfat.com

یہاں تک کہ باز جو ایک پرندہ ہے آدمی کی صحبت میں دانا ہو جاتا ہے۔ اور طوطا بولنے لگتا ہے۔ تربیت سے گھوڑے انسان کی صحبت میں رہ کر حیوانیت چھوڑ دیتے اور آدمی کی عادتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔ اور صحبت کا اثر ہر شخص کے دیکھنے اور مشاہدے میں آتا ہے۔ اور یہ سب صحبت ہی کا اثر ہے کہ ان کی اصلی عادت اور فطری طبیعت مغلوب ہو جاتی ہے۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین پہلے ایک دوسرے سے حقِ صحبت طلب کرتے اور مریدوں کو اس کے لیے تاکید فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے یہاں صحبت فرضیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ان سب کی اصل بنیاد یہی ہے کہ نفس سرکش عادات کا تابع ہوتا ہے اس کو اسی سے آرام اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ جس گروہ کی صحبت اختیار کرے گا انھیں کے افعال کو اپنائے گا حق و باطل کی ساری ارادتیں اس میں مرکب ہیں۔ جو جو معاملے اور ارادت یہ دیکھتا ہے وہ اس میں پرورش پاتی رہتی ہیں اور اسی کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَعَ مَنْ یُّخَالِلُ (آدمی وہی دین اور راستہ اختیار کرتا ہے جو اُس کے دوست کا ہوتا ہے۔ پس دیکھو کہ وہ کس کے ساتھ صحبت اور دوستی کرتا ہے)۔ اگر نیک لوگوں کی صحبت میں رہتا ہے تو وہ خود اگرچہ بُرا ہے لیکن اُن کی صحبت اُسے اچھا بنا دے گی۔ اور اگر بُروں میں بیٹھا کرتا ہے تو خود اگرچہ اچھا ہے لیکن اُن کی صحبت اُسے بُرا بنا دے گی۔ کیونکہ جو چیز اُن میں ہوگی اسی کا حاصل کرنا اُس کی خوشنودی ہے۔ تو چونکہ یہ لوگ بُرے قماش کے ہیں اُسے بُرائی سے خوشی حاصل ہوگی۔ اگرچہ بذاتِ خود یہ نیک تھا لیکن بُرا بن جائے گا۔ قصّہ ہے کہ ایک شخص کعبے کا طواف کر رہا تھا۔ اور کہتا جاتا تھا اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اَخْوَانِیْ (اے اللہ میرے بھائیوں کو صالح بنا دے) لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ اس متبرک مقام میں تم اپنے لیے نہیں مگر اپنے بھائیوں کے لیے دعا مانگتے ہو اُس نے کہا میرے چند بھائی ہیں جب میں لوٹ کر اُن کے پاس جاؤں گا اگر ان کو نیک احوال میں پاؤں گا اُن کی نیکیوں کی برکت سے صالح ہو جاؤں گا۔ اور اگر انھیں بدحال اور خراب پاؤں گا تو اُن کی خرابی سے میں بھی بُرا ہو جاؤں گا۔ چونکہ مصلحوں کی صحبت سے میں نیک اور صالح ہو جانے کا فائدہ اُٹھا سکتا ہوں اس لیے اپنے بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہوں تاکہ بھائیوں سے میرا کام نکلے۔ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے کہا ہے جس بھائی اور دوست کی صحبت سے تجھے اس جہان کا

کوئی فائدہ حاصل نہ ہو اُس کے ساتھ نہ رہا کر۔ ایسے شخص کی صحبت ہمیشہ تجھ پر حرام ہے۔ اس کی شرح اس طرح بیان کی گئی ہے کہ عام طور سے، اپنے سے بڑے یا اپنے سے چھوٹے درجہ کے لوگوں کی صحبت ہوا کرتی ہے۔ اگر اپنے سے بڑے کی صحبت اختیار کی تو خود فائدہ اُٹھایا۔ اور اگر اپنے سے کمتر کی صحبت میں رہا تو اُن کو تو نے فائدہ پہنچایا۔ اگر تو نے اُن سے سیکھا، یا انھوں نے تجھ سے سیکھا تو دینی فائدہ حاصل کیا۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَکْثِرُوْا مِنَ الْاِخْوَانِ فَاِنَّ رَبَّکُمْ حَیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ اَنْ یُعَذِّبَ عَبْدَہٗ بَیْنَ اِخْوَانِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (بہت زیادہ بھائی بناؤ، حفظِ آداب اور اُن کے نیک معاملے کیلیے، کیونکہ خداوند تعالیٰ حی اور کریم ہے۔ وہ اپنے کرم کی وجہ سے پسند نہیں فرماتا کہ قیامت کے دن بھائیوں کے سامنے اُس کو عذاب دیا جائے) مگر چاہیے کہ خدا کے لیے صحبت ہو، حصولِ مرادِ دنیاوی یا خواہشِ نفس کیلیے نہ ہو۔ کہا گیا ہے کہ تنہا رہنا مرید کو ہلاکت و تباہی میں ڈالتا ہے پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَلشَّیْطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ (شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ رہتا ہے اور جہاں دو ہوں، اُن سے دور ہو جاتا ہے)۔ اور خداوند عزوجل نے ارشاد فرمایا مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ (تم میں راز کی باتیں کرنے والے تین آدمی جہاں ہوں گے وہاں چوتھا خداوند تعالیٰ ہوگا۔ الغرض مرید کے لیے اکیلے رہنے سے زیادہ دشوار اور کوئی چیز نہیں نقل ہے کہ خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو وسواس سما گیا کہ میں کمال کے درجے تک پہنچ گیا ہوں اب ترکِ صحبت سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ خلوت میں تنہا بیٹھ گئے۔ جب رات ہوئی تو ایک جماعت نے آکر ان سے کہا "یہ گھوڑا حاضر ہے اس پر بیٹھیے اور بہشت کی سیر کو چلیے"۔ وہ سوار ہو کر روانہ ہوئے اور ایک سرسبز شاداب مقام میں پہنچے۔ یہاں حسین و جمیل آدمی لذیذ کھانے لیے کھڑے تھے اور نہریں جاری تھیں صبح تک یہ وہاں رہے، پھر نیند آگئی۔ جب سو کر اُٹھے تو خود کو اپنے عبادت خانے میں پایا۔ کچھ دنوں تک یہی واقعہ ہوتا رہا۔ ان حضرت کے دماغ میں جوانی کے جوش و تکبر نے اثر کیا۔ اور یہ بھی لگے دعویٰ کرنے کہ میرا حال ایسا ایسا ہے۔ روزانہ بہشت کی سیر ہوا کرتی ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ اُن کے حجرے میں تشریف لائے اور حالت پوچھی۔ انھوں نے اپنا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے سن کر فرمایا۔ "آج، جب تم وہاں پہنچو تو تین مرتبہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کہنا"۔ جب رات آئی، انھیں حسبِ سابق جنت میں لے گئے۔ اگرچہ ان کے دل میں حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

ارشاد کے بجالانے سے انکار پیدا ہو رہا تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد محض تجربے کے خیال سے انھوں نے لاحول پڑھی۔ پھر کیا تھا، وہ جماعت چیختی چلاتی تتر بتر ہو گئی اور انھوں نے خود کو ایک گھوڑے پر بیٹھا پایا اور مردار کی ہڈیاں اپنے قریب پڑی ہوئی دیکھیں، اپنی خطاؤں کا اعتراف کر کے توبہ کی اور پھر سے صحبت میں داخل ہو گئے۔ اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ مرید کے لیے تنہائی بڑی آفت ہے! ان بزرگوں کی صحبت کی شرط یہ ہے کہ جس کے لیے یہ جو درجہ سمجھتے ہیں اُسی کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ بوڑھوں کی خدمت کرنا (باپ کے مرتبے پر سمجھنا)، برابر والوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنا (بھائی سمجھنا) اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت کا اظہار کرنا (اپنے بچوں کی طرح سمجھنا)۔ جوانوں کو بوڑھوں کے سامنے بجز ضرورت کے باتیں نہ کرنا چاہیے۔ اور جب بات کرنے کی ضرورت ہو تو اتنی دیر صبر کرے کہ وہ اپنی بات ختم کر لیں۔ اس کے بعد ان سے اجازت لے کر نہایت ادب سے اُن کے قریب بیٹھ جائے اور نرم آواز میں بات کرے۔ اور جوانوں کو بوڑھوں پر کوئی اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ اور ان کے مقابلہ پر آنا اور باز پرس نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب بوڑھوں کو کسی پر جلال آتا ہے تو اُس کا دین، اور دنیا رخصت ہو جاتی ہے لیکن ان سے درخواست کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جوانوں کو بوڑھوں کے سامنے مسند پر نہ بیٹھنا چاہیے بلکہ ان کی خدمت میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور بھائی چارے کی صحبت کی شرط یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایثار و قربانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے زندگی بسر کریں اور دوسروں کو اپنے مال میں تصرف کا حق دیں۔ اور اس گروہ کے لوگ اپنی چیزیں کسی کو عاریتہً (اُدھار) نہیں دیتے اور نہ لیتے ہیں۔ بلکہ جو چیز کسی کو دیتے ہیں واپس نہیں لیتے۔ مشائخین رضوان اللہ علیہم کا کہنا ہے۔ اَلْفَقِیْرُ لَا یُعِیْرُ وَ لَا یَسْتَعِیْرُ (فقیر نہ اُدھار لیتا ہے اور نہ اُدھار دیتا ہے)۔ اور کسی پر حکم نہ چلائے، لیکن اگر کوئی اُس پر حکم کرے تو جان و دل سے بجا لائے۔ اور کسی سے کام کرنے کو نہ کہے جب تک کہ وہ بلا توقف بجا لانے کا عادی نہ ہو۔ اور جس کسی کے ساتھ رہن سہن رکھے اُس کے مذاق طبیعت کے موافق ہی زندگی بسر کرے اور مخالفت درمیان میں نہ آنے دے، بجز ان امور کے جن کو شریعت نے منع کیا ہے۔ اور جو شخص مذہب کا مخالف یا ناجنس ہو اگرچہ وہ رشتہ دار اور قرابت پیشہ ہی کیوں نہ ہو اُس کی صحبت میں نہ بیٹھا کرے بلکہ جس کو دین و مذہب اور دیانت و تقویٰ میں ظاہراً و باطناً استوار دیکھے اُس کی صحبت اختیار کرے۔ نوجوان اَمردوں کے ساتھ رہنے کو منع کیا گیا ہے، کیونکہ

اس سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ بچوں میں بزرگوں کی صحبت کی رغبت علم کی توفیق اور ذکاوت پیدا کرتی ہے۔ اور بزرگوں میں لڑکوں کے ساتھ رہنے کی خواہش بے شرمی اور حماقت لاتی ہے۔ یہ گروہ اپنی اصطلاح میں ابتدائی صحبت کو معرفت، پھر مودت پھر الفت، پھر عشرت، پھر صحبت اور آخر میں اخوت کہتے ہیں۔ جب ان شرائط کے ساتھ صحبت درست ہو جاتی ہے تو ان کے حالات بلند و برتر ہو جاتے ہیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم بزرگ ترین خلق ہیں۔ علم و فقہ، عبادت و زہد اور توکل و رضا میں ان کی برابری کون کر سکتا ہے ان لوگوں کو صحبت کے سوا اور کسی چیز کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ صحبت (رسولؐ) ہی بہترین احوال ہے۔ اور اس گروہ کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو کبھی نہیں کہتے ھٰذَا لِیْ وَھٰذَا لَکَ۔ (یہ میرا ہے اور یہ تیرا ہے) وَلَوْ کَانَ کَذَا لَمْ یَکُنْ کَذَا (اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا) وَلَعَلَّ وَعَسٰی (کاش ایسا ہوتا کاش ایسا نہ ہوتا) وَلَوْ فَعَلْتَ (اگر تو ایسا کرتا) وَلِمَ لَا تَفْعَلْ (اور تو نے ایسا کیوں نہیں کیا)۔ کیونکہ یہ سب طور طریقے عوام کے ہیں۔ ابراہیم بن شیبانؒ کہتے ہیں کہ میں اس کی صحبت نہیں کرتا جو یہ کہے کہ ھٰذَا نَعْلِیْ (یہ میری نعلین ہے)۔ علم والوں کا قول ہے کہ خداوند کریم نے جائز نہ رکھا کہ مخلوقات میں سے کوئی شخص نَحْنُ (ہم) وَاَنَا (میں) وَاِنِّیْ (بیشک میں)۔ وَلِیْ (میرے لیے) وَعِنْدِیْ (اور میرے پاس) کہے نہیں دیکھتے کہ جس وقت ملائکہ نے نَحْنُ نُسَبِّحُ (ہم تیری ہی تسبیح کرتے ہیں) کہا۔ اُدھر سے حکم ہوا ہمیں تمھاری تسبیح کی حاجت نہیں۔ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (آدم کو سجدہ کرو) شیطان بول اُٹھا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ (تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے)۔ اس شوخی کی برداشت کہاں، فرمان نازل ہوا وَاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ (ہم تجھ پر لعنت بھیجتے ہیں)۔ فرعون نے کہا۔ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ (کیا مصر کی مملکت میری نہیں ہے)۔ وَاَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (اور میں تمھارا بلند پروردگار ہوں)۔ اس کی یہ باتیں بھی جائز نہ سمجھیں۔ عذاب ٹوٹا اور دریا میں ڈبو دیا گیا۔ قارون بولا عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (میں صاحب علم ہوں)۔ جائز نہ سمجھا گیا اور زمین کو حکم ہوا اور وہ اس کو نگل گئی۔ جب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا ارشاد ہوا۔ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو قُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ (کہہ دو میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں) جیسا کہ میں کہتا ہوں اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا (میں اللہ ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں)۔

Marfat.com

اے بھائی: اگر تم چاہتے ہو کہ گلستانِ غیب کے درختوں پر بیٹھو اور باغ لطف و کرم کی نہروں سے آب حیات نوش کرو اور ساتوں آسمان کو روند کر اپنے تلووں کی خاک بنادو تو دم بھر کے لیے اس بیابانِ فانی میں مشاہدۂ دارِ لبقا کی خاطر ان پانچوں حواس کی کھڑکیاں بند کر دو اور اس عالم فنا اور دارِ مصائب سے بوریا بستر اٹھاؤ اور صدفِ بحری کی طرح معرفت کے موتی کے لیے غیر اللہ سے اندھے بہرے بن کر بیٹھ رہو۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ عارف کون لوگ ہیں اور ان کی پہچان کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ (گونگے، بہرے اور اندھے)۔ کہا گیا یہ تو کفار کی صفت ہے۔ هٰذَا صِفَةُ الْكَافِرِيْنَ۔ آپ نے فرمایا اَلْكَافِرُ صُمٌّ عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ وَبُكْمٌ عَنْ قَوْلِ الْحَقِّ وَعُمْيٌ عَنْ رُؤْيَةِ الْحَقِّ (کافر حق بات سننے سے بہرا ہے اور حق بات کہنے سے گونگا ہے اور رویتِ حق سے اندھا ہے۔ یہاں تو ایسے پاک باز کی ضرورت ہے جو اس عالم کون و فساد شیطانوں کے پھندے سے رنج و محنت کے ساتھ عالم پاک کی طرف روانہ ہو جائے۔ اور جیسے ایک چڑیا پنجرے سے نکل کر اڑ جاتی ہے اپنا قدم اپنے دل پر رکھے، دل کو تفکر کے کاندھوں پر سوار کرے، تفکر کو مقامِ سِرّ میں پہنچائے اور سِرّ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔ جیسے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قدم میں مسجد اقصیٰ تک طے کیا، اور ایک ہی گام میں ساتوں آسمانوں کی منزلیں طے کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لے گئے اور مشاہدے کی دولت حاصل کی اور دونوں جہان سے آزاد ہو کر اپنے محبوب کے ساتھ آرام و راحت سے لطف اندوز ہوئے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکہتّرواں مکتوب

خدمت کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اولیاء کی خدمت میں بزرگی نصیب کرے۔ سنو مرید کا ایک بڑا کام خدمت کرنا ہے۔ خدمت کرنے میں بڑے بڑے فوائد ہیں۔ اور کچھ ایسی خاصیتیں ہیں جو اور کسی عبادت میں نہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ نفس سرکش مرجاتا ہے اور بڑائی کا

Marfat.com

گھمنڈ دماغ سے نکل جاتا ہے عاجزی اور تواضع آجاتی ہے۔ اچھے اخلاق، تہذیب اور آداب آجاتے ہیں۔ سنت اور طریقت کے علوم سکھاتی ہے۔ نفس کی گرانی اور ظلمت دُور ہو کر روح سبک اور لطیف ہو جاتی ہے۔ آدمی کا ظاہر و باطن صاف اور روشن ہو جاتا ہے۔ یہ سب فائدے خدمت ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا خدا تک پہنچنے کے لیے کتنے راستے ہیں؟ جواب دیا کہ موجوداتِ عالم کا ہر ذرّہ خدا تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے۔ مگر کوئی راہ نزدیک تر اور بہتر خلقِ خدا کو راحت اور آرام پہنچانے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور ہم تو اسی راستے پر چل کر اس منزل تک پہنچے ہیں۔ اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی وصیت کرتے ہیں۔ انھیں بزرگوں کا کہا ہوا ہے کہ اس گروہ کے ورد و وظائف اور عبادتیں اتنی ہیں جو بیان نہیں کی جا سکتیں۔ مگر کوئی عبادت افضل اور مفید تر خدمتِ خلق سے نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا اَیُّ صَدَقَۃٍ اَفْضَلُ۔ قَالَ خِدْمَۃُ عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ ظِلٌّ فُسْطَاطٍ اَوْ طُرُوْقَۃُ فَحْلٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ فرمایا بندے کی خدمت کرنا خدا کی راہ میں، یا سایے کی غرض سے خدا کے راستے میں شامیانے لگانا، خیمے نصب کرنا۔ یا خدا کی راہ میں اونٹ یا کشتی دینا) ایک اور دوسری جگہ ارشاد ہوا اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَۃِ وَالْمَسَاکِیْنِ کَالْمُجَاھِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ کَالَّذِیْ یَصُوْمُ النَّھَارَ وَیَقُوْمُ اللَّیْلَ (بیوہ عورتوں کے کام میں دوڑنا اور غریبوں مسکینوں کی خدمت بجا لانا ایک مجاہد کی طرح ہے راہِ خدا میں۔ یا اُن لوگوں کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھتے اور راتوں کو عبادت کرتے ہیں) مگر خدمت کے لیے شرطیں ہیں۔ وہ یہ کہ اپنی آرزو اور اپنا تصرف بالکل چھوڑ دے اور قوم و جماعت کا جو مقصد ہو ویسا ہی کرے۔ مسافر یا مقیم جو بھی ہوں اُن کی طبیعت کے رجحان کے مطابق کام کرے تاکہ انھیں فراغتِ دل حاصل ہو اور بے فکر ہو کر اپنے اوقات ورد و وظائف میں گذاریں اور فارغ البال ہو کر اپنے معمولات میں مشغول رہ سکیں ان کو جو کچھ مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہو گا اُس کو اسی خدمت سے وہی سب فائدے ہوں گے کہ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ (جس نے کسی اچھے کام کے لیے مدد کی تو اُس کا اجر بھی اُس کام کے کرنے والے کے برابر ملے گا) یہ خانقاہیں، مسافر خانے اور اوقاف اسی کام کے لیے بنائے گئے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خود کو مالک و مختار نہ سمجھے۔ جو کچھ اس کے پاس ہے، یہ سمجھے کہ وہ انھیں

Marfat.com

لوگوں کا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات مال مراد اور اپنی خواہشات کو ان کے لیے لٹا دے اپنے ہر کام پر ان کی ضرورتوں کو مقدم سمجھے۔ اُن سے کوئی چیز دریغ نہ رکھے۔ البتہ جو جو چیزیں کہ خدا نے حرام کر دی ہیں۔ اور جس جس چیز کی اس سے درخواست کریں فوراً بجا لائے۔ اگرچہ اس کے لیے مزدوری کرنا پڑے تو مزدوری کرنے سے بھی جان نہ چرائے تاکہ ان کا کام پورا ہو جائے۔ اور اُن کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا ہو جیسا ایک غلام اپنے مالک کے ساتھ کرتا ہے۔ اگر وہ سختی بھی کریں تو اُس کی برداشت واجب سمجھے اور ہمیشہ ان کے رمز واشارے کی باتوں کا لحاظ رکھے۔ اگر کوئی خرابی بھی دیکھے تو بغیر اُن کی تحریک کے درست کر دے۔ اور یہ شرط بھی ہے کہ جو جو کام خلق اللہ کے لیے نیک دلی اور ہنسی خوشی کے ساتھ کرے تاکہ توفیق خیر کا مستحق ہو۔ اور ان کاموں کی انجام دہی پر شکر حق بجا لائے اور جو کچھ اس سے ممکن ہو جماعت وملّت کے لیے نیکیاں کرتا جائے۔ اور اگر کوئی دقیقہ فروگذاشت ہو جائے تو پشیمان ہو اور تاوان ادا کرے۔ خدمتیں بے شمار ہیں اور مقصود یہ ہے کہ جوان افراد کسی طرح بھی خدمت سے جان نہ چرائیں۔ شیخ ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جو مرید ایک کام کرنے کے واسطے کھڑا ہوگا اُس کے لیے یہ کام نماز نفل کی سو رکعتوں سے زیادہ مفید و بہتر ہے۔ یہ لوگ ہر ایک شخص کی خدمت اور پیروں کی صحبت اور اہلیت وریاضت وتربیت کا زیادہ سے زیادہ اعتبار کرتے ہیں اور نسبت ونسب کا کوئی خیال نہیں کرتے البتہ آل اطہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں اور مشائخ زادے بھی۔ کیونکہ یہ نسب کے اعتبار سے لائق احترام ہیں۔ جیسا کہا ہے نَسَبُ الرَّجُلِ دِیْنُهٗ وَحَسَبُهٗ تَقْوَاهُ (نسب آدمی کا دین اور پرہیزگاری اس کا مشرب ہے)۔ جیسا کہ صاحب مال پر واجب ہے کہ زکوٰۃ نکال کر فقرا کو دے۔ اور علماء کے لیے لازم ہے کہ طلبا کو پڑھائیں، علم سکھائیں اور اپنے علم کی زکوٰۃ دیں۔ اسی طرح راہ طریقت میں مبتدی مرید پر واجب ہے کہ اپنی خدمت کے ذریعہ غیر دل کو راحت وآرام پہنچائے۔ مسلمان بھائیوں کی امداد اور اپنے سے بڑوں کی خدمت انجام دے۔

خدمت کرنے کا صلہ، ثمرہ اور فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب خدمت بے غرض، بے منت اور بے ریا ہو۔ پس جو مرید خود خدمت نہیں کرتا بلکہ دوسروں سے خدمت لینے کی آرزو کرتا ہے وہ کاہل ہو جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر گراں گذرتا ہے اور بوجھ بن جاتا ہے۔ دل کی یہ گرانی اور بوجھ

Marfat.com

جان کے لیے تپ ہے اس لیے لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ اُس کے حق میں سراسر نقصان اور خرابی کا باعث ہے۔ اور کاربرآری کی امید کم ہو جاتی ہے۔ حضرت پیغمبر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ اور امت کی تعلیم کی غرض سے نہایت لطیف پیرایہ میں اس کو سمجھایا ہے کہ کسی وقت ایک کٹورا دودھ کا حضورؐ کے پاس لایا گیا آپ نے اُٹھ کر اپنے دستِ مبارک میں لیا اور فقرا وصحابہؓ میں تقسیم فرما دیا۔ اور جو کچھ بچ رہا خود پی لیا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ حضورؐ نے اپنے سے شروع کیوں نہ فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ ایسا نہیں چاہیے کہ سَاقِی الْقَوْمِ اٰخِرُھُمْ شُرْبًا (قوم کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے)۔ اس گروہ میں مشہور ہے جو زیادہ خدمت کرتا ہے وہ زیادہ بزرگ اور پیارا ہوتا ہے، دلوں میں خوش آیند اور نگاہیں اُس کی طرف مائل رہتی ہیں کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ (قوم کا سردار وہی ہے جو اُن کی خدمت کرتا ہے)۔ عرب کے ایک بزرگ سے پوچھا گیا بِمَ سُدْتَ قَالَ خَدَمْتُ فَسُدْتُّ (تم کیسے سردار بن گئے؟ انھوں نے کہا میں نے لوگوں کی خدمت کی اور سردار ہو گیا)۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو منصب خلافت پایا اور اتنی بڑی دولت ملی وہ ہمیشہ خدمت میں کمربستہ رہنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ ابتدا میں ہر ایک بزرگ کے ساتھ یہی ہوا کیا ہے کہ وہ ہر وقت خدمت کے لیے ایک پاؤں پر کھڑے رہے ہیں یہاں تک کہ آخر میں خود مخدوم ہو گئے۔ خدمت کے ثمرے اتنے ہیں کہ بیان نہیں کیے جا سکتے۔ تم سے جہاں تک ہو سکے غنیمت سمجھو اور امیدوار رہو۔ اے بھائی احکام خداوندی انسان کے فہم وادراک سے بالاتر ہیں۔ کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند تھا۔ وہ کشتی میں نہیں بٹھایا گیا اور شیطان ملعون کے لیے راستہ ہو جائے یہ جائز ہے کہ یہ باتیں بادشاہ سے تو نہ کہی جائیں مگر ایک پاسبان سے بیان کی جائیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ فرعون سے تو نہ کہا لیکن اسی گھر میں ایک بڑھیا سے کہہ دیا۔ اس کی نگاہیں جو تمھاری طرف اُٹھا کرتی ہیں اور اتنی مہربانیوں اور کرم کی بوچھار ہوتی رہتی ہے وہ اپنے علم پاک کی رُو سے نظر کرتا ہے تمھارے گندے اعمال کی رُو سے نہیں ہے۔ اہلِ سنت کا مذہب کہتا ہے کہ خدا کی نوازش وکرم کی کوئی حد نہیں۔ سارا عالم اُٹھا مگر کوئی اُس کے انعام واکرام کے اسرار تک نہ پہنچا کہ آخر اس خاک کے پتلے پر اتنا کرم کیوں ہے؟ کل جب

Marfat.com

قیامت آئے گی سب لوگ حشر کے میدان میں بلائے جائیں گے۔ غیب سے ایک آواز سنائی دے گی کہ سب خاک ہو جاؤ۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم عرش کے گرد جمع ہو جاؤ۔ تمھیں حلہ بہشتی سے کوئی کام نہیں اور نہ دوزخ کی بیڑیوں سے کوئی سروکار۔ تم مقام معلوم سے دیکھتے رہو کہ اس مشت خاک کے ساتھ ہمارے کیا کیا معاملے ہیں؟ اسی معنی کو دیکھ کر کہا ہے کہ اگر یہ خاکی نہ ہوتا تو یہ باتیں بھی نہ ہوتیں اور نہ یہ سوز و گداز و درد و تپش ہوتی بہشت اتنی نعمتوں اور کرامتوں کے ساتھ اس خاکی پر نچھاور اور غلمان و حوروں کو لیے ہوئے رضوان اُس کے جشن وصال کے شادیانے گاتا ہے۔ اور یہ جو تم نے سنا کہ ازل میں یہ خاکی اُس وقت بھی موجود تھا یہاں تک کہ خاک پیدا کی اور اپنی نوازش و کرم سے اس خاکی کا کل سامان مہیا کیا۔ ابھی پینے والا نہ تھا کہ شراب بنائی۔ سر نہ تھا مگر اُس کے لیے تاج آراستہ کیا۔ چلنے والا پاؤں نہ تھا مگر راستہ صاف اور ستھرا کر دیا۔ دل نہ تھا مگر نگاہیں اُس پر اُٹھا دیں۔ گناہوں کا وجود نہ تھا مگر رحمت و مغفرت کے خزانے بھر دیے اور طاعت و بندگی کا کہیں نام و نشان نہ تھا مگر گلزار فردوس کو دلکش بہاروں سے آراستہ کر دیا۔ اَلْعِنَایَۃُ قَبْلَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (کرم و نوازش کا یہ سارا اہتمام خمیر گوندھنے سے پیشتر ہی کر دیا گیا)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہتر واں مکتوب ۷۲

بری عادتوں کو نیک اور بہتر بنانے کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ تم خدا کی بندگی بجا لانے میں ہمیشہ قائم رہو۔ خط لکھنے والے کی طرف سے تمھیں معلوم ہو کہ اخلاق کو پاکیزہ کرنے اور بُری عادتوں کو نیک اور پسندیدہ بنانے کے لیے تم سے جہاں تک ہو سکے کوشش بلیغ کرتے رہو اور اس کو بہت بڑا کام سمجھو کیونکہ اس کے ترک و غفلت کے سبب سخت بلاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس سے خدا کی پناہ۔ اور یہ وہ ہے کہ دنیا میں جتنے درندے وحشی جانور اور حیوانات ہیں ان کی ہر صفت انسان میں موجود ہے جو صفت غالب ہوگی قیامت میں اسی صفت کی بنا پر اس کا معاملہ ہوگا یعنی اُس کی شکل و صورت اسی طرح کی

Marfat.com

بنادی جائے گی۔ اگر کسی شخص میں غصہ وغضب کی صفت غالب ہے تو قیامت کے دن اس کا حشر کتوں کی صورت میں ہوگا۔ اگر کسی میں بُری شہوت اور ہوس بد کا غلبہ ہے تو اس کا حشر سور کی شکل میں کیا جائے گا۔ اگر کسی کے سر میں تکبر و نخوت کا عنصر غالب ہے تو قیامت کے دن اس کا حشر چیتے کی صورت میں ہوگا۔ چاپلوسی اور مکر کی صفت والا لومڑی کی صورت میں محشور ہوگا۔ ہر صفت کو اسی پر قیاس کرلو۔ حدیث شریف میں ہے کہ کل قیامت کے دن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام آذر کو دیکھیں گے کہ اُسے دوزخ کی طرف لیے جارہے ہیں۔ آپ کہیں گے اے خداوند پاک اس سے بڑھ کر بھی کوئی فضیحت ہوسکتی ہے کہ میں عرصات محشر میں کھڑا ہوں اور میرے باپ کو دوزخ میں لے جارہے ہیں۔ میں نے تو دنیا میں دعا کی تھی وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ (قیامت کے دن تو مجھے غمگین نہ کرنا) اسی وقت آذر کی انسانی صورت مسخ ہوکر کفتار[1] کی شکل بن جائے گی۔ کیونکہ دنیا میں کفتار کی صفت اس میں غالب تھی۔ پھر حضرت خلیل اللہ سے پوچھا جائے گا، بھلا تم کو کفتار سے کیا واسطہ اور کون سی قرابت داری یا کام ہوسکتا ہے؟ اے بھائی! یوں جنھیں آج تم انسانی شکل وصورت میں دیکھ رہے ہو کل قیامت کے دن انھیں کو درندے اور وحشی جانوروں کی صورت میں کھڑا دیکھو گے۔ اور سگ اصحاب کہف کو صفت وسیرت کے لحاظ سے اس کی کلبی ہیئت بدل کر آدمیوں کی صف میں کھڑا کردیں گے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کوہ اُحد کو حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ (اُحد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اُسے چاہتے ہیں) عرصہ حشر میں اس کا سنگی چولا اتار کر انسان کی صورت میں صدیقوں کی صف کے درمیان کھڑا کریں گے۔ چونکہ اس میں صدیقوں کی صفت کا غلبہ تھا اس لیے انھیں کی صورت دی گئی۔ یہاں پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ کوہ اُحد تو جماد (پتھر) ہے اور پتھر میں محبت وعداوت کی صفت درست نہیں کیونکہ محبت وعداوت کی تمیز کرنے کے لیے ذی روح ہونا لازم ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ یہ قول ایک صاحب دل یعنی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور اہل دل پتھر اور غیر ذی روح کی باتیں اس طرح سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی (جس کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اُس کو چراغ کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا) کہا جاتا ہے کہ کشف والے ہر چیز کی تسبیح

[1] کفتار، لومڑی اور کتے کے درمیان ایک جانور ہے جو کتے کا شکار کرتا ہے اسے ہونڈار کہتے ہیں یا بجّو اور ردائن بھی۔

Marfat.com

سنا کرتے ہیں اگرچہ پتھر ہی کی زبان سے کیوں نہ ہو اور یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمان وزمین میں جتنی چیزیں ہیں سب خدا کی تسبیح کرتی ہیں)۔ وہ لوگ اس تسبیح کی سماعت کرتے ہیں۔ اسی کو کہا گیا ہے

پیش تو این سنگ ریزہ ساکت است　　پیش ما حقا فصیح و ناطق است

(تیرے نزدیک یہ سنگ ریزے خاموش ہیں۔ مگر خدا کی قسم ہم ان کی گفتگو سنا کرتے ہیں)۔ عصمت الانبیاء میں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں بیان کیا گیا ہے کہ کل عالم اپنے سارے متعلقات کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے پر فریفتہ اور اسی کا طالب و عاشق ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ مثنوی۔

صد ہزاراں راز در مورے نہند　　در دلش از عشق خود شورے نہند

ذرہ ذرہ عاشق اند اندر ہوا　　پُر شدہ از پرتوِ عشقِ خدا

جملہ ذرات پیدا و نہان　　نقطۂ عشق است در ہر دو جہان

(ایک حقیر چیونٹی میں ہزاروں راز کی باتیں بھری پڑی ہیں۔ اُس کے دل میں اپنے عشق و محبت کا سوز و گداز رکھ دیا ہے۔ فضا کے ذرے اسی کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ اور عشق خداوندی کے پرتو سے پُر ہیں۔ ظاہر اور باطن میں جتنے بھی ذرے ہیں وہ دونوں جہان میں عشق کے مرکز ہیں)۔

اتنا بڑا مشکل کام سامنے ہے اور اُس کی ہولناکی کو دیکھتے ہوئے بھی ارباب بصیرت کے سوا کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ غافل نہ رہنا چاہیے۔ آہستہ آہستہ اس کی عادت ڈالو کہ ان صفتوں میں سے کچھ تو کم ہو جائے۔ اگر خدا نے یہ توفیق دی کہ اس کی برائیاں کلیتہً دفع ہو جائیں تو یہ بڑا ہی عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اگر کوئی معلوم کرنا چاہتا ہو کہ قیامت کے دن کس صفت و صورت پر اس کا حشر ہو گا تو اُسے اپنی ذات کے اندر خود ہی غور و خوض کرنا چاہیے کہ اس میں کس صفت کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ کل وہی پیش آنے والا ہے۔ اور اتنا جاننا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ جس طرح اگر کوئی معلوم کرنا چاہے کہ اس سے خداوند تعالے خوش ہے یا نہیں؟ تو وہ اپنے اعمال پر نظر کرے۔ اگر طاعت ہی طاعت نظر آئے تو سمجھے کہ خوش ہے۔ کیونکہ طاعت خوشنودی کی علامت ہے۔ اور اگر معصیت ہی معصیت نظر آئے تو جانے کہ اللہ تعالے اس سے خوش نہیں ہے۔ کیونکہ ناخوشی کی علامت معصیت ہے۔ اور اگر طاعت و معصیت دونوں پائی جائیں تو جس کا غلبہ ہو گا اسی کا حکم کیا جائے گا۔ اب ٹال مٹول کا موقع نہیں ہے۔ آج کے علاوہ نہیں دوسرا دن نصیب نہ ہو گا جب یہاں کچھ نہ ہو سکا، تو

Marfat.com

اُس عالم میں کون سا کام ہو سکے گا۔

بہ غفلت می گذاری روزگارے مگر در گور خواہی کرد کارے

(سارا وقت غفلت میں گذار رہا ہے تو کیا یہ سمجھ رکھا ہے کہ قبر میں جاکر کوئی کام کرے گا)۔ اگر کسی میں یہ صفاتِ خبیثہ رہ گئے اور صفاتِ محمودہ میں تبدیل نہ ہو سکے تو اگر کل بہشت میں بھی داخل ہوگا اور بہشت کی تمام نعمتیں اُس کے سامنے لائی جائیں گی تو بھی وہ صفات نہ بدلیں گی کیونکہ جو صفت وہاں ہوگی وہ تبدیل ہونے والی نہ ہوگی۔ اور یہ ایک ایسا شخص ہوگا جس کو اپنے اوپر کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اور اپنی دولت نہ پا سکے گا۔ اس لیے لازم ہے کہ اسی عالم میں اُن سے پھر جائے۔ اگر یہاں نہ پھر سکا تو اس جہان میں بھی نہ پھر سکے گا۔ چونکہ صفاتِ مذمومہ اب تک باقی ہیں اس لیے وہ ہمیشہ عاجز ہی رہے گا۔ بہشت کی نعمتیں اُس پر مباح ہوں گی لیکن یہ نہ ہوگا کہ وہاں کے کام انجام دے سکے جو کل ہمارے اور تمھارے ساتھ معاملہ ہونے والا ہے۔ حور و قصور، مرغ کے کباب اور آبِ زلال کی نہریں تو ہوں گی مگر وہ کہاں جو دلوں کا مطلوب، جانوں کا مقصود، صدیقوں کا قبلہ اور اُس راہ کے چلنے والوں کا کعبہ ہے۔ پس جس نے یہ دولت کھو دی اُس نے کیا پایا؟ اور جس نے یہ دولت پائی اُس نے کچھ نہیں کھویا۔ دیکھو ایامِ بیض اور دوسرے موسموں کے روزے فوت نہ ہونے پائیں۔ اور سفر و حضر میں سستی اور نیند کے غلبہ کے وقت کثرت سے نہانا اور وضو کرنا اس کا علاج ہے۔ اے بھائی فرشتوں کو حکم ہوا خاک کی طرف جھکو اور آدمیوں سے کہا گیا پتھر کی طرف دیکھو۔ جانتے ہو یہ کیا راز ہے؟ یہ اعمال کا مرتبہ اور قیمت دکھانا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ (پہاڑ کی طرف دیکھو) کیونکہ اَلطُّوْرُ حَجَرٌ وَّاَنْتَ مَدَرٌ (طور پتھر ہے اور تو مٹی کا ڈھیلا ہے)۔ پتھر مٹی کے ڈھیلے کے لائق ہے اور مٹی کا ڈھیلا پتھر کے لائق۔ وہ جو کل قیامت میں دیدار کی نعمت عطا فرمائے گا محض عطا و بخشش کی وجہ سے ہوگا صلاحیت و قابلیت کی وجہ سے نہیں ورنہ سچ تو یہ ہے کہ کوئی آنکھ اس کے دیدار کے لائق نہیں ہے۔ کوئی کان اُس کا کلام سننے کے قابل نہیں ہے۔ کوئی عقل اس کی معرفت کی اہل نہیں اور نہ کوئی قدم اس کی راہ میں چلنے کی طاقت رکھتا ہے۔

رباعی

چشم کہ ہمی بخواہد آن دیدارت گوشم کہ ہمی بخواہد آن گفتارت

بین ہمت ہر دو را کہ کردند بلند ہر چند کہ نیستند شان سزاوارت

Marfat.com

(میری آنکھیں تجھے دیکھنا چاہتی ہیں۔ کانوں کو تیری باتیں سننے کی ہوس ہے۔ ان دونوں کے حوصلے کی بلند پروازی تو دیکھو۔ اگرچہ یہ اس قابل ہی نہیں ہیں)۔ جو شخص اس کا طلبگار ہے وہ جب تک اپنے کو بے قدری کی ترازو میں نہیں تول لیتا اور نالائقی کی نگاہوں سے خود کو نہیں دیکھ چکتا اس کی طلب ہی صحیح اور درست نہیں ہوتی۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے میری ذلت وخواری کے مقابلے میں یہودیوں کی ذلت کا کوئی وجود نہیں۔ ابو سلیمان دارائی نے فرمایا جس نے اپنے نفس پر نظر کی یا اپنے قول، عمل اور حال کی کوئی قیمت سمجھی وہ اس بات کی لذت کبھی نہیں چکھ سکتا۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کسی نے پیچھے سے آکر مجھے کھینچ لیا۔ جب میں نے پھر کر دیکھا تو وہ حضرت خواجہ فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ اس موسم اور اس مقام میں من و تو بھی کوئی چیز ہے تو ہلاکت کا سخت خطرہ ہے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تہتر واں مکتوب ۷۳

مرتبہ اور منصب کی لالچ اور نماز عاشورہ کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین معلوم ہو کہ نفاق کے ساتھ کوئی کام کرنا اور صدیقوں کے مدارج کی امید رکھنا اصحاب دین کی شان نہیں۔ تم جو کچھ بھی کرو اس میں ذرہ برابر بھی لالچ کا دخل نہ ہونا چاہیے۔ نیت خالص کے معنی یہی ہیں کہ عبودیت کا اظہار کیا جائے جس میں حرص و طمع کی شمولیت نہ ہو۔ کیونکہ طمع دوسری چیز ہے اور اظہار عبودیت ایک دوسری چیز۔ غور کرنے سے اس کی باریکی تمھاری ...... سمجھ میں آئے گی۔ مگر ہائے ہم اور تم تو یہ غرض رکھتے ہیں کہ خدا کے دربار میں کون سی رشوت پیش کریں، چلو بندگی ہی سہی۔ (واہ واہ! عشق نہ ہوا تجارت ہوئی کہ محبوب کو خوش کرنے اور کام نکالنے کے لیے رشوت دے دی) ع زہے عشق ار برشوت دست خواہی داشت جانان را۔ (وہ عشق بھی کیا خوب عشق ہے کہ محبوب کو رشوت دے کر اپنا دوست بنا لیا جائے): اے بھائی! اس راہ میں لالچ کا خیال دل سے نکال دو۔ کسی شخص کے لیے خدا پر کوئی چیز واجب نہیں۔

Marfat.com

آج جو مخلوق کو اس نے اتنی نعمتیں دے کر مالا مال کر دیا ہے، بالکل مفت دیا ہے۔ اور کل قیامت کے دن جو کچھ عنایت فرمائے گا وہ بھی مفت بغیر کسی معاوضے کے ہوگا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ جو کل تمھارے سامنے خطبہ پڑھا جائے گا جَزَاءً بِمَا کَانُوا یَعْمَلُوْنَ (یہ اُن کے اعمال کا عوض ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے) یہ محض اس لیے کہا جائے گا کہ اس کی عطا سے تمھارا دل چھوٹا نہ ہو جائے کیونکہ آدمی جو کچھ اپنی محنت مزدوری کی کمائی کھاتا ہے اس کو اس میں زیادہ مزا ملتا ہے باعتبار اس کے کہ کسی کا مفت دیا ہوا کھائے۔ مگر اس بادشاہ بے نیاز بزرگ و برتر نے تمھیں جو کچھ عنایت فرمایا ہے بغیر کسی علت و سبب کے دیا ہے۔ تمھارے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنی درماندگی اور بیچارگی کو دیکھتے ہوئے جو بھی کرو محض اظہار بندگی کی نیت سے کرو۔ ذرا بھی اس میں طمع کا دخل نہ ہو۔ اُس نے جس چیز کے لیے تم کو حکم دیا ہے، تم کو چاہا ہے نہ کہ اس چیز کو۔ اس لیے تم پر بھی لازم ہے کہ اس دربار میں جو کچھ لے جاؤ پاک و صاف کر کے اُس کے لیے لے جاؤ، نہ کہ بہشت کی امید اور دوزخ کے خوف دہراس سے اس کو آلودہ کرو۔ ؎

مارا نہ غم دوزخ و نے حرص بہشت است   بردار ز رخ پردہ کہ مشتاق لقائیم

(ہم کو نہ دوزخ کا غم ہے اور نہ بہشت کی لالچ۔ اپنے چہرے سے نقاب اُٹھا دے کہ ہم تو بس تیرے دیدار کے مشتاق ہیں)۔ یہاں طمع کی جڑ کاٹ ڈالنا ہی بہت بڑا کام ہے۔ یہ ہمارے تمھارے بس کی بات نہیں اور نہ ڈینگ ہانکنے والوں کا یہ کام ہے۔ ہم تم سے تو دوزخ کے خوف اور بہشت کی لالچ سے بھی بندگی ادا نہیں ہوتی کیونکہ پیدائشی بدنصیب ہیں۔ اپنی بیتی کسی نے یوں کہی ہے ؎

بدبخت اگر بر لب دریا باشد   لب خشک چو ساحل سر دریا باشد

(اگر کوئی محروم القسمت دریا کے کنارے بھی چلا جائے تو ساحل دریا کی طرح پیاسا ہی رہے گا) یہ حضرات انبیاء اور اولیا کا شیوہ ہے ہمارا تمھارا نصیب سوائے ایمان کے اور کچھ نہیں۔ خدا کرے کسی دن اُن کے گھوڑوں کی سُم کا غبار ہمارے سروں پر اُڑ کر آپڑے کہ ہم بدبختوں کے لیے ابدی خوش نصیبی کا ذریعہ بن جائے۔ اور اگر کوئی شخص بساط شریعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین الٰہی پر قدم رکھے اور خدائے بزرگ و برتر سے طمع و ناز بھی کرے تو وہ مغرور ہے لیکن شریعت کی راہ میں عین اخلاص کے ساتھ مستقیم ہونے اور رنج و خوشی میں اللہ تعالےٰ کے

کل احکام بجا لانے اور حقِ اوامر و نواہی بجا لانے اور ترکِ منہیات کو دینداری کی ترازو میں تولنے کے بعد اجازت ہے کہ پدرِ ملت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس قول کی پیروی کرے وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (میں خدا سے طمع رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطائیں معاف فرمادے)۔ اور ابتدائے خلت میں آپ کا فرمانا یہ تھا وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا)۔ اور آخر خلت کے عہد میں آپ کا قول وہ تھا وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ لیکن جو شخص عنفوانِ شباب کی رنگ رلیوں اور فسق وفجور ولہو لعب میں مبتلا رہا، دین وملتِ اسلام کا کوئی حق ادا نہ کیا وہ یہ چاہے کہ میں پدرِ ملتِ اسلام حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی پیروی کروں کوئی ٹھیک بات نہیں۔ اگر کسی کو خواہش ہو کہ اُس کے اعمال برجِ عبادت کی بلندی پر پہنچائے جائیں اور اُس کی کوئی قیمت لگائی جائے تو اُس سے صاف کہہ دو کہ نیت کے ہاتھ میں دل کی لگام سونپ دے۔ علمائے اسلام نے یہیں سے کہا ہے اَلنِّیَّۃُ عَمَلُ الْقَلْبِ (نیت ہی دل کا عمل ہے) جب تک اعمال کو نیت کی سند نہیں ملتی انسان اُس وقت تک عادت کے عالم سے عبادت کے خزانے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور طاعت مقبول نہیں ہوتی۔ جو عمل کہ نیت کے نور سے روشن نہیں اُسے عادت کے مکان میں بند کر دیتے ہیں اور وہ مردوں کے اعمال کی صف میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ نیت عبادات میں اہلِ سعادت کے ایمان کا ایک رکن ہے اور بندے کے پاس خدا کی امانت سمجھی جاتی ہے اور اس میں یہ راز ہے کہ نیت کے ذریعہ دین کے سوا جو کچھ بھی ہے دل سے پاک وصاف کردے تاکہ بغیر زحمتِ عادت اور اغیار کی وحشت دآفت کے عبودیت کی کمر کس کر توحید کا عہد جو ازل میں باندھ چکا ہے پورا کرسکے۔ ؎

اگر عہدِ ازل را آشنائی ازان حضرت چرا گیری جدائی
بہ معنی باز جان را آشنا کن سزائے قربِ دستِ پادشا کن

(ازل میں جس بات کا عہد کرچکا ہے، اگر وہ تجھ کو یاد ہے تو اُس کے دربار سے کیوں جدائی اختیار کرتا ہے۔ اپنے جان و دل کو پھر معنی کے ساتھ آشنا کر تاکہ بادشاہ کے دائیں بازو میں قریب بیٹھنے کے لائق ہوجائے) بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر زبان پر تسبیح و

Marfat.com

تہلیل کے الفاظ جاری کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم ذاکروں کی صف میں داخل ہو گئے اور عبادت کی راہ میں استقامت حاصل کر لی۔ یہ اہلِ عبادت کے لیے بڑا مغالطہ ہے۔ کیونکہ زبان تو فرع اور شاخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے نہ ہونے سے دین کی عزت و وقار میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ زبان کا ذکر و وظیفہ جو عادت والوں کی ایک رسم بن گئی ہے اُن کی تسبیح و تہلیل ریا اور دکھاوے سے زیادہ نہیں۔ اس پر یہ طمع کہ اصحاب اخلاص کی فضیلت کی برابری کریں۔ اے بھائی! جو چیز خلوصِ نیت سے نہ کی جائے گی اُس سے قیامت تک خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اور کوئی حکم ان کو نہیں دیا گیا سوائے اس کے کہ اللہ کی بندگی خلوص دل سے کریں)۔ کردار میں خلوص نہیں ہم رسم و عادت کے سوا کچھ نہیں جانتے اور اپنی کور باطنی سے سمجھ رہے ہیں کہ ہماری یہی پونجی عبادت کا خزانہ ہے یہ بدبختی کی نشانی اور بدقسمتی کی بیڑی ہے۔ ؎

اگر صد قرن می گردی چو گوے — نمی دانم کہ خواہی یافت بوئے
بہ پنداری کہ بردی روزگارت — تو دین را کیستی با دین چہ کارت
چہ دانی بیش ازین دولت گدا را — کہ جانے بر فشاند بادشا را

(اگر تو ہزاروں برس تک گیند کی طرح لڑھکتا پھرے تو میرے خیال میں اس کی مہک تک تیرے دماغ میں نہ پہنچے گی۔ تو سمجھتا ہے کہ میں اپنا کام کر کے سبکدوش ہو گیا۔ ارے تو ہے کون اور تجھے دین سے سروکار ہی کیا۔ فقیر کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دولت ہو سکتی ہے کہ بادشاہ پر اپنی جان نچھاور کر دے)۔ دل کا سر چاہیئے جو تجھ سے عبادت کرا سکے۔ البتہ اس وقت عبادت کرنے والا سمجھا جا سکے گا۔ لیکن غفلت اور رسم و عادت کی طرح جو کچھ کرے گا وہ ادھورا رہے اور کسی کام کا نہ ہو گا۔ جو ذکر بغیر سوزِ دل کے زبان پر لایا جائے شریعت کے دربار میں اُس کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا جاتا۔ بھلا ایسا ذکر بھی ذکر کہلانے کے لائق ہے۔ اگر کوئی شخص کلمۂ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جو آستانۂ توحید کا داروغہ ہے، ایسے ادا کرے جیسے بازاری زبان میں خرید و فروخت کرتے ہیں یا اہلِ غفلت سے گفتگو کرتے ہیں تو اس سے مقصدِ توحید حاصل نہیں ہوتا اسی طرح جو شخص محض باتوں سے بغیر باطنی توجہ کے خدا کی بندگی کا دعوےٰ کرے تو اُس کو قیامت کے دن دشمنانِ دین

صف میں ڈال دیا جائے گا۔ اور دوزخ کے طبقۂ اسفل میں اس کی جگہ ہوگی۔ یہی راز ہے جو کہا ہے ؎

شرف زنّار و تسبیحت یکے شد — تو خواہی خواجہ شو خواہی غلامے

(اے شرف تیری زنّار و تسبیح ایک ہوگئی۔ اب تجھے اختیار ہے چاہے مالک بن یا غلام)۔ اے عبادت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے! تیرے اوپر افسوس ہے کہ اپنے بیکار سر پر علم کی دستار باندھ رکھی ہے اور مارے فخر کے جہان میں نہیں سماتا۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرکہ تو دوستوں کی صف میں جگہ پانے کا حق دار ہے یا دشمنوں کے زمرے میں داخل کیے جانے کے لائق ہے اے عادت و رسم کے تابع تو نے غرور کا تاج سر پر رکھ چھوڑا ہے اور اس رسمیہ عبادت پر نازاں ہے اور اپنی پاک باطنی کے دامن کو لوگوں سے بچائے رکھتا ہے تاکہ اُن کی صحبت سے آلودہ نہ ہو جائے۔ ذرا ہوش سنبھال، عقل کے ناخن لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نکبت و ادبار کا یہ لباس اپنے ساتھ قبر میں نہ لے جائے۔ ارے کسی کی جوتیاں اُٹھایا کرتا کہ اس خدمت کی برکت سے زنّارِ رسم اور عادتِ کفر تیری گردن سے ٹوٹ جائے۔ رباعی :-

تا زاغ صفت بہ جیفہ در پالائی — کے چون شاہین تو در خورِ شاہی

چون صعوہ اگر غذائے بازے گردی — بازے گردی کہ دستِ شہ را شائی

(تو جب تک کوے کی طرح گندگی میں آلودہ ہے، شاہین کی طرح بادشاہ کی توجہ کے لائق نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایک چڑیا کی طرح کسی باز کی غذا ہو جائے تو ایک ایسا باز ہو جائے گا جسے بادشاہ اپنے ہاتھوں پر بٹھاتا ہے)۔ لیکن اگر کسی کا نقطۂ دل اس کلمہ کی عزت کے ساتھ آشنا ہو گیا تو آٹھوں بہشت اُس کے پاؤں کی خاک بن جانے کی مشتاق اور آرزومند ہوں گی اور اس سے زیادہ بیتاب ہوں گی جتنا ایک پیاسا پانی کے لیے بیتاب ہوتا ہے۔ تجھے حقِ مسلمانی کا واسطہ۔ اگر تو نے ایک مرتبہ بھی یہ کلمہ بہ دل سے کہا ہے تو دیکھ کہیں ایسا نہ ہو کہ تو اُسے آٹھوں بہشت کے عوض میں بیچ ڈالے کیونکہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ اگر تو نے بیچ دے گا تو بڑا نقصان اُٹھائے گا۔ دیکھ کہیں گھر کے مالک ہی کو گھر کے عوض فروخت نہ کر ڈالے۔ ؎

چو جانان آمد از جان کم نیاید — ہمہ این جہے تو کان کم نیاید

یکے را خواہ تا در رہ نہ مانی فلک رُو باش تا در چہ نہ مانی
چو تو ہستی مرا دیگر ہمہ ہست ہمہ دستم دہید چوں تو دہی دست

(جب محبوب آتا ہے تو کم سے کم جان سی شے اُس پر قربان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بس اسی کو تلاش کر اور اس سے کم کوئی دوسری چیز تلاش کرنے کے لائق نہیں ہوتی۔ بس تو اسی ایک کا ہو رہ تاکہ راستے میں پڑا نہ رہ جائے۔ آسمان کی طرف اُڑتا چلا جا تاکہ کسی کنوئیں میں نہ گر پڑے۔ جب تو میرا ہو گیا تو ساری چیزیں میری ہو گئیں۔ جب تو نے سہارا دیا تو سب میری آؤ بھگت کرنے لگے)۔ اگر اس کلمے کو اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے کہا تو اخلاص کے ساتھ تو نے نہیں کہا۔ اب چاہے تو بہشت میں رہے یا دوزخ میں۔ اگر بہشت کے لیے کہا ہے تو خود پرست ہے۔ خدا پرستی تو اس کی صحیح ہوتی ہے کہ جو خود کو خدا کے حکم پر رکھے نہ یہ کہ خدا کو اپنے لیے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (مرد وہ ہیں جنھیں اُن کی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے باز نہیں رکھتی)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری درگاہ خرید و فروخت کی جگہ نہیں ہے۔ جب تم بازار جاتے ہو تو اس ارادے سے جاتے ہو کہ جو چیز تمھارے پاس نہیں ہے وہ خرید کر لاؤ گے۔ لیکن جب میرے دربار میں آؤ تو اس ارادے سے آؤ کہ جو کچھ بھی تمھارے پاس ہے لٹا دو اور مفلس و قلاش ہو کر واپس لوٹ جاؤ۔ کسی صاحب نظر نے کہا ہے۔ قطعہ

نیست جز نیستی رہِ عاشق تاکہ ہستی بیابد از درگاہ
در شہادت ببیں کہ زین معنی لانخست آمد آنگہ اِلّا اللہ

(عاشقوں کے لیے نیستی کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تاکہ وہ محبوب کی درگاہ سے ہستی جاوید پائے۔ اسی لیے کلمہ شہادت میں پہلے لا آیا ہے اور اس کے بعد اِلّا اللہ)۔ خواجہ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کو خواب میں دیکھا۔ اُس نے فرمایا یَا اَحْمَدُ کُلُّ النَّاسِ یَطْلُبُوْنَ مِنِّیْ اِلَّا اَبَا یَزِیْدَ فَاِنَّہٗ یَطْلُبُنِیْ (اے احمد، سب لوگ مجھ سے مانگتے ہیں مگر بایزید مجھ سے مجھ کو مانگتا ہے)۔ بعض لوگوں کو اس میں شک و شبہ ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس طرح خدا کو خواب میں دیکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہاں تو صدیقوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے، ہماری تمھاری بات نہیں ہے۔ صدیقوں کا خواب ہی دوسرا ہوتا ہے اور ہم تم جو خواب دیکھتے ہیں وہ کچھ اور ہے جو اس عالم

کون و فساد کی حد سے آگے نہیں بڑھتا۔ صدیقوں کا خواب دنیا و آخرت کی پستی میں نہیں اترتا۔ جب تک آدمی اس دنیا میں ہے اُس کے لیے یہ باتیں نہ خواب میں جائز ہیں نہ بیداری میں۔ مگر جب بشری صفتیں انسان میں نہ رہیں اور وہ ان سے بالکل خالی ہو گیا تو دنیا سے نکل کر عالم آخرت میں جا پہنچا۔ اب وہاں جس جس چیز سے اس کو سابقہ پڑے گا اس میں اختلاف کی مجال نہیں۔ اور یہ جائز ہے کہ خدا اپنے کسی دوست کو خواب دکھائے اور اس خواب میں اُس کو اُس سے چھین لے اور دنیا و آخرت سے باہر لے جائے اور وہ دولت جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اُس پر کھول دے۔ تمھیں چاہیے کہ تم اس حقیقت پر ایمان لے آؤ اور مردانِ خدا کے احوال میں کوئی تصرف نہ کرو۔ ایک بزرگ نے کہا ہے (رباعی):

آن کس کہ بہ وصفِ عشق مذکور بود ۔۔۔ وانکہ بوفائے عہد مشہور بود
نزدیکِ خرد وجودِ پاکیزۂ او ۔۔۔ در مرتبہ از جہانِ ما دُور بود

(جو شخص صفتِ عشق کے ساتھ ذکر کیا جائے اور اپنے عہد کی وفاداری میں بھی مشہور ہو تو عقل کے نزدیک اُس کا پاکیزہ وجود مرتبے میں ہمارے جہان سے دُور ہوتا ہے)۔

دشمنوں کے خوش کرنے کے لیے عاشورۂ محرم کے دن چار رکعتیں ادا کرے۔ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ، دوسری رکعت میں الحمد کے بعد قل یاایہا الکٰفرون تین مرتبہ اور سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ، تیسری رکعت میں الحمد کے بعد الھٰکم التکاثر تین مرتبہ اور سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ، چوتھی رکعت میں الحمد کے بعد آیۃ الکرسی تین بار اور سورۂ اخلاص پچیس مرتبہ۔ جس نے یہ نماز پڑھی اُس کو خداوند تعالیٰ قبر کی سختیوں سے بچائے گا اور اُس کے دشمن اُس سے خوش رہیں گے۔ اس نماز کے بہت فضائل ہیں۔ یہاں مختصر طور سے چند فائدے بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ نماز سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

سال میں چھ روز پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ عاشورہ کے دن، ترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) کے دن، عرفہ کے دن، عید اضحیٰ، پندرھویں شعبان اور رمضان کے آخری جمعہ کے دن۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ جو شخص ہر صبح تین مرتبہ سُبحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمدِہٖ سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیمِ وَبِحَمدِہٖ وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیم پڑھے خدا عقبیٰ کے جملہ مقاصد پورے کرے گا اور اس روز شیطان کا کچھ بس نہ چل سکے گا۔ والسلام:

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوہتّرواں مکتوب

دنیا کی مذمت اور قضا نمازوں کے کفارہ کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے مردود و ملعون ہے بجز اس کے کہ جو کچھ خدا کے لیے ہو۔ تو دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، وہ تین حصّے میں تقسیم کی جا سکتی ہیں، ایک وہ جو ظاہراً اور باطناً بالکل دنیا ہی کے لیے ہوں وہ کبھی خدا کے لیے نہیں ہو سکتیں وہ محض معصیت ہی معصیت ہیں۔ کیونکہ اس میں نیت و ارادہ ہی تھا کہ وہ خدا کے لیے نہیں کی جاتی جیس طرح دنیاوی عیش و عشرت وغیرہ جو لذتِ نفس کے لیے ہیں۔ یہ غفلت کے بیج، اور گناہوں کا سرمایہ ہیں۔ دوسری وہ جو ظاہراً و باطناً تو خدا کے لیے ہوں مگر ان کی نیت اور قصد حصولِ دنیا کے لیے ہو۔ اور وہ تین طرح کی ہیں فکر اور ذکر اور شہواتِ نفسانی کی مخالفت۔ کہ یہ تینوں بہبودیِ آخرت کا سبب اور خوشنودیِ حق تعالیٰ کے لیے ہے۔ اگرچہ دنیا ہی میں ہیں۔ لیکن اگر فکر سے علم کا حاصل کرنا اس غرض سے ہو کہ اس سے قبولیتِ خلایق اور عزت و مرتبہ حاصل ہو اور ذکر کا یہ مقصد ہو کہ لوگ پارسا سمجھ کر احترام کریں اور مخالفتِ شہوات کی یہ غرض ہو کہ لوگ پارسا اور زاہد و عابد جانیں، یہ بہت ہی بُرا اور مردُود ہے اگرچہ صورۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کے لیے ہے۔ تیسری وہ جو صورۃً تو دنیا کے لیے ہوں لیکن نیت اور قصد دنیا کا نہ ہو بلکہ خدا کے لیے ہو۔ جیسے کھانا کھانا عبادت کی غرض سے اور نکاح کرنا اس نیت سے کہ اولاد ہو اور کلمہ گویوں کی تعداد بڑھے اور خدا سے تھوڑا مال طلب کرنا اس نیت سے کہ اطمینان اور فراغتِ دل سے بغیر کسی تردد کے خلق سے بے نیاز ہو کر طاعت و عبادت بجا لائے۔ شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص شان و شوکت اور تفاخر اور سربلندی کے لیے دولت طلب کرے گا وہ بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ غضب اور جلال میں دیکھے گا۔ اور اگر اس نیت سے مال چاہتا ہے کہ خلق سے بے نیاز ہو کر طاعت میں مشغول ہو تو قیامت کے دن چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکے گا۔ کہنے کا یہ مطلب ہے دنیا وہ جس سے نفس کو فوراً ہی لذت اور خوشی حاصل ہو اور آخرت کو اس کی کوئی ضرورت نہ ہو۔ اور جو

Marfat.com

آخرت کی حاجت کے لیے کیا جائے دنیا سے اُس کا کوئی لگاؤ نہیں۔ کیونکہ اس کی غرض ہی آخرت ہے۔ جیسے حجاج کی راہ میں اونٹ اور گھوڑوں کے لیے چارا فراہم کرنا منجملہ برکاتِ حج ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ دنیا کے لیے تین درجے ہیں۔ بقدرِ ضرورت کھانے کپڑے اور سکونت کے واسطے ایک گھر کی حاجت ہے۔ اس کے علاوہ ضرورت سے زیادہ، زینت و آرائش شان و شکوہ میں داخل ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں جس نے اپنی مختصر سی حاجت پر بسر کی وہ پرسشِ عقبیٰ سے آزاد ہو گیا اور جو شان و شوکت کے لیے سرگرداں رہا، اُس نے دوزخ میں اپنا گھر بنا لیا۔ اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

ترا با مالِ دنیا دین نیاید چنان کت آن نیاید این نیاید

(دنیاوی دولت کے ساتھ دین کا سرمایہ تجھے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی حرص و ہوس بے سود ہے۔ نہ یہ تجھ کو حاصل ہو گا نہ وہ)۔ اور جس کسی نے ضرورت کے مطابق اختصار کیا وہ بھی خطرے سے خالی نہیں کیونکہ تنعم اور عیش و عشرت میں یہ بھی داخل ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے مقدارِ ضرورت مقدارِ ضرورت میں بھی بڑی حد تک اختصار سے کام لیا ہے۔ اس منزل کے میر کارواں اور امام حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ نے دنیاوی ضرورتیں اتنی کم کر دی تھیں کہ انھیں لوگ دیوانہ کہتے تھے۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ برس برس دو دو برس اُن پر لوگوں کی نظر بھی نہ پڑتی تھی۔ کیونکہ نمازِ فجر کی اذان کے وقت گھر سے باہر نکل جاتے اور عشا کے بعد واپس آتے تھے۔ آپ کا کھانا ہی چھوہارے کی گٹھلیاں تھیں جنھیں راہ میں چن چن کر کھا لیا کرتے تھے۔ اور ان کا لباس کوڑے کرکٹ سے اُٹھائے ہوئے چیتھڑے تھے جنھیں دھو کر پاک کر لیا کرتے تھے۔ آپ جدھر سے گذرتے لڑکے دیوانہ سمجھ کر پتھر مارا کرتے تھے (رباعی)۔

آنہا کہ بر آسمانِ ہفتم ماہ اند بر تختۂ شطرنجِ ملامت شاہ اند
وانہا کہ ز سِرِّ این سخن آگاہ اند دیوانۂ خلق اند و خود در راہ اند

(وہ لوگ جو ساتویں آسمان پر چاند کی طرح چمک رہے ہیں وہی ملامت کی شطرنج کی بساط کے بادشاہ بنے ہوئے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اسرار سے باخبر ہوتے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ راستے میں مارے مارے پھرتے ہیں اور لوگ دیوانہ سمجھ کر پتھر مارتے ہیں۔ جو لوگ دنیا کے

Marfat.com

جھمیلے اور بکھیڑے جانتے پہچانتے ہیں ان کا یہی طور طریقہ رہا ہے۔ انبیا اور اولیا کی یہی روش ہے۔ اگر ان کی برابری نہیں کر سکتے تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ ضرورت کی مقدار بہت مختصر کر دو کہ عیش و تنعم کی حد تک نہ پہنچے تاکہ خطرۂ عظیم میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ گریہ و زاری کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے یہ دعا کرتے رہو۔ مناجات

خدایا رحمت دریاے عام ہست — وزانجا قطرۂ مارا تمام است
اگر آلایش خلق گنہگار — بدان دریا فروشوئی بیک بار
نگردد تیرہ آن دریا زمانے — ولے روشن شود کار جہانے

(اے خدا تیری رحمت ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اس کا تو ایک قطرہ بھی ہمارے لیے کافی ہے۔ اگر سارے جہان کے گنہگاروں کی گندگی ایک ہی بار اس میں دھو دی جائے تو یہ سمندر ذرہ برابر بھی اس سے متغیر نہ ہوگا بلکہ ساری دنیا کا مقصد حاصل ہو جائے گا)۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جب وہ کسی کو صدیق کے مرتبے پر پہنچانا چاہتا ہے تو آخرت کو اُس کے باطن کا دیوان مقرر کر دیتا ہے اور اندیشۂ آخرت اور امید کی کوتاہی اُس کے دل پر مسلط ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ہر وقت اُس کا دل دنیا سے بیزار اور آخرت کی فکر میں ہوشیار رہتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بانس کے چھلکوں کی ایک جھونپڑی بنائی تھی اس لیے کہ جب بارش ہوتی تھی تو کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں پناہ مل سکے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ! اگر اجازت ہو تو حضور کے لیے مٹی کی ایک کوٹھری بنا دی جائے؟۔ آپ نے فرمایا دَعْنِی یَا ابْنَ اَبِی قُحَافَۃَ عَزَّ یُسْنِی کَعَرَیْشِ عِیْسٰی اَلْاَمْرُ اَهْوَنُ مِمَّا تَظُنُّوْنَ (اے ابوبکرؓ مجھے ان باتوں سے رنجیدہ نہ کرو۔ کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام دنیا میں آئے اور چلے گئے وہ جہاں رہے اُن کے پاس اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا جو میرے پاس ہے۔ اگر عیسٰی جو میری امت کے نقیب ہیں دنیا میں اُن کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ تھی تو میں کہ سردارِ دو عالم ہوں میرے لیے اولیٰ یہ ہے کہ ایسا نہ کروں۔ کام اس سے بھی زیادہ آسان اور ہلکا ہے جتنا کہ تم سمجھتے ہو۔ ہماری خوشی یہی رنج و غم ہے یہی راز ہے جو کسی صاحبِ دل نے کہا ہے ؎

جہانے خاک بر فرقِ کسے باد — کہ آن کس نیست در اندوہ تو شاد

Marfat.com

چو غم از تست کہ شادمانی ست اگر مرگ ہست از تو زندگانی ست

(سارے جہان کی خاک اُس کے سر پہ ہے جو تیرے غم سے خوش نہیں ہے۔ جب تیری طرف سے رنج وغم نصیب ہو تو وہ غم نہیں بلکہ خوشی کا ایک پہاڑ ہے۔ اور اگر تجھ سے موت ملے تو وہی ہماری زندگی ہے)۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر میں تشریف لائے اور پوچھا هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ غِذَاءٍ (تمھارے پاس کچھ کھانے کو ہے کہ افطار کروں؟) جواب ملا کہ گھر کے مالک آپ ہیں۔ اگر آپ نے کچھ لا کر دیا ہے تو مانگئے۔ آپ ہنسے اور فرمایا مَرْحَبًا بِشِعَارِ الصَّالِحِيْنَ۔ واہ واہ! صالحین کی روش کے کیا کہنے! خدا کرے محمدؐ کا گھر ہمیشہ یوں ہی رہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ سبحان اللہ! کیا عجیب بات ہے۔ شبِ معراج تو سارے جہان کی دولت وسعادت آپ پر نچھاور کردی گئی۔ اور گھر میں کھانے کے لیے ایک دانہ نہیں ؎

ہمہ جانہائے صدیقان پر از خون آ کہ می داند کہ سِرّ کارِ او چون ست

(صدیقوں کے کلیجے خون ہوکر رہ گئے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ اُس کے کاموں کا بھید کیا ہے)۔

ایک مرتبہ چند دن گزر چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ نے کچھ بھی نہ کھایا تھا۔ آپ مسجد میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ایسے باادب مرید کہ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغامبر آئے مگر ان میں سے کسی کو آپ کے ایسا کوئی مرید نہ مل سکا، مسجد میں آئے اور مؤدب ہوکر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ بھی آئے اور بیٹھ گئے۔ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ یہ لوگ بھی اسی علت میں گھر سے نکل کر آئے ہیں، تو فرمایا قُوْمُوْا بِنَا اِلَيْهِ (تم سب میرے ساتھ اس کے گھر چلو) چنانچہ سب کے سب حضرت ابوالہیثم انصاری کے گھر پہنچے اور فرمایا اے ابوالہیثم تم کو خبر ہے کہ ہم یہاں کس لیے آئے ہیں؟ انھوں نے کہا "فرمائیے یارسول اللہ" آپؐ نے فرمایا "تم نے مجھ سے کہا تھا، کہ میں نے آپ کے لیے کھجوروں کا خوشہ رکھا ہے۔ تو لاؤ۔ ہم سب کھائیں۔ یہ سن کر ابوالہیثم مارے خوشی کے حضورؐ کے قدموں میں بچھ گئے۔ اور فوراً خوشہ خرما لاکر پیش کیا۔ جب سب لوگ کھجوریں کھا چکے، حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکر و عمر تم نے جو کچھ کھایا وہ تمھیں پسند آیا" انھوں نے کہا، "ہاں، یارسول اللہ!" آپ نے فرمایا "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اللّٰهُ لَيَسْأَلُكُمَا عَمَّا اَكَلْتُمَا وَشَرِبْتُمَا (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں

Marfat.com

میری جان ہے، جو کچھ تم کھاتے ہو اللہ تعالیٰ اُس کے متعلق تم سے سوال کرے گا) تم جب تک اس کا جواب نہ دے دو گے میدانِ قیامت سے تمہارا گذر نہ ہو گا"۔ ضرورت کے وقت حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے سروں پر بھی نصیحت کی یہ تلوار ماری گئی ہے (تو عیش و تنعم کا کیا ذکر) یہی ہے جو کہا ہے ؎

غزیزانے کہ مردِ کار بودند — زنفسِ خویش چون بیزار بودند
نہ نان دادند نفسِ مشتہی را — نہ برخوردند یک نان فربہی را

(جو بلند مرتبہ لوگ ہوئے ہیں وہ اس طرح اپنے نفس سے بیزار رہے ہیں کہ انھوں نے بھوک کے وقت بھی نفس کو روٹی نہیں دی اور کبھی فربہی کی غرض سے لقمہ نہیں کھایا)۔ اے بھائی۔ جو چیز قبر کے آگے تمہارا ساتھ نہ دے وہ ہو یا نہ ہو اُس کی قدر ہی کیا۔ اور وہ گھر جو موت کے ہاتھوں خراب اور برباد ہونے والا ہے اس میں مال و دولت ہو یا سانپ اور بچھو، دونوں برابر ہیں۔ جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے رہو۔ اور آخرت کے رنج و فکر میں جلتے رہو تاکہ جب موت آئے تو نقصان میں نہ پڑ جاؤ اور اپنے کو درماندہ نہ پاؤ۔ مناجات

خداوندا منم بےچارہ ماندہ — درین فکرت دلے صد پارہ ماندہ
زما ببریدہ ہم بیگانہ ہم خویش — چو طفلان ما، ورا ہے سخت در پیش
ہمہ بےچارہ ایم واماندہ برجائے — برین بےچارگی ما یہ بخشائے

(اے خدائے پاک۔ ہم بہت بےکس اور بےبس لوگ ہیں۔ اسی اندیشے میں ہمارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ ہم سے یگانے اور بیگانے کٹ کر جُدا ہو چکے۔ ہم بچوں کی طرح ناآزمودہ کار ہیں اور راستہ نہایت سخت و دشوار ہمارے سامنے ہے۔ اے اللہ! ہم بہت ہی بےسہارے اور مجبور ہیں۔ ہماری اس بیچارگی پر رحم فرما۔ ہم کو بخش دے)۔ خواجہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ متقیوں کے بادشاہ اور اہلِ شریعت کے پیشوا تھے۔ وہ اپنے زمانے میں ایسے تھے کہ ولید مسلم کہتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا یا نبی اللہ میں خدا کا دین اور آپ کی سنت کس سے سیکھوں اور کس کا طریقہ اختیار کروں؟ آپ نے فرمایا عَلَيْكُم بِسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ فَإِنَّهُ عَلَى الْجَادَّةِ (تمہارے لیے سفیان ثوری کافی ہے۔ کیونکہ وہ صحیح راستے پر ہے)۔ حضرت سفیان ثوری

Marfat.com

رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام اہلِ آسمان اور ساکنانِ زمین کی طاعتوں کے برابر عبادت کرے اور دنیا کی محبت اُس کے دل میں ہو، اُس کو آفتابِ قیامت کی جھلسا دینے والی دھوپ میں ایک ہیبت ناک برج پر لے جائیں گے اور منادی پکار کر کہیں گے یَآ اَھْلَ الْقِیَامَۃِ ھٰذَا رَجُلٌ اَحَبَّ مَآ اَبْغَضَ اللّٰہُ (اے قیامت والو! یہ وہ آدمی ہے کہ خدا نے جس چیز کو مردود کیا تھا یہ اُس کو دوست رکھتا تھا) اے بھائی! آخرت کے غم سے صدیقوں کا پتّا پانی ہوا جاتا ہے اور مٹھی بھر خواہشات کے بندوں کو اس کی خبر نہیں۔ کسی دل جلے نے کہا ہے رباعی :-

جانِ ہمہ عاقلانِ عالم ریش است زان یک منزل کہ جملہ را در پیش است
از تیغِ اجل بریدہ در طشتِ فنا زین غم سرِ صد ہزار زیرک بیش است

(دنیا بھر کے خرد مندوں کی جانیں زخمی ہو رہی ہیں، اُس ایک منزل سے، جو سب کے سامنے آنے والی ہے اس غم میں، موت کی تلوار سے، فنا کے طشت میں ہزاروں عقل مندوں کے سر کٹ کر تڑپ رہے ہیں)۔

اگر نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور اُن کی تعداد معلوم نہ ہو تو جمعہ کے دن جس وقت بھی چاہئے ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھے اور یوں نیت کرے۔ نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوۃِ النَّفْلِ تَکْفِیْرًا لِلصَّلٰوۃِ الْقَضَاءِ الَّتِیْ فَاتَتْ مِنِّیْ فِیْ جَمِیْعِ عُمْرِیْ مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار آیۃ الکرسی ایک بار اِنَّآ اَعْطَیْنٰا پندرہ بار پڑھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ دو سو برس کی قضا نماز کا کفارہ ہے۔ اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ یہ چار سو برس کی قضا نماز کا کفارہ ہے۔ اور حضرت مولائے کائنات علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ سات سو برس کی قضا شدہ نمازوں کا کفارہ ہے۔ اعداد کا اختلاف وحی کے اختلاف کی بنا پر ہے۔ اصحابؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ہماری اور دوسرے لوگوں کی عمریں تو ستر اسی یا سو برس تک ہوا کرتی ہے اتنی صفتوں کا مطلب کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا اُس کے ماں باپ اقربا اور اولاد کی نمازوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ اس نماز کے ادا کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے اور حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سو مرتبہ درود بھیجے۔ دعا یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ یَا سَابِقَ الْفَوْتِ وَیَا

سَامِعَ الصَّوْتِ وَيَا مُحْيِيَ الْعِظَامِ بَعْدَ الْمَوْتِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ خُرُوْجًا وَّ مَخْرَجًا مِّمَّآ اَنَا فِيْهِ اِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ يَا رَاحِمَ الْعُطَايَا وَيَا غَافِرَ الْخَطَايَا سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيُّ الْاَعْظَمُ يَا سَاتِرَ الْعُيُوْبِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖٓ اَجْمَعِيْنَ۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچھتّرواں مکتوب ۷۵

ترکِ دنیا کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین، خدا تمھیں زاہدوں کی بزرگی عطا فرمائے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ عبادت درست نہیں ہو سکتی جب تک دنیا کا خیال نہ چھوڑ دے۔ کیونکہ جب تمھارا ظاہر دنیا طلبی میں مشغول اور تمھارا باطن ارادت کی طرف مائل ہو تو کوئی عبادت کیونکر بجا لا سکتے ہو۔ دل تو خدا نے ایک ہی دیا ہے۔ جب ایک کام میں مشغول ہو تو دوسرا کام نہیں کر سکتا۔ دنیا اور آخرت کی مثال پورب اور پچھم کی طرح ہے۔ جب ایک سے قریب ہو گے تو یقیناً دوسرے سے دُور ہو جاؤ گے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے چاہا کہ کسی طرح دنیا اور عقبیٰ کو ایک ساتھ جمع کروں اور عبادت اور تجارت کو ایک مقام پر ملا دوں۔ لیکن ہزار کوششوں کے باوجود بھی ایسا نہ ہو سکا آخر وہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت اور تجارت کو خیرباد کہہ کر عبادت کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر دنیا و عقبیٰ کسی کو ایک ساتھ جمع ہو سکتی تو وہ شخص میں ہی ہو سکتا تھا کیونکہ خدا نے مجھے اتنی طاقت دی تھی۔ اعمال کی قیمت دنیا کو ترک کر دینے سے بڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس عالم نے دنیا ترک کر دی ہو اُس کی دو رکعت نماز تمام عابدوں کی قیامت تک کی عبادت سے خدا کے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ جب دنیا چھوڑنے سے عبادت کا یہ مرتبہ ہو جاتا ہے تو ہر ایک طالب عبادت کا فرض ہے کہ دنیا کو چھوڑ دے۔ مگر یہ جاننا چاہیے کہ دنیا میں زہد کے معنی کیا ہے

Marfat.com

تو سنو، ہمارے علماء کے نزدیک زہد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ زہد ہے جو بندے کی قدرت میں ہے۔ دوسرا وہ جو بندے کے اختیار سے باہر ہے جس کو بندہ کر سکتا ہے وہ تین چیزیں ہیں۔ دنیا میں اس چیز کی طلب ترک کر دینا جو اس کو حاصل نہیں ہے۔ اپنی ذات سے ایسی چیز دل کو دور کر دینا جن کا تعلق دنیا سے ہے۔ اپنے باطن سے دنیاوی خواہشات کا ترک کر دینا۔ لیکن وہ زہد جو قدرت سے باہر ہے وہ یہ ہے کہ زاہد کے دل پر دنیا کا خیال سرد پڑ جائے اور اس کی کوئی کشش باقی نہ رہے۔ جب بندہ زہدِ مقدور بجا لاتا ہے یعنی جو میسر نہیں وہ نہیں مانگتا اور جو پاس ہے اسے دور کر دیتا ہے اور اپنے دل سے اس کی خواہش بھی نکال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے کرم سے زہدِ غیر مقدور بھی اسے حاصل ہو جاتا ہے یعنی اس کا دل دنیا سے پھر جاتا ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اسی کو زہدِ حقیقی کہتے ہیں۔ اس امر میں مشکل ترین کام دل سے دنیاوی خواہشات کا دور کر دینا ہے۔ تم بہت سے تارکِ دنیا لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ دیکھنے میں تو تارکِ دنیا نظر آتے ہیں لیکن ان کے باطن میں دنیا کی محبت ہوتی ہے۔ تو بڑی مہم سر کرنا یہی ہے کہ دنیا کی خواہش ہی دل سے نکل جائے۔ اصل کام یہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب بندہ ان دو چیزوں پر قائم ہو جاتا ہے یعنی جو اس کے پاس نہیں ہے وہ نہیں مانگتا اور جو ہے اسے دور کر دیتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کو توفیق عنایت کرتا ہے کہ دنیا کی طلب بھی اس کے دل سے نکل جاتی ہے اگر کوئی شخص ساری دنیا کی ملکیت سے ہاتھ اٹھا لے تو بھی زہد کے مقام پر نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کی طلب سے اپنے دل کو خالی نہ کر دے۔ کیونکہ طلب میں رغبت پائی جاتی ہے اور رغبت و زہد آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ وَالضِّدَّانِ لَا يَجْتَمِعَانِ (دو ضد ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے)۔ دوسرے یہ کہ زہد کے امام انبیاء علیہم السلام ہوئے ہیں۔ ساری دنیا کی ملکیت حضرت مہتر سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھی پھر بھی بے شک و شبہ آپ زاہد تھے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ باوجود ملک و دولت کے دل میں طلب نہ رکھنا افضل و بہتر ہے اُس خالی ہاتھ سے کہ اس کے دل میں طلب باقی ہو۔ اگر تم سوال کرو کہ زہد کا حکم دنیا میں فرض ہے یا نفل؟ تو سنو، زہد حلال میں ہوتا ہے یا حرام میں؟ حرام میں فرض ہوتا ہے اور حلال میں نفل جو لوگ عبادتوں میں استقامت حاصل کر چکے ہیں ان کے نزدیک زہد حرام مُردار کھانے کے برابر ہے جو اشد ضرورت کے وقت مصلحتِ وقت کے

اندازے سے کھا سکتے ہیں۔ اور حلال چیزوں میں زہد، یہ تو خاص ابدالوں کا حصّہ ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں حلال بھی مُردار کا درجہ رکھتا ہے۔ ضرورت کے وقت بس اسی قدر کھا سکتے ہیں کہ بغیر اتنا کھائے چارہ نہیں۔ اگر اتنی طاقت نہ رکھتے ہوں تو طلب کی اجازت دی جاتی ہے لیکن طلب میں یہی نیت ہو کہ اس کے ذریعہ عبادت کی طاقت حاصل ہو۔ اور بغیر کسی فکر و تردد کے بندگی بجا لا سکے۔ خواہشِ نفس، لذت و راحت اور آرام کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ جب تمہاری طلب کی یہ نیت ہوگی جو کہی گئی تو یہ دنیا طلبی نہیں بلکہ خیر طلبی ہوگی، کہ مَا یُسْتَعَانُ بِالْعِبَادَۃِ فَھُوَ عِبَادَۃٌ۔ جو چیز عبادت میں مددگار ہو وہ بھی عبادت میں داخل ہے۔ یہ فیصلہ شدہ مسئلہ ہے۔ اس سے زہد میں کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ اور زہد کے دائرے سے خارج نہیں کرتا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ زہد تمام نیکیوں کی بنیاد ہے اور حالاتِ پسندیدہ اور مقاماتِ محمودہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ مرید کی پہلی منزل یہی ہے، کہ جڑ کو مضبوط کرے۔ جب تک جڑ مضبوط نہ ہوگی دوسرے مقامات بھی درست نہ ہوں گے۔ کیونکہ اَلْبِنَاءُ عَلَی الْفَاسِدِ فَاسِدٌ (خراب بنیاد پر تعمیر بھی خراب ہوگی)۔ بزرگوں کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ دنیا میں جس کا نام زاہد مشہور ہو گیا اُس نے ہزاروں نیک نامیاں پائیں۔ اور جس کے نام کے ساتھ رغبت منسوب ہو گئی اُس نے ہزاروں ناپسندیدہ نام اختیار کر لیے۔ اسی لیے امام نصیر آبادی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ زاہد دنیا میں مسافر ہوتا ہے اور عارف عقبیٰ میں مسافر ہوتا ہے۔ خواجہ امام محمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ نے کہا زہد کے تین طریقے ہیں۔ ایک حرام چیزوں کا چھوڑ دینا یہ عوام کا زہد ہے۔ دوسرے وہ حلال جو فضولیات میں داخل ہیں ان کا ترک کرنا یہ خواص کا زہد ہے۔ تیسرے اُن چیزوں کا ترک کرنا جو بندے کے دھیان کو خدا سے ہٹا کر دوسری طرف مشغول کرے یہ عارفوں کا زہد ہے۔ اس تقسیم سے شعرا کی نظمیں اور مشائخین کے کلماتِ مدح و ذم اچھی طرح سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اور کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی۔ خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام برائیوں کو ایک خانے میں رکھا جس کی کنجی دنیا کی محبت ہے اور تمام نیکیوں کو اس خانے میں جمع کر دیا جس کی کنجی ترکِ دنیا ہے۔ یاد رکھو اے بھائی! جب تک تم حسد سے بھرے ہوئے جسم اور اپنی ناپائدار ہستی کے گرد نہ پھرو گے بات نہیں بنے گی۔ کیونکہ ریشم کا کیڑا جب اپنے چاروں طرف گھوم کر ریشم کا کویا بناتا ہے اور سانس بند کر کے اس کے اندر قید ہو جاتا ہے اور جان کی

بازی لگا دیتا ہے تب کہیں جا کر ریشم پیدا ہوتا ہے ذرا تم بھی تو اپنے نفس کی اندھیری کوٹھری سے باہر آؤ، امید و خوف کے کعبہ کا طواف کرو اور زہد و ترکِ جاہ کی منزل میں بیٹھ جاؤ، تاکہ کل جب قیامت کے میدان میں معرفت کے انوار لے کر سامنے آؤ تو دوزخ کو بھی برداشت کی طاقت نہ ہو اور تم سے فریاد کرنے لگے جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ اِطْفَاءُ لَهَبِيْ (اے مؤمن جلدی سے گذر جا، کیونکہ تیرا نور میرے شعلوں کی لپک کو ٹھنڈا کر رہا ہے) یعنی اے مومن سلامتی کے ساتھ آگے بڑھ جا۔ مجھے خوف ہے کہ تیرے ایمان کی روشنی میری ہستی کو نہ مٹا دے اور مجھ میں ذرہ برابر بھی سوزش باقی نہ رہ جائے۔ بھائی، تم اپنے گناہوں کو کیا دیکھتے ہو، اور اس آب و خاک کی کمتری و حقارت پر کیوں نظر ڈالتے ہو؟ دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ وہ خود بدولت تمھارے ساتھ ہے۔ تم لاکھ چاہو کہ تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو مگر یہ بات تمھارے بس کی نہیں کیونکہ تم ہی وہ مخلوق ہو کہ گناہ کرو۔ اور وہ وہی ذات ہے جو بخشش کرے۔ جس میں جو صفت ہوتی ہے وہی ظاہر ہوتی ہے۔ دیکھو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندے اگر تیرا پیشہ معصیت کرنا ہے تو میری صفت بخشش اور مغفرت ہے جب تو اپنا کام نہیں چھوڑتا میں اپنی صفت سے کیونکر باز آجاؤں۔ نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (میرے بندوں کو پیغام پہنچا دو کہ میں بخشش اور رحمت کرنے والا ہوں)۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر تو گناہوں میں آلودہ ہے تو میرا ہے اور اگر مطیع و فرمانبردار ہے تو میں تیرا ہوں۔ اور جانتے ہو کہ گناہ کے وقت جو تم کو جاہل کہا گیا اس کے کیا معنی ہیں؟ یہ کہ تم کو جاہل بنا کر تمھاری بخشش کرے جیسا کہ آدم علیہ السلام کو کہا اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ (وہ بڑا ظالم اور جاہل تھا) اور یہ جو شہادت کے وقت تم کو عالم کہا، جانتے ہو کیوں؟ اس لیے کہ تم کو قبول کرے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰۤئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ (اللہ، اس کے فرشتوں اور علم والوں نے گواہی دی کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں) اور طاعت و عبادت کے وقت جو ضعیف کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ عاجز و مجبور سمجھ کر تمھارے قصور معاف کر دے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (انسان بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے)۔ والسلام

—:—

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھیترّواں مکتوب ۷۶

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تعالےٰ تم کو سلامت رکھے۔ سنو، نیک بختی اور بدبختی اللہ تعالےٰ نے دو خزانے بنائے ہیں۔ ایک کی کنجی بندگی ہے اور دوسرے کی معصیت۔ جس کو ازل میں خوش نصیب بنایا ہے کہ اَلسَّعِیْدُ مَنْ سَعَدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ (جو نیک بخت ہے وہ ماں کے پیٹ ہی میں نیک بخت ہو چکا) نیک بختی کے خزانے کی کنجی جو طاعت ہے اُس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور وہ جس کو ازل میں شقی و بدبخت بنایا ہے کہ اَلشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ (بدنصیب وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت بنا دیا گیا ہے) شقاوت کی کنجی جو معصیت ہے اُس کے سپرد کر دی۔ آج ہر شخص کو اپنے ہاتھ پر نظر کرنا چاہیے کہ کون سی کنجی اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کو حکم اور سنتِ الٰہی کا جاری ہونا کہتے ہیں کہ سعید و شقی آج پیدا و ظاہر ہے لیکن علمائے آخرت کی نگاہیں پہلے ہی ان کو دیکھ چکی ہیں برخلاف علمائے دنیا کے کہ وہ نہیں دیکھتیں۔ جس نے کہا ہے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

دیبا دانیم و برد رازی دانیم ما عشقِ حقیقی از مجازی دانیم

(ہم ریشمی شال اور رازی کی پرانی چادر کو جانتے ہیں ہم عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کو پہچانتے ہیں)

بندے کے لیے ساری عزت و دولت و نعمت خدا کی طاعت و بندگی میں ہے اور تمام عذاب و ذلت و نقصان گناہگاری میں ہے۔ اعزاز و اکرام و قربتِ الٰہی طاعت میں اور دوزخ کے تمام عذاب معصیت میں ہیں جس کسی کو پچھاڑا ہے معصیت کی راہ سے پچھاڑا ہے اور جس کو سراہا ہے طاعت کی راہ سے سراہا ہے۔ مقامِ قدس کے اس معتکف کو جس نے سات لاکھ برس تسبیح و تقدیس میں گذارے تھے صرف ایک سجدہ نہ کرنے پر ایسا گرایا کہ پھر نہ اُٹھ سکا۔ اور سگِ اصحاب کہف کو جو ناپاک اور نجس تھا، صدیقوں کے ساتھ چند قدم چلنے پر ایسا اُٹھایا کہ پھر کبھی نہ گر سکا۔ یہ کیا ہے ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یہ خداوند بزرگ و دانا کی قدرت ہے)۔ سہ

قومے بہ فلک رسید قومے بہ مغاک فریاد ز تہدید تو با مشتے خاک

(ایک قوم اتنی بلند ہوئی کہ آسمان تک پہنچی اور دوسری قعرِ مذلت میں گری۔ اس مشتِ خاک کے ساتھ

Marfat.com

جو تیری کارفرمائی ہے ہم تجھ ہی سے اس کی فریاد کرتے ہیں) سبحان اللہ! اس سے زیادہ حیرت انگیز بات اور کیا ہوگی کہ تمام عالموں کا علم اوندھ گیا اور کسی کو اس بات کا بھید نہ ملا اور تمام عقل والوں کی عقلیں جاتی رہیں اور کسی کو اس رمز سے آگاہی نہ ہوئی۔ اس کی رُوح پر خدا کی رحمت کا نزول ہو جس نے یہ کہا ہے ؎

عشقم کہ در دو کون مکانم پدید نیست — عنقاے مغربم کہ نشانم پدید نیست
زابرو وغمزہ ہر دو جہاں صید کردہ ام — منگر بدین کہ تیر و کمانم پدید نیست
چوں آفتاب در رخ ہر ذرہ ظاہرم — از غایت ظہور عیانم پدید نیست
گویم بہر زبان و بہر گوش بشنوم — وین طرفہ تر کہ گوش و زبانم پدید نیست
چوں ہر چہ ہست در ہمہ عالم ہمیں منم — مانند در دو عالم از آنم پدید نیست

(میں وہ عشق ہوں کہ دونوں جہاں میں کہیں میرا امکان ظاہر نہیں ہے۔ میں وہ عنقاے مغرب ہوں کہ کہیں بھی میرا نشان ظاہر نہیں ہوتا۔ میں اپنے عشوہ و ناز سے دونوں عالم کو شکار کرتا ہوں۔ یہ مت دیکھو کہ میرے تیر و کمان کہیں نظر نہیں آتے۔ میں آفتاب کی طرح ہر ذرے کے آئینے میں ظاہر ہوں مگر جلوے کی بے حد تابناکی سے میرا ظہور بھی کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ میں ہر زبان سے بولتا ہوں اور ہر کان سے سنتا ہوں اور مزے کی بات یہ ہے کہ میری زبان میرے کان کسی کو دکھائی نہیں دیتے۔ جو کچھ بھی سارے جہان میں نظر آتا ہے وہ میں ہی میں ہوں۔ دونوں جہان میں میری طرح اور کوئی ظاہر نہیں ہے) عجیب راز اور مشکل بھید ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کہا گیہوں نہ کھاؤ اور حکم کیا جا چکا تھا کہ کھاؤ شیطان کو کہا سجدہ کر اور حکم ہو چکا تھا کہ نہ کرے۔ پورب والوں کو پچھم اور پچھم والوں کو پورب میں ڈال دیا۔ جہاں کہیں پہنچے یہی سنا کہ تم کو بغیر طلب کے چارہ نہیں ہے۔ لیکن پا لینے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ اے بھائی، عالم الوہیت کا کوئی راز پہلے ظاہر نہیں کیا گیا۔ لیکن منتظمانِ راہ اور مقیمانِ درگاہ بول اُٹھے لَا عِلْمَ لَنَا ہم کچھ نہیں جانتے۔ پھر یہ بے چارہ آب و گل کیا کہے۔ سب کے قدم رُک گئے اور عقلیں حیران رہ گئیں اور سارے وہم کٹ کر رہ گئے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ بتایا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (ہم وہ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے)۔ اور فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھاری نبوت پاک، تمھارا عہد متبرک، تمھاری حشمت بزرگ و برتر اور تمھارا خطاب کریم ہے۔ لیکن ہم وہی خداوند کریم ہیں کہ جو چاہیں کریں۔ مدتیں گزر گئیں کہ ہم نے زبانوں پر مہر لگا دی۔

اور کہہ دیا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا)۔ اُس کی درگاہِ عظمت وجلال سبھوں کے ایمان وطاعت سے پاک و بے نیاز ہے اور اُس کا عالی دربار سبھوں کے کفر ومعصیت سے بے پروا ہے۔ وہاں طاعت و معصیت دونوں برابر ہیں۔ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ و الغفران نے کہا ہے ؎

بے نیازیش را چہ کفر و چہ دین — بے زبانیش را چہ شک چہ یقین
گرگ و یوسف ز ست خورد و بزرگ — ورنہ از او یکے ہست یوسف و گرگ

(اُس کی بے نیازی کے سامنے کیا کفر ہے اور کیا دین۔ اس کی خاموشی کے آگے کیا شک ہے اور کیا یقین۔ یوسف اور بھیڑیا تمھارے نزدیک کمتر اور برتر ہیں۔ ورنہ اُس کے نزدیک یوسف اور بھیڑیا دونوں برابر ہیں)۔ علم کو اطاعت کا رہنما بنایا اور جہالت کو معصیت کی بنیاد قرار دی ایمان وطاعت علم سے پیدا ہوئے اور کفر ومعصیت جہالت سے۔ پس جس طرح علم سے کفر اور معصیت ممکن نہیں اسی طرح جہالت سے ایمان وطاعت محال ہے۔ مقصد یہ کہ طاعت و بندگی سعادت کی کنجی اور معصیت شقاوت کی کنجی ہے۔ اس لیے چھوٹی سے چھوٹی طاعت کو بھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ رضائے خداوندی اسی میں ہو۔ اور چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی نہ کرنا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ قہرِ الٰہی اسی میں ہو۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ تین چیزیں تین چیزوں میں پوشیدہ ہیں، ایک رضائے خداوندی طاعت میں، دوسرے قہر وغضب معصیت میں، تیسرے ولایت مومنوں میں۔ پس جس مُومن کو دیکھو اپنے سے اچھا سمجھو اور یہ گمان کرو کہ یہ دوستوں میں سے ہے ممکن ہے ولایت یہیں ہو۔ بندگی کے یہی گُر ہیں۔ مگر روزِ ازل جس کو جو لباس پہنا دیا گیا ہے ناممکن ہے کہ اس کے بدن سے کوئی اتار سکے۔ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ (خدا کا کلام بدل نہیں سکتا) ایک قوم نے دن رات ریاضت ومجاہدے میں ساگ اور پتے کھا کر گزارے اَلطَّلَبُ رَدٌّ وَّالطَّرِیْقُ سَدٌّ (طلب ردّ کر دی گئی اور راستہ بند کر دیا گیا) اُن کو سنا دیا گیا۔ اور ایک دوسری قوم جو بُت کدے میں معتکف ہو کر لات وعزا کو اپنا معبود بنائے سجدہ کرتی رہی ان کو حضرت رب العزت کی طرف سے برابر یہ بشارت دی گئی اَنَا لَکُمْ شِئْتُمْ اَمْ اَبَیْتُمْ وَاَنْتُمْ لِیْ شِئْتُمْ اَمْ اَبَیْتُمْ (ہم تمھارے لیے ہیں تم چاہو یا نہ چاہو۔ اور تم ہمارے لیے ہو، تم چاہو یا نہ چاہو)۔ اے بھائی! اگر گناہ ہی گناہ ہے

اور طاعت نہیں ہے تو وہاں عفو و مغفرت سامنے کھڑی ہے۔ جب فرشتوں نے کہا تھا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا (کیا تو انھیں اپنا خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کریں گے) تو خداوند ذوالجلال نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فساد نہ کریں گے۔ بلکہ کہا تو یہ کہا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (ہم وہ سب کچھ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے)۔ اگر وہ نالائق ہیں تو ہم انھیں لائق بنادیں گے۔ اگر دور رہیں تو قریب بلالیں گے۔ اگر ذلیل ہیں تو عزیز کردیں گے۔ تمھاری نظر اُن کے شر و فساد پر پڑتی ہے تو ہم اُن کے دلوں کو دیکھتے ہیں۔ اگر تم کو اپنی پاک دامنی پر غرہ ہے تو انھیں ہماری رحمت پر ناز ہے۔ تمھیں اپنی عصمت سے کیا خوشی حاصل ہوگی اگر ہم قبول نہ کریں۔ اور انھیں اپنی معصیت سے کیا نقصان ہوگا جبکہ ہماری بخشش و رحمت اُن کی پشت پناہ ہے۔ اور یہ باتیں تو ہم ہی جان سکتے ہیں، تم نہیں جانتے۔ وہ لطفِ ازل کے نوازے ہوئے ہیں اور کیفِ ابد سے سرشار ہیں۔ اور یہ وقتی نقصان جو ازل اور ابد کے درمیان واقع ہوا کوئی مزاحمت نہیں کرتا۔ جانتے ہو کہ معصیت کیا ہے؟ تمھارے خوبصورت چہرے کا تل ہے تاکہ نگاہِ بدبیناں اسی تل پر پڑے اور تمھارے حسن رخسار کو نظر نہ لگے۔ پس یقین جانو کہ ہم لوگ اُس کے لطف و کرم کے نوازے اور سرفراز کیے ہوئے ہیں۔ ہم بے نظیر مخلوق ہیں اور وہ بے مثل خالق۔ ہمارے لیے تو مثل و نظیر ہونا جائز بھی ہے لیکن اُس کے لیے نہ مثل ممکن ہے نہ نظیر۔ وہ اُس کی قدرت کے اعتبار سے ہے اور یہ اُس کی محبت کے اعتبار سے۔ یعنی وہ اپنی قدرت سے ہماری جیسی ہزار مخلوق پیدا کرسکتا ہے لیکن محبت و غیرت کے لحاظ سے پیدا نہیں کی۔ پس یہ بات قدرت میں جائز ہے لیکن غیرت و محبت میں جائز نہیں ہے۔

ایک شخص کے ایک لڑکا تھا جو بے حد پیارا تھا۔ اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تم اپنے لڑکے کو کتنا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اس کی اتنی محبت ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے میں کبھی یہ تمنا نہیں کرتا کہ اب کوئی اور لڑکا میرے یہاں پیدا ہو۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اُس کی محبت میں شریک ہوجائے اور محبت تقسیم ہوجائے۔ والسلام

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سترّواں مکتوب

اسرارِ قضا و قدر کے بیان میں

اے بھائی شمس الدین! سنو، اصحاب صدق لِیَسْأَلَ الصَّادِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ (صدیقوں سے ان کے صدق کے بارے میں پوچھا جائے گا) کے خوف سے لرزاں ہیں۔ اور اہلِ طاعت وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ (اور مخلصین بڑے خطرے میں ہیں) کے تیر سے زخمی۔ عابد و زاہد اور عارف و عالم اس کی تیغ بے نیازی کی ہیبت سے سرگردان و پریشان ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (بیشک اللہ دونوں جہان سے بے پروا ہے)۔ ؎

این کار ازان فتاد مشکل — معشوق غنی و ما گدائیم

(یہ کام اور بھی سخت مشکل اس لیے ہو گیا ہے کہ معشوق بے نیاز اور ہم مفلس اور فقیر ہیں)۔ بھائی تم اور ہم دوزخ کے ایندھن اور فرعون و نمرود کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ غفلت دلوں پر وہ کام کرتی ہے کہ دوزخ بھی کافروں کے ساتھ نہیں کرتی۔ اے بھائی، دنیا، قرار و آرام کی جگہ نہیں۔ آب و گل کی ایک مورتی بنا کر مشیئت کے سامنے اندوہ و بلا کے میدان میں ڈال دی گئی ہے۔ اگر اس نے پیٹ بھر کر کھایا تو مست ہے بھوکا رہا تو دیوانہ، سو رہا تو مُردار ہے اور جاگتا ہے تو حیران۔ عاجزی اور ناتوانی اس کی صفت لازم بن گئی ہے۔ اگر معرفت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو جواب ملتا ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (اُنھوں نے اللہ تعالےٰ کا حق قدر ادا نہیں کیا)۔ اگر عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ (اس کے سوا اُن کو اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ خدا کی بندگی کریں تو نہایت اخلاص کے ساتھ) اور اگر ان دونوں کو چھوڑ کر کنارے بیٹھ جاتا ہے تو کہتے ہیں وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ (ہم نے جنات اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں)۔ اگر غافل ہو کر بیٹھ رہتا ہے تو ڈراتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ (جان لو کہ تمھارے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے)۔ اور اگر کسی کا شفیع بنتا ہے تو فرماتے ہیں لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (کوئی بول نہیں سکتا مگر وہ جس کو خدا نے حکم دیا، اور اس نے ٹھیک بات کہی)۔ اور اگر اپنی یا غیر کی طرف نظر کی تو کہتے ہیں لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (اگر تو نے کسی کو شریک گردانا تو تیرے اعمال سوخت کر دیے جائیں گے)۔ اور اگر چاہے کہ اپنے دل ہی میں کوئی سودا کرے، تو کہا جاتا ہے وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (البتہ تمھارے اوپر ہر وقت محافظ مقرر ہیں)۔ اگر چاہے کہ دل ہی دل میں کوئی منصوبہ باندھے تو کہا جاتا ہے يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (وہ دلوں کے چھپے ہوئے رازوں کو جانتا ہے)۔ اور اگر بھاگ کر کسی گوشے میں چھپ جاتا ہے تو کہا جاتا ہے اَيْنَ الْمَفَرُّ (کہیں فرار کی جگہ بھی ہے)۔ اور اگر بھاگ جاتا ہے تو بلا کر کہتے ہیں وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (اور اسی طرف سب کی بازگشت ہے)۔ اور اگر سب کو چھوڑ کر بے کار بیٹھ جاتا ہے تو کہا جاتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جنھوں نے ہمارے لیے جدوجہد کی ہم انھیں اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں) اور اگر کوشش و محنت کرتا ہے تو کہتے ہیں يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چھانٹ لیتا ہے)۔ اور اگر کوئی نا امید ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو)۔ اور اگر پر امید ہو کر بے خوف ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ (کیا وہ لوگ اللہ کی تدبیر (چال) سے محفوظ ہیں)۔ اور اگر فریاد کرتا ہے تو کہتے ہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ ایسا کیوں کیا)۔ رباعی

آرند یکے و دیگرے بربایند	بر ہیچ کس این راز ہمی نہ کشایند
مارا ز قضا جز این قدر ننمایند	پیمانہ توئی بادہ بتو پیمایند

(ایک کو مقبول کرتے ہیں اور دوسرے کو مردود بنا دیتے ہیں اور کسی پر اس کا راز ظاہر نہیں کرتے۔ قضا و قدر کی طرف سے ہمیں اس کے سوا اور کچھ نہیں بتایا جاتا کہ تو ہی پیمانہ اور تجھی سے اپنی معرفت کی شراب کو ناپتے ہیں)۔ عارفوں کا قول ہے دَخَلْنَا الدُّنْيَا فِيْهَا مُضْطَرِّيْنَ وَلَبِقِيْنَا فِيْهَا مُتَحَيِّرِيْنَ وَخَرَجْنَا مِنْهَا كَارِهِيْنَ (ہم بے قراری کی حالت میں دنیا میں داخل ہوئے۔ یہاں حیرانی کے ساتھ زندگی گذاری اور کراہت کے ساتھ یہاں سے چلے گئے) حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک رات آرام فرما کر بیدار ہوئے تو آپ نے سترہ موئے مبارک

Marfat.com

سفید ہو گئے تھے۔ اصحابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا کیوں ہوا؟ آپؐ نے فرمایا۔ رات سورۂ ہُود نازل ہوئی ہے اور یہ اس خطاب کی وجہ سے ہے کہ فرمایا فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ (جو کچھ کہا گیا ہے اُس پر قائم ہو جاؤ)۔ اے بھائی! راہ خطرناک، منزل بہت دُور، محبوب و مطلوب کے مقام کی کوئی حد و نہایت نہیں، انسان کا جسم کمزور، دل بے سہارا، جانِ عاشق اور سر شوریدہ و مشتاق۔ کیا کرے ؎

جز جان و جگر نیست شکار خور تو　　　زانست کہ ہر سرے ندارد سر تو

(جان و جگر کے سوا اور کوئی شکار تیرے لائق نہیں یہی وجہ ہے کہ ہر کسی کا دماغ تیرے سودا کا متحمل نہیں ہو سکتا)۔ کتنی طاعتوں کے انبار کو جاں کنی کے وقت وَ قَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا (اُن کے اعمال کی جزا ہم نے پہلے ہی دے دی ہے)، کی بادِ بے نیازی کے جھونکوں سے اُڑا کر برباد کر دیا اور کتنے آباد سینوں کو سکراتِ موت کے وقت وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ (انھیں خدا کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوا جس کا انھیں گمان تک نہ تھا)، سے خراب و ویران کر کے رکھ دیا۔ کتنوں کے چہرے قبر میں قبلے کی طرف سے پھیر دیے۔ اور کتنے آشناؤں کو پہلی ہی رات میں بیگانہ بنا دیا۔ ایک کو کہا نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ (دُلہن کی طرح میٹھی نیند سو جا)۔ دوسرے سے کہا نَمْ كَنَوْمَةِ الْمَنْحُوْسِ (منحوس کی طرح سو جا)۔ ایک راندۂ درگاہ آتا ہے جو کسی طاعت سے بھی مقبولِ بارگاہ نہیں ہو سکتا۔ ؎

مضطرب

مَنْ لَمْ يَكُنْ لِلْوِصَالِ اَهْلًا　　　فَكُلُّ اِحْسَانِهِ ذُنُوْبٌ

(جو شخص وصال کی اہلیت نہیں رکھتا اُس کے کل احسان گناہ ہی گناہ ہیں)۔ اور ایک مقبولِ بارگاہ ایسا آتا ہے جو کسی معصیت سے نہیں ڈرتا۔ ؎

فِيْ وَجْهِهٖ شَافِعٌ يَمْحُوْ اِسَاءَتَهٗ　　　مِنَ الْقُلُوْبِ وَيَاْتِيْ بِالْمَعَاذِيْرِ

(اُس کے چہرے میں ایک شفاعت کرنے والی چیز ہے جو اُس کی برائیوں کو دلوں سے مٹا دیتی ہے۔ اور وہ عذر و معذرت کرتا ہوا آتا ہے)۔ آذر کے صنم بنانے سے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھو۔ وَيُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ (مردے سے زندہ پیدا کرتا ہے) پڑھو۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے گھرانے سے کنعان پر نظر ڈالو وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ (اور زندے سے مردہ پیدا کرتا ہے

Marfat.com

اس کو جانو اور سمجھو۔ حضرتِ آدمؑ کی ثابت قدمی دیکھو کہ لغزش کا نقصان بھول نہ سکے اور شیطان کی محویت دیکھو کہ طاعت کا ثبوت کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ چنانچہ جو لوگ بلائے گئے ہیں ان کے لیے لَھُمُ الْبُشْرٰی (ان کو بشارت ہے) کا مژدہ ساتھ ساتھ ہے۔ اور جو راندے گئے اُن کی راہ میں لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ (آج مجرموں کو کوئی بشارت نہیں ہے) کا خطاب ہے۔ جس طرح سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (اُن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں). کا بیان ہے۔ اسی طرح یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمَاھُمْ (گنہگار اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے)۔ رباعی

غافل منشین زخویش چون بے خبرے حاصل کن ازین جہان فانی ہنرے
خود بنشیند غبار و شک برخیزد کاسپ ہست بزیر رانت یا لاشہ خرے

(بے خبروں اور نادانوں کی طرح غافل مت بیٹھ۔ اس مٹ جانے والی دنیا سے کوئی ہنر حاصل کر۔ گرد و غبار خود ہی بیٹھ جائے گا اور شک و شبہ باقی نہ رہے گا کہ جس سواری پر تو سوار ہے وہ گھوڑا ہے یا مردار گدھا)۔ تم سے جہاں تک ہو سکے شکستہ دل اور خراب حال رہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے گفتگو کرتے وقت کہا یَا رَبِّ اَیْنَ اَطْلُبُکَ قَالَ عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ لِاَجْلِیْ (اے پروردگار، میں تجھے کہاں ڈھونڈوں؟ جواب ملا اُس دل میں جو میری قضا کی چوٹ سے ٹوٹا ہوا ہے)۔ آپ نے کہا، خداوندا مجھ سے زیادہ شکستہ دل اور نا امید کوئی اور نہ ہوگا۔ ارشاد ہوا میں بھی وہیں ہوں جہاں تو ہے۔ آدمی کے ہاتھ میں جب تک ڈھال ہوتی ہے وہ اپنی زندگی سے ہاتھ نہیں دھوتا۔ جب سپر پھینک دی، گھوڑے کی کوچیں کاٹ ڈالیں اور تلوار کھینچ کر زمین پر اُتر آیا۔ البتہ اُس وقت کہا جا سکتا ہے کہ یہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں میں ایک فقیر کی عیادت کو گیا اور کہا لَیْسَ بِصَادِقٍ فِیْ حُبِّہٖ مَنْ لَّمْ یَصْبِرْ عَلٰی ضَرْبِہٖ (جو کوئی معشوق کی محبت میں اُس کے جور و جفا پر صبر نہیں کرتا وہ محبت میں سچا نہیں ہے)۔ اُس نے سر اٹھا کر کہا لَیْسَ بِصَادِقٍ فِیْ حُبِّہٖ مَنْ لَّمْ یَتَلَذَّذْ بِضَرْبِہٖ (جو کوئی معشوق کے جور و جفا میں لذت نہ پائے، وہ محبت میں سچا نہیں ہے۔ عراق کے شاکخوں نے کہا ہے "وہ شخص معرفت کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتا جس کے نزدیک منع و عطا (دینا اور نہ دینا) برابر نہ ہو جائے۔

جب حضرت امام شبلی نے یہ سنا تو فرمایا یہ غلط ہے۔ آدمی اُس وقت عارف ہوتا ہے جب اُس کے نزدیک منع کو عطا پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ 'منع' خصوصیت کے ساتھ مرادِ حق ہے، اور بخشش و عطا بندے کی مراد سے تعلق رکھتی ہے۔ اور حقیقۃً عارف وہی ہے جو اپنی مراد ہیں اللہ کی مراد پر قربان کر دے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھترواں مکتوب ۷۸

خوف اور رجا کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تمھیں سلامت رکھے۔ سلام اور دعا کے بعد معلوم ہو کہ مرید کیلئے خوف اور امید ایسا ہی ضروری ہے جیسا پھلوں کے لیے سایہ اور دھوپ۔ اگر ہمیشہ سایہ ہی ہوتا تو پھل نہ پکتے اور اگر ہمیشہ دھوپ ہی ہوتی تو وہ جل جاتے جب تک یہ دونوں جمع نہ ہو جائیں باغ جہاں میوۂ مقصود سے بار آور نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرید کے لیے پیر کی نوازش و لطف کا سایہ اور اس کے آفتاب قہر کی گرمی، زمانے میں اُس کو پختہ کر دیتی ہے۔ کبھی بغیر سبب کے، نوازشیں کھتی ہیں کہ یہاں آجا۔ کیونکہ یہاں کتوں کے پاؤں کی گرد سے دوستوں کی آنکھوں کا سرمہ بنایا جاتا ہے اور وَ کَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ (اُن کا کتا چوکھٹ پر پاؤں پھیلائے ہوئے ہے)۔ کی خلعت سے قیامت تک نوازتے ہیں۔ اور کبھی وہ قہر و جلال جو بغیر کسی سبب کے ہوتا ہے ڈانٹ دیتا ہے اَلْحَذَرْ اَلْحَذَرْ (دُور ہو، دُور ہو)۔ وہ معلّم الملکوت جو سات لاکھ برس تک معتکفِ درگاہ رہ چکا تھا اُس کے بدن سے ملکوتی پوشاک اتار پھینکی۔ اور وَاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (اور تجھ پر قیامت تک میری لعنت رہے) کا داغ اُس کی پیشانی پر لگا دیا۔ حضرت عمرؓ جو ایک بیگانے تھے اُن کو بت خانے سے اُٹھا کر لاتے ہیں اور کہتے ہیں اَنَا لَکَ شِئْتَ اَمْ اَبَیْتَ وَاَنْتَ لِیْ شِئْتَ اَمْ اَبَیْتَ (میں تیرے لیے ہوں تو چاہے یا انکار کرے۔ اور تو میرے لیے ہے تو چاہے یا انکار کرے)۔ اور کبھی اُس بلعم باعور کو جو یگانۂ روزگار تھا اور اسم اعظم کی خلعت رکھتا تھا مسجد سے باہر نکال کر کتوں کے طویلے میں باندھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ الْکَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْہِ یَلْھَثْ اَوْ تَتْرُکْہُ

Marfat.com

یَلْہَثْ (اس کی مثال ایک کتے کی سی ہے کہ جب اس پر بوجھ لادا جاتا ہے تو ہانپتا ہے اور نہیں لادا جاتا تو بھی ہانپتا ہے)۔ کبھی ہزاروں رنج و بلا کی چکیاں مرید کے سینے پر رکھ کر مردود کر دیا کرتے ہیں۔ اور کبھی خلوتِ قدس کے لاکھوں رہنے والوں کو اُن کے استقبال کے لیے بھیجتے اور پُرتپاک خیر مقدم کر کے بلاتے ہیں۔ کبھی پہاڑ برابر نعمتیں بخشتے اور کبھی ایک ایک تنکے کا حساب لیتے ہیں کبھی بہشت میں صدارت کی مسند پر بٹھاتے ہیں اور کبھی نکال باہر کرتے ہیں۔ اور در پر پڑے رہنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح کبھی اُس کو اُس کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں اور کبھی اُسے اپنے آپ سے بیخود اور مدہوش کر دیتے ہیں۔ جب اُس پر اپنی حقیقت کھل جاتی ہے تو پکار اُٹھتا ہے "اے خدا، مجھے کتوں ہی کی جگہ کے لیے قبول فرما۔ اور جب اُسے بے خود بناتے ہیں تو وہ اَنَا الْحق اور سُبْحَانِیْ کی رٹ لگاتا ہے۔ یہ دونوں باتیں ہی ٹھیک ہیں۔ جہاں تک آب و گل کا تعلق ہے کتّے کے سوا اور کیا قدر ہو سکتی ہے۔ اور جہاں وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (میں نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی) کا تعلق ہے وہاں اَنَا الْحَقّ اور سُبْحَانِیْ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں علم و عقل اندھے ہو گئے ہیں اور پیر و مرید حیران و ششدر رہیں۔ اس جگہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (جو ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے)۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اسی کا حکم دیتا ہے) کا عمل اور دَور دَورہ ہے۔ یہاں گرانا اُٹھانا، راندنا بلانا۔ کبھی نوازش و کرم اور کبھی خشم اور بے رخی تم جانتے ہو کیا ہے؟ ملک و مال کی بلاؤں کو اُکھاڑ پھینکتا ہے اور شرابِ لطف پلا کر مست کر دیتا ہے اور زمانے کی گردش میں سختیاں جھیل کر پختہ کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ کہیں۔ اگر رجا ہی رجا ہو گی تو سستی اور کاہلی کے سبب خام رہ جائے گا اور اگر سرتاپا خوف خشیت ہو گا تو ناامیدی کی بھٹی میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ خوف و رجا برابر قوام کر کے معجون بنایا جائے تاکہ مرید کی بیماری کا علاج ہو سکے۔ کہا جاتا ہے کہ مرید کے لیے خوف و رجا پرندوں کے دو شہپر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر دونوں پر برابر ہیں تو سیدھا اُڑے گا اور اگر ایک کم اور ایک زیادہ ہو گا تو ٹیڑھا اُڑے گا۔ اور اگر صرف ایک ہی پر ہو گا اور دوسرا نہ ہو گا تو یقیناً وہ پرندہ مر جائے گا۔ مشائخ کی کتابوں میں ہے کہ رجا اتنی ہونی چاہیے کہ اگر دنیا بھر کے گناہ اور نافرمانی تنہا ایک شخص میں ہوں اور وہ یہ آواز سنے کہ "بہشت میں ایک شخص کے سوا دوسرا نہ جائے گا" تو وہ یقین کر لے کہ وہ میں ہی ہوں۔ اور خوف بھی

اتنا ہو کہ اگر سارے جہان والوں کی طاعت و عبادت کسی ایک شخص میں ہو اور وہ یہ آواز سنے کہ "دوزخ میں بجز ایک آدمی کے دوسرا نہ جائے گا" تو وہ یقین کرلے کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔

مگر مرید کے لیے رجا پر خوف کا غلبہ زیادہ اچھا ہے۔ سالکانِ طریقت پر خوف اتنا طاری ہے کہ اگر کوئی صاحب نظر دیکھتا تو کہتا کہ یہ تو رحمتِ حق سے بالکل ناامید ہو چکے ہیں ہم تو یہی جانتے ہیں کہ مریدوں میں یہ باتیں جتنی دیر میں اپنے مجاہدہ و خلوت نشینی سے حاصل ہوتی ہیں اُس سے کہیں زیادہ جلد اس گروہ کی خدمت سے میسر ہو جاتی ہیں۔ اصحابِ کہف کی کہانی ہر عقلمند کے لیے اس پر گواہ ہے۔ وہ محض ایک کتا تھا جو مردانِ حق کی خدمت میں رہ کر چند قدم چلا انسانی شرف نصیب ہوا۔ ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

(اصحابِ کہف کا کتا چند روز نیکوں کی صحبت میں رہا آدمی بن گیا)۔ بعض صحابہؓ میں سے شروع شروع بتوں کے سجدہ کے لیے جھکے اور زنار باندھ کر غفلت و بیگانگی میں عمر کا حصہ بسر کیا اور یکایک انھیں حضرتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی دولت مل گئی چند دن اس آستانے پر جبہہ سائی کا شرف حاصل ہوا، پھر کیا تھا مرید سے مراد اور بیگانہ سے یگانہ بن گئے ہر ایک خلیفۂ اسلام اور مقتدائے دین بن گیا۔ یہ تو اس دنیا کا حال ہے جب کل آئے گا تو ان میں سے ہر ایک کا چمکتا ہوا چہرہ سورج اور چاند کی طرح تم چمکتا ہوا دیکھو گے۔ نقل ہے کہ جب اہلِ بہشت جنت میں داخل ہو چکیں گے اور حور و قصور کے ساتھ شرابِ طہور کا جشن مناتے ہوں گے اُس وقت اچانک ایک بجلی کی کوند نظر آئے گی جس کی چمک دیکھ کر جملہ ساکنانِ خلدِ بریں سجدے میں گر جائیں گے اور پکار اُٹھیں گے اَلْجَبَّارُ اَطْلَعَ عَلَیْنَا (ہم پر خداوند تعالےٰ نے تجلّی فرمائی ہے)۔ کہا جائے گا افسوس اے ناواقفو! ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت امیرالمومنین عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ ابھی ابھی ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں تشریف لے گئے ہیں۔ یہ چمک آپ کی چادر کے ایک کونے کی تھی۔ اسی سے سمجھ لو کہ اس گروہ کی صحبت اور خدمت کیا چیز ہے۔ ؎

شرف خواہی بہ گردِ مقبلاں گرد کہ زود از مقبلاں مقبل شود مرد

Marfat.com

(اگر تو بزرگی چاہتا ہے تو برگزیدہ لوگوں کے آستانے کا چکر کاٹ، کیونکہ بزرگوں کی صحبت سے آدمی جلد برگزیدہ ہو جاتا ہے)۔ تم جو کچھ کرو اگرچہ وہ تھوڑا ہی سہی لیکن خلوصِ دل اور صداقت سے کرو۔ خلوص تو وہ ہے کہ اس راہ میں خلق اللہ کا خیال ہی نہ آئے (کہ لوگ دیکھیں) اور صداقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو بھی بھلا دو۔ جب تم اس مقام تک پہنچ گئے، اور یہ خونخوار بیابان طے کر چکے تو تمھارے ساتھ ریا و عجب کا کوئی واسطہ اور سروکار نہ رہا۔ جب یہ دونوں حجاب اُٹھ گئے تو تمھارے لیے اُس درگاہِ مقدس میں کوئی روک ٹوک اور پردہ کہاں۔ مُکَاشِفَۃٌ فِیْ مُکَاشِفَۃٍ۔ نُوْرٌ فِیْ نُوْرٍ (مکاشفہ میں مکاشفہ اور نور میں نور نظر آئے گا۔ پردہ تو نامحرم کے لیے ہے۔ جب تم محرم ہو گئے تو حجاب اُٹھ گیا۔ محرم وہی ہے جس نے اپنی ذات سے بیگانگی کی نجاست اور ناپاکی کو غسل دے کر پاک کیا ہو۔ کیونکہ تمھارا قرب اپنے سے دُور ہو جانے میں ہے۔ اور قرب کا ادنیٰ اور معمولی نشان مراقبہ اور محافظت ہے۔ درحقیقت جس راہ رو نے ذرّہ بھر بھی اپنے آپ کو کسی محل، مرتبہ یا مقام کے لائق سمجھا اور اپنے اوپر نظر ڈالی وہ عالمِ بُعد اور مکر میں ہے نہ کہ قرب میں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ فرشتوں نے بہت خوش ہو کر اپنے اعمال دیکھے اور بول اُٹھے۔ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں) شہنشاہِ فرامین اور حاکمِ امورِ عالم ارادہ سے باہر نکلا اور حکم دیا اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (اس مشتِ خاک آدمؑ کو سجدہ کرو) تاکہ تمھاری تسبیح کی قدر و قیمت تمھاری آنکھوں سے گر جائے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُناسیواں مکتوب ۷۹

رُوح کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین سنو، رُوح کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس کو جسم اور دوسرا جوہر کہتا ہے، کوئی عرض، کوئی قدیم ازلی، کوئی حادث فانی سمجھتا ہے۔ مذہب ترسا اور بعض فلاسفہ کے یہاں قدیم ہے۔ لیکن سنت والجماعت کا یہ مذہب اور عقیدہ ہے کہ ہم اُسے

Marfat.com

صرف روح کہیں ماہیت و کیفیت کے متعلق اپنی زبان سے کچھ نہ کہیں۔ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لیے فرمایا ہے اَلرُّوْحُ شَیْءٌ اِسْتَاْثَرَہُ اللّٰہُ بِعِلْمِہٖ وَلَمْ یَطَّلِعْ عَلَیْہِ اَحَدٌ مِّنْ خَلْقِہٖ وَلَا یَجُوْزُ الْعِبَارَۃُ عَنْہُ بِاَکْثَرَ مِنْ مَّوْجُوْدٍ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ (روح ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے علم میں چھپا لیا ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی حقیقت سے خبردار نہیں اور موجودات میں سے کسی چیز سے اس کی تعبیر کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ خدا خود فرماتا ہے "لوگ روح کے بارے میں تم سے سوال کرتے ہیں تم کہہ دو کہ روح امر رب ہے") مذہب یہی کہتا ہے جو خواجہ علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔ ائمہ اور فقہا کا اعتقاد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اُس کی ہستی کی خبر یوں دی ہے کہ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ (لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں) تو یہ کہہ کر اس کی قدامت کی نفی کر دی کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (تو فرما دیجیے کہ روح اپنے رب کا ایک امر ہے) کیونکہ امر کے تحت سوائے مخلوق اور محدث کے اور کوئی نہیں آتا۔ تو خدا نے جو فرما دیا ہے ہم اسی کا اقرار کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں کہتے کہ وہ کیا ہے، کہاں ہے؟ کیونکہ خدا نے ہمیں اس کی کیفیت اور ماہیت سے مطلع نہیں کیا۔ بزرگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ خداوند تعالےٰ نے جملہ مخلوقات میں سے ایک مخلوق کو جس کو روح کہا جاتا ہے ہم پر ظاہر نہیں کیا کہ وہ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ یہاں تک کہ خلق اُس کی شناخت سے عاجز ہو گئی۔ یہ اس لیے کہ مصنوع کو صانع کے بتلائے بغیر ہم نہیں جان سکتے، تو صانع کو جب تک خود صانع نہ بتائے ہم کیونکر جان سکتے اور پہچان سکتے ہیں۔ قطعہ

بشنو ایں خطاب را ساختہ شو جواب را ذرہ مرآفتاب را گشتہ عظیم آیتے
جملہ ملوکِ راہِ دیں جملہ ملائکِ امیں سجدہ کناں کہ اے صنم بہر خدائے رحمتے

(یہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ خطاب سن اور جواب کے لیے تیار ہو جا۔ ذرہ آفتاب کے لیے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ دین کے راستے کے سلاطین و پیشوا اور تمام مقتدر فرشتے سجدہ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے صنم خدا کے لیے ہمارے اوپر رحمت فرما)۔ دوسرے بزرگ کہتے ہیں ؎

تنت زندہ بجان و جان نہ مانی تو از جان زندہ و جانی ندانی

زہے صنع نہان و آشکارا کہ کس را جز خموشی نیست چارا

(تیرا بدن رُوح سے زندہ اور متحرک ہے لیکن تو خود جان نہیں ہو جاتا۔ جان ہی سے تو زندہ اور چل پھر رہا ہے لیکن تو جان کو نہیں جانتا۔ سبحان اللہ! یہ پوشیدہ اور ظاہر صنعتیں کہ خموشی کے سوا کسی کو کوئی چارہ نہیں)۔ وَ سُئِلَ اَبُوْبَکْرُ الْقَحْطِیْ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ عَنِ الرُّوْحِ فَقَالَ لَمْ یَدْخُلْ تَحْتَ ذُلِّ کُنْ (ابو بکر قحطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ رُوح کیا ہے؟ آپ نے کہا کہ روح کُن کے ماتحت نہیں پیدا ہوئی)۔ تو کہنے والے کے نزدیک اس کا یہ مقصد ہوا کہ رُوح کچھ نہیں ہے مگر زندہ کرنا اور جان ڈالنا یعنی خداوندِ عزوجل نے جسم کو زندہ کر دیا وہ زندہ ہو گیا۔ وَالْاِحْیَاءُ صِفَۃُ الْمُحْیِیْ (زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے) وَالتَّخْلِیْقُ صِفَتُ الْخَالِقِ (جس طرح پیدا کرنا خالق کی ایک صفت ہے)۔ اور اس کی یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (روح امرِ خداوند ہے) امرِ خدا خدا کا کلام ہے اور خدا کا کلام غیر مخلوق ہے۔ یہ ایسا ہے گویا کہنے والا کہہ رہا ہے کہ بدن جو زندہ ہوا ہے وہ خدائے عزوجل کے قول سے زندہ ہوا ہے یعنی کُنْ حَیًّا (زندہ ہو جا) وہ زندہ ہو گیا۔ اس کے سوا روح کی بدن میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لیکن بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ایک حقیقت ہے روح، جو مخلوق جسم میں پیدا کی گئی ہے۔ مگر یہ جو کہا لَمْ یَدْخُلْ تَحْتَ ذُلِّ کُنْ (وہ کن کے ماتحت نہیں آئی ہے) یہ اس کی قدامت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔ محدث یا قدیم۔ محدث (فانی) کن تحت میں داخل ہیں۔ اور قدیم (باقی) کن کے تحت میں نہیں آتیں۔ اس لیے روح کو قدیم کہا۔ کیونکہ موجوداتِ عالم میں جو شے محدث نہیں وہ قدیم ہوگی۔ اور یہ باطل ہے۔ کیونکہ جس رُوح سے جسم میں جان آتی ہے وہ جسم کی صفت ہے۔ کیونکہ یہ جائز نہیں کہ کوئی ذات ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہو جو اُس کے غیر میں پائی جاتی ہو۔ تو درست ہو گیا کہ روح اس زندہ جسم کی صفت ہے اور جسم محدث ہے تو محال ہے کہ محدث کی صفت قدیم ہو جس طرح ذاتِ قدیم کی صفتِ محدث محال ہے۔ لیکن یہ جو کہا لَیْسَ اِلَّا الْاِحْیَاءُ وَالْاِحْیَاءُ صِفَۃُ الْمُحْیِیْ کا تَخْلِیْقُ صِفَۃُ الْخَالِقِ (نہیں ہے مگر زندہ کرنا۔ اور زندہ کرنا زندہ کرنے والے کی صفت ہے جس طرح پیدا کرنا خالق کی صفت ہے)۔

Marfat.com

یہ صحیح استدلال نہیں۔ کیونکہ اگر یہ دلیل رُوح کے ساتھ قائم کی جائے تو کیا وجہ ہے اور صفات پر قائم نہ کی جائے۔ یہاں تک کہ کہیں جو چیز ساکن ہے اپنے سکون سے ساکن نہیں بلکہ مسکّن کی تسکین سے ساکن ہے۔ اور متحرک اپنی حرکت سے متحرک نہیں بلکہ محرک کی تحریک سے متحرک ہے۔ اسی طرح خواب و بیداری، تندرستی اور بیماری جو مخلوقات کی صفتیں ہیں اسی پر قیاس کی جائیں گی اور کہنا پڑے گا کہ یہ سب کُن کے تحت میں نہیں ہیں۔ اور یہ درست نہیں تو وہ بھی درست نہیں۔ اور وہ جو خداوند کریم کے قول سے استدلال کیا قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی (کہدو روح امر رب سے ہے) اور اس کا امر اس کا کلام ہے، اس کا کلام مخلوق نہیں۔ یہ استدلال خطا واقع ہوا ہے۔ کیونکہ خدا نے قُلِ الرُّوحُ اَمْرُ رَبِّی (کہدو کہ رُوح امر رب ہے) نہیں کہا جس سے رُوح کا امر و کلام حق ہونا ثابت ہوتا بلکہ (مِنْ اَمْرِ رَبِّی (امر رب سے ہے) کہنے سے روح کا ثبوت ہوگیا۔ یعنی روح میرے امر سے ہے یہ دلیل ہے کہ رُوح بنفسہٖ امر نہیں بلکہ امر کے ماسوا ہے۔ اگر اس دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ روح غیر مخلوق ہے تو لازم آئے گا کہ تمام چیزیں غیر مخلوق ہوں۔ کیونکہ جس طرح رُوح اس کے امر سے ہے اسی طرح ہر شے اُس کے امر سے ہے کہ وہ امرِ تکوین ہے۔ کائناتِ عالم میں عرش سے تحت الثریٰ اور ازل سے ابد تک ہر شے کُن فیکون کے تحت میں ہے۔ محدثات کی یہی صفت ہے کہ اُس نے کُنْ فَیَکُوْن (کہا ہوجا اور وہ ہوگئی) ساری کی ساری محدث ہیں قدیم نہیں تو محال ہے کہ رُوح قدیم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر حضرات اس گروہ کو ضال اور گمراہ کہتے ہیں۔ اور اُس کے کفر پر گواہی دیتے ہیں جو رُوح کو قدیم کہتا ہے۔ قوم ترسا کو بھی اس سے موقع مل گیا اور وہ کہنے لگے کہ خود اسلام کا ایک طبقہ ہمارا ہم نوا ہے اور رُوح کو قدیم کہتا ہے۔ اور اس طائفے پر لعن وطعن کرنے لگے۔ حالانکہ کسی گروہ نے ایسا نہیں کہا ہے۔ وہ الفاظ جو ابوبکر قحطی کے ہم نے دُہرائے، ایک گروہ نے اپنی کتاب میں لکھ کر اس سے دلیل قائم کی ہے خدا جانے اُن بزرگ کے وہ الفاظ ہیں بھی یا نہیں؟ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان ملحدوں نے اپنے مذہب کی تقویت اور اہلِ اسلام کی بُرائی ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف سے الٹی سیدھی بات جوڑ دی ہو۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ابوبکر قحطی کے وہ الفاظ و اعتقاد صحیح مان لیے جائیں تو محض ایک شخص کی خطا سے سارا گروہ گمراہ اور ضال نہیں کہا جاسکتا۔ یا ہم نے جو بیان کیا ہے کہ ان الفاظ سے ان کی یہ مراد نہیں کہ رُوح قدیم ہے۔ لیکن رُوح معنی امر ہے محی (زندہ کرنے والے کی طرف سے۔ یہ حی کی صفت نہیں

Marfat.com

اس کے یہ مطلب تو نہیں کہ رُوح کو قدیم کہہ دیا۔ ہاں، اُن بزرگ کے استدلال میں خطا واقع ہوئی ہے اور اگر مجتہد کو استدلال میں خطا واقع ہو تو وہ کافر نہیں ہو جاتا۔ اور جب وہ کافر نہیں تو اُس کی خطا سے سارا گروہ کیونکر کافر ہوگا۔ حالانکہ سبھی کا خیال ہے کہ اس استدلال میں انھوں نے خطا کی ہے۔ اگر اس وجہ سے طائفہ ضال کہے جانے کا مستحق ہے تو دنیا میں کسی محقق کا وجود ناممکن ہے۔ کیونکہ اہلِ حق کا کوئی ایسا گروہ نہیں ہے جس نے اجتہاد میں خطا نہ کی ہو۔ اور جب انھیں کوئی کافر نہیں کہہ سکتا تو یہاں بھی یہی سمجھنا چاہیے حقیقت کا بہت بڑا جاننے والا خدا ہی ہے۔ صاحب تعرف رحمۃ اللہ علیہ نے روح، نفس، قلب اور دنیا کی ایک تعریف کی ہے جس پر اہل اسلام کا اعتقاد ہے اور اُس کو ایک بنیاد پر قائم کیا ہے اس میں سے ہم یہاں تھوڑا سا بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ روح، قلب، نفس اور دنیا یہ وہ چار چیزیں ہیں کہ خداوند پاک نے قرآن شریف میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ان چاروں کے وجود کو شریعت بھی مانتی ہے۔ اور انھیں چاروں کے وجود پر خلق کا اجماع ہے۔ لیکن قرآن، شریعت اور خلق نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کی تاثیرات افعال اور صفات کے متعلق کہا ہے کہیں ان کی حقیقت و ماہیت بیان نہیں کی۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

جان بلندی داشت تن پستی زخاک ۔۔۔ مجتمع شد خاکِ پست و جانِ پاک

چون بلند و پست باہم یار شد ۔۔۔ آدمی اعجوبۂ اسرار شد

(جان بلند و برتر تھی اور جسم مٹی کی وجہ سے پستی کی طرف مائل تھا۔ پھر جسم کے ساتھ جان ملائی گئی۔ اور جب یہ دونوں بلندی و پستی کی آمیزش سے باہم یار ہو گئے تو انسان اسرارِ خداوندی کا ایک اعجوبۂ بے مثال ہو گیا)

لیک کس واقف نہ شد ز اسرارِ او ۔۔۔ نیست کارِ ہر گدا کارِ او

(لیکن اُس کے اسرار سے کوئی واقف نہ ہوا۔ ہر شخص کا کام بھی نہیں کہ وہ ان باتوں کو سمجھ سکے

چند گوئی چون خموشی راہ نیست ۔۔۔ زانکہ ہرگز زہرۂ یک آہ نیست

کہاں تک کہے گا سوائے چپ رہنے کے کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ کسی کا اتنا بھی کلیجہ نہیں کہ ایک آہ بھی کر سکے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر رُوح کی ماہیت کے متعلق عقل دوڑانا جائز ہوتا تو اس کے

Marfat.com

لیے سب سے افضل و اولیٰ شخصیت پیغامبر علیہ السلام کی تھی جب حضورؐ سے روح کے متعلق پوچھا گیا تو آپ عقل سے جواب دیتے۔ کیونکہ آپ کی عقل و فہم موحد و ملحد اور ساری مخلوق سے کامل ترین تھی، تاکہ موحدین کی جماعت حضورؐ کو رسول جانتے کیونکہ یقیناً رسول عاقل ترین ہوتا ہے اور ملحدین کا گروہ آپ کو ابو جعفر حکیم کہے۔ کیونکہ حکیم کامل العقل ہوتا ہے تو حضورؐ کے کامل العقل اور اکمل ترین فہم و فراست پر سب کا اتفاق ہے۔ اس کے باوجود آپؐ نے روح کے متعلق سوال کا جواب عقلاً نہیں دیا۔ بلکہ توقف فرمایا یہاں تک کہ جواب (امر) کا حکم آیا جس نے روح کا وجود ثابت کیا کیفیت و ماہیت بیان نہیں کی۔ حضورؐ کے کمالِ عقل نے واجب کر دیا کہ روح کی کیفیت و ماہیت کے اظہار میں خاموشی اختیار کی جائے۔ اور ہماری پست عقلوں کے لیے تو اور بھی اولیٰ تر ہے کہ اس وجوب کی تعمیل کرے۔ ہم لوگ شریعت کے بندے ہیں احکامِ شریعت پر سر جھکا دیں۔ جس طرح شریعت نے روح ثابت کی اور کیفیت و ماہیت میں خاموش رہی۔ ہم بھی خاموش رہیں ؎

خواجہ ام القصہ کہ در بندِ ماست گرچہ خدا نیست خداوندِ ماست

(ہمارا مالک ہمیشہ ہماری فکر میں ہے۔ اگرچہ وہ خدا نہیں ہے لیکن ہمارا آقا اور سرپرست ضرور ہے)

این مگو چون در اشارت نایدت ؎ دم مزن چون در عبارت نایدت

(جب وہ اشارے میں نہیں آسکتا تو یہ اور وُہ مت کہہ۔ اور جب وہ کسی عبارت و بیان میں آ ہی نہیں سکتا تو زبان مت کھول)۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے روح کو دیکھا ہے اور ہر ایک نے جداگانہ صورت میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور یہ جائز ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا کہ وہ موجود ہے تو دیکھنے کے قابل بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ کا دیدار جائز ہے۔ اس لیے کہ وہ موجود ہے تو رُوح جو اس کی مصنوع ہے اور موجود بھی ہے تو وہ بھی مشاہدے کے لائق ہوسکتی ہے۔ کیونکہ مصنوع صانع سے زیادہ لطیف نہیں ہوسکتا جب وہاں رویت جائز ہے تو یہاں بھی جائز ہوگی۔ اگر خدا چاہے کہ بندے کو اپنا جلوہ دکھائے تو دکھا دیتا ہے۔ جس طرح بھی وہ چاہے اس میں کسی زبان کو چون و چرا کرنے کی مجال نہیں۔ جیسا کسی نے کہا ہے۔ ؎

Marfat.com

ستائی زبان از رقیبانِ راز   کہ تا رازِ سلطان نگویند باز
کرا زہرۂ آنکہ از بیمِ تو   کشاید زبان جز بہ تسلیمِ تو

(رقیبانِ راز سے اپنی زبان کو روک لے تاکہ وہ بادشاہ کے راز کو افسانہ کردیں۔ کس کو مجال ہے کہ تیرے خوف سے رضا و تسلیم کے سوا زبان کھول سکے۔ اے بھائی، یہاں حیرت ہی حیرت ہے اور سارا علم و عقل سرگرداں ہے۔ جب وہ چاہتا ہے کہ ہزاروں عاشقانِ صادق کی جانوں اور دلوں کو برباد کردے تو سلطانِ بے نیازی کو اشارہ کر دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے کہ ہزاروں دل جلے عاشقوں کے جگر کو کباب کرے مشیئت کے چہرے سے عزت کے آنچل کا گوشہ جھکا دیتا ہے۔ پھر بھلا کون ہے جو اُس کی شرابِ محبت سے مستانہ نہیں اور کون ہے جو اُس کی عظمت و جلال کے سامنے سرنگوں نہیں اور کون ہے جو اس کی شرابِ عزت سے مخمور نہیں۔ اور کون ہے جو اُس کے قہر کی تلوار سے دل فگار نہیں۔ ؎

عشق بازی ساختی دست از دل و دیدہ بشوی   این خود امروز ہست لیکن باش تا فردا شود

(جب تو نے عشق بازی کی ہے تو دیدہ و دل سے ہاتھ دھو ڈال۔ آج تیرا یہ حال ہے ذرا ٹھہر جا اور دیکھ کہ کل کیا ہوتا ہے)۔ یہ کام بھی عجیب ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے کہا لَنْ تَرَانِیْ (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا)۔ پھر فرمایا اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ (پہاڑ کی طرف دیکھ)۔ پھر ارشاد ہوا اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ (فرعون کے پاس جا)۔ دیکھو، اہلِ عشق و محبت کے ساتھ اُس کی بزرگی و برتری کیا کرتی ہے؟ بیان کرتے ہیں کہ جب مہتر موسیٰ علیہ السلام اس مقام پر پہنچے اور اُن کے ساتھ وہ واقعات پیش آچکے تو چاہا کہ اپنے بال بچوں کے پاس لوٹ آئیں خطاب ہوا وَقَعْتَ فَاسْتَمْسِکْ جب جال میں پھنس چکے اور ہمارے نام پر دل تصدق کر دیا اور ہمارے راستے میں سر رکھ دیا تو دل کو غم و اندوہ کے سپرد کر دو۔ اور جان کو خطرے میں ڈال دو۔ قطعہ۔

دل براندہ وقف باید کرد جان را بر خطر   ہر کرا در عشق بت رُویان دلے یکتا بود
از دل و جانش دو دیدہ وامقے باید شدن   ہر کرا در دل مرادِ صحبتِ عذرا بود

(جو حسینوں کی محبت میں دلِ یکتا رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ دل کو غم و اندوہ کیلئے وقف کر دے اور جان خطرے میں ڈال دے۔ اور جس عذرا کا وصال مقصود ہو اُس کو چاہیے کہ جان و دل سے وامق بن جائے۔ والسلام

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسّی واں مکتوب ۸۰

دل کے بیان میں

بھائی شمس الدین، اللہ تعالےٰ تمھارے قلب کو روشن فرمائے۔ سنو، دل ایک شاہی خزانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر غور سے دیکھو کہ اس خزانے میں تم کیا رکھتے ہو؟ اگر اس میں جواہرات بھرے ہیں تو بیشک یہ خزانہ کہا جاسکتا ہے۔ اور اگر اس میں کوڑا کرکٹ ہے تو یہ گھاس پھوس کا انبار ہے۔ یہیں سے بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک خزانہ تو بہشت میں ہے جس کو نعمت کہتے ہیں۔ اور ایک خزانہ عارفوں کے دل میں ہے اس کا نام محبت ہے۔ رب العزۃ کی قسم کہ ہزاروں ہزار بہشت محبت کے خزانے کے ایک موتی کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتے بہشت کے خزانے کا محافظ ایک فرشتہ ہے جس کا نام رضوان ہے۔ اور محبت کے خزانے کا نگہبان خود حضرت خداوند جل وعلا ہے اب سمجھ لو کہ تمھاری وہی قیمت ہے، کہ تم جس چیز کے طلبگار ہو۔ اگر تمھارا مطلوب کوئی کتا ہو تو تمھاری قیمت کتّے ہی کے برابر ہو گی۔ اسی طرح دوسری چیزوں کو سمجھو۔ اور سگِ اصحابِ کہف بھی اس کی ایک نظیر ہے۔ چونکہ اس کا مطلوب حق تھا اُس کی قیمت بھی وہی ہوئی۔ خود خداوند تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ (اُن کا کتّا چوکھٹ پر پاؤں پھیلائے ہوئے ہے)۔ اور بلعم باعور کا مطلوب چونکہ بجز حرص وہوا کے اور کچھ نہ تھا اس لیے اس کی قیمت بھی وہی لگی۔ تو یہ قوم نہ آسمانی ہے نہ زمینی، نہ شرقی نہ غربی، نہ عرشی نہ فرشی، نہ آدم نہ آدم کی اولاد۔ بلکہ اپنی طلب کے فرزند ہیں۔ اسی مطلب کا راز ہے جو کہا ہے اَلْفَقِیْرُ اِبْنُ وَقْتِہٖ (فقیر اپنے وقت کا فرزند ہوتا ہے۔ اب تم اپنے دل کے خزانے کو دیکھ کر خود سمجھ لو کہ تمھاری کیا قیمت ہوسکتی ہے لیکن جو دل خدا کے ساتھ اٹکا ہوا ہے اپنی قیمت کے تحت نہیں آتا۔ جو کچھ نمرود اور فرعون کو بغیر طلب کے دیا گیا اگر تم زمین پر ماتھا رگڑ رگڑ کر بھی مانگو تو ہرگز نہ ملے گا۔ اس لیے نہیں کہ یہ بہت بڑی چیز ہے، بلکہ محض اس لیے کہ وہ چیز قابلِ قدر ومنزلت ہی نہیں۔ اور یہاں تمھاری غرت کا خیال ہے۔ ایک سائل نے کسی بادشاہ کو دیکھ کر سوال کیا "ایک درم عطا کر" اُس نے کہا "یہ بخشش میری شانِ کرم کے لائق نہیں"۔ اُس نے کہا "ایک ہزار درم عنایت فرمائیے"۔ بادشاہ نے کہا۔

Marfat.com

تیرا منہ اس عنایت کے قابل نہیں۔ کسی شخص نے خدا سے ایک لڑکا مانگا۔ مخنث لڑکا پیدا ہوا۔ اُس نے کہا۔ اے خدا، میں نے تجھ سے لڑکا مانگا تو نے مخنث دیا۔ غیب سے آواز آئی "میں تو دینا جانتا ہوں، مگر تو لینا نہیں جانتا۔" جس کو سوال کرنے کا طریقہ معلوم نہیں اُس کو ندامت ہی اٹھانی پڑتی ہے۔ جو کوئی بہشت کی طمع سے خدا کی پرستش کرتا ہے وہ اپنی لالچ کا بندہ ہے۔ اور جو کوئی دوزخ کے خوف سے اُس کو پوجتا ہے وہ دوزخ کا بندہ ہے۔ اور جو کوئی کسی چیز سے ڈرتا ہے وہ اس چیز کا بندہ ہے۔ تمھاری حقیقت وہی ہے جو تمھارے سینے میں ہے۔ آدمی وہیں رہتا ہے جہاں اس کا باطن ہوتا ہے۔ مرد کا ظاہر اُس کے باطن کی تلوار ہے۔ جو کچھ اندر ہے باہر اُس کا پوست ہے۔ اگر اندر مجازی تو باہر بھی مجازی ہے۔ اگر اس کا باطن گرفتارِ حق ہے تو اُس مرد کو مردِ حق کہتے ہیں۔ تم کو تمھاری مراد پر باندھ دیا ہے۔ تمھارا اختیار تمھاری قید ہے۔ تم کو جب حکم دیتے ہیں تو نیچے اترنے کا حکم دیتے ہیں۔ نہ کہ شکار پر ٹوٹ پڑنے کا۔ کیونکہ گدھ بڑا شکاری ہوتا ہے اور پرواز میں باز سے زیادہ قوی بازو رکھتا ہے۔ لیکن جب اُترتا ہے تو مردار پر۔ اور باز زندے پر جھپٹتا ہے۔ تو جو کچھ دنیا میں ہے مردار ہے اور جو آخرت میں ہے وہ زندہ ہے۔ اور اس گروہ کی باتیں ان دونوں ہی سے ماوراء ہیں۔ جیسا کہ تم نے سنا ہے ؎

ما را بجز این جہان جہانے دگر است　　　جز دوزخ و فردوس مکانے دگر است

(ہمارے لیے اس جہان کے سوا ایک دوسری ہی دنیا ہے۔ دوزخ اور بہشت کے علاوہ ایک دوسرا ہی مکان ہے)۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے بہشت و دوزخ کی طرف کبھی توجہ نہیں کی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ مبارک رضی اللہ کی نقل ہے کہ ایک دن گھر سے باہر نکل کر رو رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا آپ جیسے مقتدائے طریقت پر کیا حادثہ گذرا؟ آپ نے فرمایا کہ رات میں نے بڑی دلیری کے ساتھ ایک گناہ کیا ہے۔ اب اس کی خجالت و ندامت اُٹھا رہا ہوں۔ پوچھا گیا، وہ کیا تھا؟ آپ نے کہا، میں نے خدا سے گناہوں کی آمرزش چاہی تھی۔ مجھ کو ان فضولیات سے کیا کام؟ میں بندہ ہوں اور مجھے تو بس بندگی ہی سے سروکار ہے۔ ایک دفعہ امام جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو بخار آگیا۔ آپ نے دعا کی اَللّٰھُمَّ اشْفِنِیْ (اے اللہ مجھے صحت عنایت کر) ایک آوازِ غیبی سنی۔ اَتَدْخُلُ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ (اپنے اور میرے درمیان تم خود

آتے ہو؟) میں نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے؟۔ یہ ہماری نہیں ان لوگوں کی بات ہے۔ ہماری اطاعت تو یہی ہے کہ دوزخ سے ڈرتے رہیں۔ اور بہشت کی امید رکھیں۔ اور دعا مانگا کریں کہ اس کے عذاب سے رہائی حاصل ہو۔ اور وہاں رسائی نصیب ہو جو حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ۔ (اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے تیری پناہ مانگتا ہوں) کم از کم اتنا تو ہو کہ اگر عالمِ حقیقت تک نہ پہنچ سکیں تو اس دعا کے وسیلے سے دوزخ سے چھوٹ جائیں اور جنت میں داخل ہوں۔ اگر فراغت نہ پاؤ تو پل بھر ہی سہی ایسا دل حاصل کرو جس میں نہ پانے کا درد ہو یا پانے کی خوشی۔ ابوالقاسم نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ مشائخ گذشتہ کے پاس جو کچھ تھا اُس میں سے آپ کے پاس بھی کوئی چیز ہے؟ کہا ہاں، اُس کا درد نایافت ہے۔ اور اگر تم کہو کہ ہمارے کاموں پر غور کرو۔ تو ہم پوچھیں گے کہ وہ کام کیا ہے؟ عملِ شیطانی ہے یا عملِ رحمانی؟ اگر روزانہ صبح اُٹھ کر بازار جاتے ہو اور رات گئے گھر واپس آتے ہو، تو یہ دوتر سا سب ہی کرتے ہیں۔ اگر نماز پڑھتے ہو اس لیے کہ خداوند تعالیٰ دولت و نعمت میں زیادتی کرے اور فریضۂ حج اس لیے ادا کرتے ہو کہ لوگ تمہیں حاجی کہیں اور اسی طرح دوسرے کام ہیں تو تم ہمیشہ اسم و رسم میں مبتلا ہو اور تمہارا اصل مقصد تم سے چھپ گیا ہے۔ اے میرے عزیز از جان یہ جو انمردوں کی باتیں ہیں مخنثوں اور آلودہ لوگوں کی باتیں نہیں۔ یہ پاک لوگوں کا راستہ ہے ہمارے ایسے نجس اور ناپاک لوگوں کا نہیں۔ اس شراب میں دولت مندوں کا حصہ ہے ہم بدبختوں اور بدنصیبوں کا نہیں والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکیاسیواں مکتوب ۸۱

نفس کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین اللہ تعالےٰ تمہیں عزت عطا فرمائے! سنو نفس کی حقیقت و ماہیت کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے اور ان کے اقوال آپس میں ایک دوسرے

Marfat.com

ضد ہیں۔ لیکن اس گروہ کے محققین کے دو قول ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ نفس کا وجود جسم میں بذاتہ رُوح کی طرح ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ نفس ذات نہیں بلکہ قالب کی صفت ہے جس طرح حیات صفت ہے۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بُرے اخلاق اور ناپسندیدہ کاموں کا وہی سبب ہے اور یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک معاصی اور دوسرے بُرے اخلاق جیسے کبر و حسد، بخل اور غصہ وغیرہ۔ اور ریاضت کے ذریعہ ان ناپسندیدہ اوصاف کو اپنی ذات سے دُور کیا جا سکتا ہے جس طرح توبہ کے ذریعہ معصیت کو۔ کیونکہ معاصی افعالِ ظاہر ہیں اور توبہ اوصافِ باطن سے ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی جو ناپسندہ اوصاف باطن میں پیدا ہوتے ہیں وہ ظاہر کے صفاتِ حمیدہ سے پاک و صاف ہو جاتے ہیں اور جو ظاہر میں پیدا ہوتے ہیں وہ باطن کے اوصافِ ستودہ سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قالب کے اندر نفس اور روح دو لطیفے ہیں، جس طرح عالم میں شیاطین، ملائکہ، بہشت اور دوزخ ہیں کہ ایک محلِ خیر ہے اور دوسرا محلِ شر۔ اور شر سے سلامت رہنا بغیر ریاضت کے ممکن نہیں۔ جیسا کسی محقق نے کہا ہے ؎

قدرِ دل و مایۂ جان یافتن جز بہ ریاضت نہ تواں یافتن
گر نفسے نفس بہ فرمان تست شرک میا در کہ بہشت آنِ تست

(دل کی قیمت اور جان کا سرمایہ بغیر ریاضت کے نہیں پا سکتے۔ اگر دم بھر یہ نفس تیرے حکم کے تابع ہو جائے تو یقین جان کہ بہشت تیری ملکیت ہے)۔ اور انسانیت کی حقیقت کے بارے میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے کہ کس چیز پر انسانیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کا جاننا ہر طالب پر فرض ہے۔ کیونکہ جس کو اپنی ذات کی خبر نہیں اُس کو دوسروں کی کیا خبر ہو گی کہ مَنْ جَهِلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ بِالْغَيْرِ اَجْهَلُ (جس کو اپنی ذات کا علم نہیں وہ دوسروں کی ذات کے علم سے اور بھی زیادہ جاہل ہو گا)۔ اور شریعت کا فتویٰ اس پر ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ اَیْ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْفَنَاءِ فَقَدْ رَبَّهٗ بِالْبَقَاءِ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔ یعنی جس نے فنا کے ذریعہ اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے بقا کی صفت کے ساتھ اپنے رب کو پہچان لیا)۔ اور بعض نے کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالذُّلِّ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْعِزِّ

(جس نے ذلت و خواری کے ذریعہ اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ عظمت و عزت کو پہچانا)۔ اور بھی کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْعُبُوْدِیَّتِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالرُّبُوْبِیَّةِ (جس نے اپنے نفس کو بندگی کے ذریعہ پہچانا اُس نے اپنے پروردگار کی صفتِ ربوبیت کو پہچانا) تو جس نے اپنے آپ کو نہ پہچانا وہ ہر شئے کی شناخت سے محجوب و محروم رہ گیا۔ اور ان سب کا حاصل انسانیت کی شناخت ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان بجز روح کے اور کچھ نہیں ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ رُوح قالب میں پوشیدہ ہے انسان اُس کو نہیں کہتے۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان کا اطلاق روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے جیسے دو رنگوں کا گھوڑا سپید و سیاہ جس کو ابلق کہتے ہیں۔ اس دلیل کی بنا پر کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی خاکِ بے جان کو انسان کہا ہے اُس وقت تک اس میں جان نہیں ڈالی گئی تھی۔ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا۔ (زمانے میں انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے کہ وہ کوئی شئے مذکور یعنی قابلِ ذکر نہ تھا)۔ اور ایک گروہ جو تصوف کا دعوے دار ہے یہ کہتا ہے کہ انسان کھانے اور پینے والا نہیں ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ سرِّ خداوندی ہے۔ اور یہ جسم اس کا طلسم ہے جیسا کہا ہے مثنوی

گنج در قعرست و کشتی در طلسم — بشکنند آخر طلسمِ گنجِ جسم
گنج یابی چون طلسم از پیش رفت — جان شود پیدا چو جسم از پیش رفت
بعد ازان جانت طلسم دیگرست — غیب را جانِ تو جسم دیگرست
لب بدوز از عرش و از کرسی مپرس — گرچہ یک ذرہ ہمی پُرسی مپرس
کس نداند کنہ یک ذرہ تمام — چند پُرسی چند گوئی والسلام

(گہرائی میں خزانہ اور طلسمات میں کشتی ہے۔ آخر ایک دن جسم کے خزانے کا جادو ٹوٹ جائے گا جب طلسم ہٹ گیا تو تجھے ایک خزانہ مل جائے گا جب یہ جسم نہ ہو گا تو خود جان ظاہر ہو جائے گی۔ پھر تیری جان بھی ایک طلسم دیگر ہے جو عالمِ غیب میں ایک دوسرا جسم رکھتی ہے عرش اور کرسی سے کچھ نہ پوچھو اور بالکل خاموش ہو جاؤ یہاں تک کہ اگر ذرہ برابر پوچھنا چاہتے ہو تو نہ پوچھو۔ کیونکہ اس راز کا ایک ذرہ بھی کوئی از روئے حقیقت نہیں جانتا۔ کب تک کہتے سنتے رہو گے۔ والسلام)
اور ایک گروہ کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہماری تخلیق میں ہر مادے کی ترکیب سے کام لیا ہے

Marfat.com

اور اس مرکب کا نام انسان رکھا ہے اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ اور خدا کا قول ہر ایک قائل کے قول سے زیادہ سچا ہے۔ یہاں سے وہاں تک عالم خاک میں جتنی صورتیں مخصوص ہیں، سب میں انسان پوشیدہ ہے۔ اب سمجھو کہ انسان کامل کی ترکیب محققوں کے نزدیک تین چیزوں سے ہوتی ہے۔ روح، نفس اور جسم۔ اور انسان کل عالم کا نمونہ ہے۔ اور عالم دونوں جہان کا نام ہے۔ اور یہ دونوں جہان انسان کے نشان ہیں۔ یہ عالم آب و خاک و باد و آتش جس کی ترکیب بلغم، خون، صفرا اور سودا سے ہے اور اس جہان کے نشان، بہشت، دوزخ اور عرصات۔ جان چونکہ لطیف ہے وہ بہشت کی جگہ پر ہے اور نفس آفت و وحشت کی وجہ سے دوزخ کی جگہ پر۔ اور جسم بجائے عرصات ہے۔ تو مومن کی روح دنیا میں بہشت کی خواہش کرتی ہے کیونکہ دنیا میں یہی اس کا نمونہ ہے۔ اور نفس دوزخ چاہتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں دوزخ کا نمونہ ہے۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مثنوی۔

در چنیں بحرے کہ بحر اعظم است	عالم از ذرہ و ذرہ عالم است
کار عالم حیرت ست و غیرت است	حیرت اندر حیرت اندر حیرت است
پیشوایانے کہ رہ بین آمدند	گاہ بے گاہ از پئے این آمدند
جان خود را عین حسرت یافتند	ہمرہ جان عجز و حیرت یافتند
در رہ او پا و سر گم کردہ	پردہ، در پردہ، در پردہ
عقل تو چون در سر موئے بسوخت	ہر دو لب باید ز پرسیدن بدوخت
کشتۂ حیرت شدم یک بارگی	می ندانم چارہ جز بیچارگی

تخلیق کے ایسے سمندر میں جو ایک بحر اعظم ہے دنیا ایک ذرہ کے برابر ہے اور اس کا ایک ذرہ دنیا کے برابر۔ اس دنیا کا ہر کام حیرت و غیرت ہے۔ بلکہ حیرت میں حیرت اور حیرت کے اندر حیرت ہے۔ جو رہنما کہ آزمودہ کار آئے۔ وقتاً فوقتاً اسی کام کے لیے آئے۔ اپنی جان کو عین حسرت پایا۔ اور جان کے ساتھ حیرت اور عاجزی بھی پائی۔ اس کے راستے میں سر تا پا کھو گئے۔ ایک پردہ، پردے میں پردہ اور پھر پردے میں پردہ۔ تیری عقل ایک بال ہی کی تحقیق میں جل کر رہ گئی۔ تو چاہیے کہ اور کچھ پوچھنے سے اپنے ہونٹ سی لے۔ میں بھی تو دفعتاً حیرت سے کشتہ ہو گیا اور اب

Marfat.com

اب سوائے بے چارگی کے اور کوئی چارہ نہیں۔ حضرت شیخ بوعلی سیاہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے۔ آپ نے کہا۔ میں نے نفس کو سُور کی شکل میں دیکھا ہے۔ کسی نے اس کا بال پکڑ کر مجھ کو دیا میں نے اُسے ایک درخت سے باندھ دیا، اور مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اُس نے کہا۔ اے بوعلی کیوں اپنے اوپر مصیبت لیتے ہو۔ کیونکہ میں تو خدائی لشکر ہوں تم مجھے مٹا نہیں سکتے۔ خواجہ محمد لوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے۔ آپ نے کہا کہ میں نے ایک دن نفس کو لومڑی کے بچے کی شکل میں دیکھا جو میرے حلق سے نکل پڑا تھا میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ نفس ہے، اپنے پاؤں کے نیچے کچلنے لگا۔ وہ اور بھی مضبوط اور قوی ہوتا گیا۔ میں نے کہا کہ دوسرے تو چوٹیں کھانے سے مرجاتے ہیں اور تو زندہ اور مضبوط ہوتا ہے؟ وہ بولا میری پیدائش اُلٹی ہے۔ دوسروں کو جس بات سے تکلیف اور رنج پہنچتا ہے مجھے اس سے راحت و آرام ملتا ہے شیخ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں ایک روز جب گھر آیا تو ایک زرد رنگ کا کتا دیکھا جب میں نے اُس کے بھگانے کا قصد کیا تو میرے دامن میں گھس کر غائب ہو گیا۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی قدس سرہٗ نے کہا کہ میں نے اس کو ایک سانپ کی شکل میں دیکھا ہے۔ ایک دوسرے درویش نے کہا کہ میں نے ایک چوہے کی صورت میں دیکھا اور پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے کہا، میں غافلوں کے لیے موت ہوں اور دوستوں کی نجات کا سبب ہوں میرا وجود سراسر آفت ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ نہ رہوں تو یہ اپنی پاکیوں پر مغرور اور اعمال پر نازاں ہو جائیں۔ کیونکہ جب طہارت وصفائی، اسرار، نورِ ولایت اور طاعت میں استقامت دیکھتے ہیں تو ان میں فخر و غرور اور سربلندی ظاہر ہوتی ہے۔ پھر جب مجھ پر نظر پڑتی ہے کہ دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک یہ جیز بھی ہے تو ایک ایک کرکے ساری باتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ نفس بذاتہ ایک وجود ہے صفت نہیں۔ نفس میں بھی صفتیں ہیں، اور ان صفتوں کو ہم ظاہراً دیکھا کرتے ہیں۔ اس کی شناخت کا طریقہ معلوم ہو چکا، تو ریاضت کے ذریعہ اس کی تربیت کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کی ماہیت فنا نہیں ہو سکتی جب اس کی پہچان صحیح ہو گئی اور اُس پر طالب کا قبضہ اور تسلط ہو گیا تو اب اُس کے باقی رہنے سے کسی طرح کا خوف وخطر نہیں جیسا کہا گیا ہے اَلنَّفْسُ كَلْبٌ نَبَّاحٌ وَاِمْسَاكُ الْكَلْبِ بَعْدَ الرِّيَاضَةِ مُبَاحٌ۔ (نفس بھونکنے اور کاٹنے والا کتا ہے جب وہ ریاضت سے مطیع ہو جائے تو اس کا رکھنا مُباح ہے)۔ یہ ہولناک مشکل بجز خداوند تعالےٰ کے فضل و کرم اور پیر مشفق

Marfat.com

کے ظلِ عاطفت کے بغیر سر نہیں ہو سکتا۔ مثنوی۔

مَرَو بے دانشے در راہ گمراہ — کہ راہِ دور و تاریک ست بر چاہ
چراغ علم و دانش پیش خود دار — دگرنہ در چہ افتی سر نگوں سار

(رہبر کے بغیر راستے میں بھٹکتا مت پھر۔ کیونکہ راستہ دُور، اندھیرا اور کنویں پر واقع ہے۔ علم اور عقل کا چراغ پاس رکھ ورنہ اوندھے منھ کنویں میں گر پڑے گا) حضرت نظامی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثنوی۔

سر مکش از خدمتِ روشن دلان — دست مدار از کمرِ مقبلان
خار کہ ہم صحبتِ گل کند — غالیہ در دامنِ سنبل کند
داغِ بلندان طلب اے ہوشمند — تاشوی از داغِ بلندان بلند
زانپئے آن گشت فلک تاجِ سر — کز پئے خدمت ہمہ تن شد کمر

(روشن دلوں کی خدمت سے منھ نہ پھیر۔ اقبال مندوں کے دامن سے ہاتھ نہ چھڑا۔ جو کانٹا پھولوں کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ بھی سنبل کی طرح مہکتا ہے۔ اے عقل والے، بلند مرتبہ لوگوں کی نسبت کا داغ حاصل کر تاکہ بلند لوگوں کی نسبت سے تو بھی بلند ہو جائے۔ اسی لیے آسمان لوگوں کے سر کا تاج ہے کیونکہ خدمت کرنے کی دُھن میں سراپا کمر بن گیا ہے)۔ اے بھائی، اپنی جان کی سلامتی سے ہاتھ دھو ڈال تاکہ زہر میں بجھائی ہوئی تلوار تیرے ہی سر پر پڑے تو مزبلوں کے کتوں کے ساتھ رہا کر تاکہ لوگ تجھے بُرا کہیں مگر تو ان میں خوش خوش سر کو سجدے میں جھکائے اسرار جلوہ ہائے شہود میں محو رہ۔ ع

چو دریا باش و کشتی را رہا کن — تو عالم باش و عالم را جدا کن

(تو خود ہی دریا بن جا اور کشتی کا سہارا چھوڑ دے۔ تو خود ہی عالم ہو جا اور دنیا کو ترک کر دے)۔
کسی بزرگ کے زمانے میں ایک فقیر نے ساری رات نماز پڑھتے گزار دی۔ صبح اُن بزرگ کے پاس گیا کہ وہ اُس کی تعریف کریں گے۔ پوچھا "اے حضرت آپ مجھ کو کیسا پاتے ہیں؟" انھوں نے کہا "تو یہودیوں کی طرح معلوم ہوتا ہے"۔ فقیر اُٹھ گیا اور یوں شور و فریاد کرنے لگا۔ ع

ہرگز از عشق بتان روز کسے نیک نہ شد — من بیدر روز بدین روز کجا افتادم

(حسینوں کے عشق و محبت میں کسی نے اچھے دن نہ دیکھے۔ میں کم بخت اس بُرے دن میں کہاں آپڑا۔
ایک صاحب بصیرت نے کہا ہے۔ قطعہ۔

ہر کہ خود را نہ کرد خوار امروز ہمچو فرعون خوار خواہد بود
ہر کہ او پست و مستِ عشق نہ شد تا ابد پُر خمار خواہد بود

(جس نے آج اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہ کیا وہ کل فرعون کی طرح ذلیل و خوار ہوگا۔ جو شخص عشق میں پست اور مست نہ ہوا وہ قیامت تک خمار کی تکلیف میں مبتلا رہے گا)۔ وہ خاطر مدارات جو حضرت خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معراج کی رات میں کی گئی جنگِ احد کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے کم نہیں ہوگی۔ اور وہ لَعَمْرُكَ یَا مُحَمَّدُ کا تاج دندانِ مبارک کی شہادت اور عارضِ مقدس کی خون آلودگی سے کم نہ ہوگا۔ کسی دل جلے نے کہا ہے قطعہ

ملامت بیہدہ ہست افتادگان را بر سرِ کویت کسے کان روے بیند از بلا آزاد کے ماند
خرابی ہاست اندر جانم از دستِ خیالِ تو چو سلطان تیغ خود بر داشت شہر آباد کے ماند

(جو بیچارے تیری گلی میں پڑے ہوئے ہیں اُن کو ملامت کرنا بیکار ہے جس نے یہ چہرہ دیکھ لیا وہ بلاؤں سے کیونکر آزاد رہ سکتا ہے۔ تمھاری یاد کے ہاتھوں میری جان کی یہ ساری خرابیاں ہیں کیونکہ جب بادشاہ خود ہی تلوار کھینچ لے تو بھلا شہر کیونکر آباد رہ سکتا ہے۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیاسیواں مکتوب ۸۲

خواہش کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تعالےٰ تمھیں بزرگی عطا کرے۔ سنو، خواہش نفس کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے۔ واصلانِ حق کے لیے یہ حجاب ہے اور مریدوں کے لیے راستہ روک دینے والی ہے۔ طالبانِ راہ کے لیے یہ ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب طالبانِ راہ کے خلاف مامور کیے گئے ہیں تاکہ اچھے کاموں سے روک رکھیں جیسا کہ کہا ہے، مَنْ رَكِبَهَا هَلَكَ وَمَنْ خَالَفَهَا مَلَكَ (جس نے خواہشات کی پیروی کی ہلاک ہو گیا

Marfat.com

اور جس نے اس کی مخالفت کی مراد پائی)۔ جیسا کہ کہا ہے۔ مثنوی

سر ز ہوا تافتن از سروری است ترکِ ہوا قوتِ پیغمبری است

توسنِ طبع تو چون رام شود سکۂ اخلاص بنامت شود

(خواہش سے منہ پھیر لینا سرداری کی باتیں ہیں۔ خواہش کا ترک کرنا پیغمبری کی طاقت ہے۔ جب تیری طبیعت کا گھوڑا تیرا فرمانبردار ہو جائے تو اخلاص کا سکہ تیرے نام ہو جائے گا)۔ خواہش کی دو قسمیں۔ ایک لذت و شہوت کی خواہش۔ دوسرے مرتبہ، عہدہ اور ریاست کی خواہش۔ جس کو لذت و شہوت کی خواہش ہو وہ میخانے میں مقیم ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اس کے فتنہ و شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ مگر جس کو ریاست و منصب کی خواہش ہوتی ہے وہ عبادت گاہوں، خانقاہوں اور دائروں میں رہتا ہے اور مخلوق کے لیے فتنہ ہوتا ہے۔ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور مخلوق کو گمراہ کرتا ہے۔ تو جس کے تمام افعال خواہش کے مطابق ہوں اور نفس کی رضامندی ہی اس کا مقصود ہو، وہ اگر آسمان پر بھی پہنچ جائے تو وہ خدا سے دور ہی رہے گا۔ ؎

چون ترا صد بت بود در زیرِ دلق چون نمائی خویشتن صوفی بہ خلق

(جب تیری گدڑی میں سیکڑوں بت چھپے ہوئے ہیں تو خود کو لوگوں کے سامنے صوفی کیوں ظاہر کرتا ہے) اور جو کوئی خواہش سے دور ہو گا اور نفس کی متابعت سے کنارہ کشی اختیار کرے گا وہ اگر بت خانے میں بھی ہو گا تو خدا کے ساتھ ہو گا۔ ؎

ہر کہ این سگ را کند بندِ گران خاکِ او بہتر ز خونِ دیگران

(جس نے اس کتے کو بھاری زنجیر میں جکڑ دیا، اُس کی خاک دوسروں کے خون سے بہتر ہے)۔ خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ میں نے ایک دن سنا کہ روم کا ایک راہب ساٹھ برس سے رہبانیت کے طریقہ پر قائم ہے۔ مجھ کو تعجب ہوا کہ رہبانیت کی شرط تو چالیس سال سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ کس مقصد کو لے کر اب تک دیر میں ٹھہرا ہوا ہے۔ میں نے اُس سے ملنے کا ارادہ کیا۔ جب اُس کے پاس پہنچا تو اُس نے کھڑکی کھولی اور کہا "اے ابراہیم تم جس کام کے لیے آئے ہو میں جانتا ہوں۔ میں یہاں رہبانی کے لیے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ

Marfat.com

میرے پاس شوریدہ خواہشات رکھنے والا ایک کتا ہے اُس کو یہاں بند کر کے اُس کی نگہبانی کر رہا ہوں تاکہ اس کی شرارت مخلوق تک نہ پہنچے ورنہ میں وہ نہیں جیسا تم نے مجھے سمجھا ہے"۔ ؎

کافر ست این نفسِ بے فرمان چنین کشتن وے کے بود آسان چنین

(یہ نفسِ کافر سخت نا فرمان ہے۔ اس کا مار ڈالنا کوئی آسان کام نہیں ہے)۔ خواجہ ابراہیم کہتے ہیں، اُس کی یہ باتیں سن کر میں نے کہا "خداوندا تو ایسا قادرِ مطلق ہے کہ عین گمراہی میں بندے کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور یہ درجہ عنایت فرماتا ہے"۔ اُس نے مجھ سے کہا "اے ابراہیم تو کب تک آدمیوں کو ڈھونڈا کرے گا۔ جا اپنے آپ کو تلاش کر۔ اور جب پا جائے تو خود اپنا نگہبان بن جا"۔ یہی ہوائے نفس روزانہ الوہیت کے تین سو ساٹھ لباس پہن کر سامنے آتی ہے اور بندوں کو گمراہی کی طرف بلاتی ہے۔ اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا جو اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں)۔ یہی راز ہے کہ عزیزوں کے دل اس میں خون ہو کر رہ گئے ہیں۔ ؎

صد ہزاران دل بحرد از غم ہمی این سگِ کافر نمی میرد دمی

(ہزاروں دل اس غم سے کشتہ ہو گئے مگر یہ کافر و خونخوار کتا ایک ساعت بھی نہ مرا) ترکِ خواہش بندے کو امیر بنا دیتی ہے۔ اور خواہش کی پیروی امیر کو اسیر بنا دیتی ہے جس طرح زلیخا نے اپنی خواہش کی پیروی کی امیر تھی اسیر ہو گئی۔ اور مہتر یوسف علیہ السلام نے خواہش کو ترک کیا، اسیر تھے امیر ہو گئے۔ ؎

ہر کہ این سگ را بمردی کرد بند در دو عالم شیر آرد در کمند

(جس نے اپنی بہادری سے اس کتے کو قید کر لیا وہ دونوں جہان میں شیر کا شکار کر سکتا ہے) حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا مَا الْوُصُوْلُ؟ قَالَ تَرْكُ ارْتِكَابِ الْاَهْوَاءِ۔ (وصول کیا ہے؟ کہا، خواہش کی پیروی چھوڑ دینا)۔ جو کوئی چاہتا ہو کہ خدا کے قرب کی بزرگی حاصل کرے اس سے کہو کہ وہ اپنی خواہش کے خلاف کرتا رہے۔ کیونکہ بندے کی کوئی عبادت خواہش کی مخالفت سے بڑھ کر نہیں۔ کیونکہ ناخن سے پہاڑ کھودنا آسان ہے مگر خواہش کی مخالفت

Marfat.com

کرنا بہت مشکل ہے۔ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑتا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ درجہ کیسے پایا۔ اس نے کہا میں نے اپنی ہوا (خواہش) کو لات ماری اور ہوا میں اڑنے لگا۔ خواجہ محمد بن فضیل بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ لوگ اپنی خواہش کے ماتحت اس کے گھر جاتے ہیں تاکہ زیارت کریں۔ کیوں اپنی خواہش کو لات نہیں مارتے کہ اس کے پاس پہنچ جائیں اور اس کے دیدار سے مشرف ہوں۔ دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ (اپنی خواہش کو چھوڑ اور چلا آ) اسی معنی کا راز ہے۔ اب سنو، شیطان کو مجال نہیں کہ بندوں کے دل میں کوئی فتنہ و شر پیدا کر سکے جب تک خود اسے معصیت و شہوت کی خواہش نہ ہو۔ مگر جب خواہش ظاہر ہونے لگتی ہے تو شیطان اس کو پکڑ لیتا، سراہتا اور اس کے دل میں جلوہ گری کرتا ہے۔ اسی کو وسواس کہتے ہیں۔ اس کی ابتدا خواہش ہی سے ہوا کرتی ہے۔ وَالْبَادِیُ اَظْلَمُ (ابتدا کرنے والا ہی بڑا ظالم ہوتا ہے)۔ اور خداوند تعالیٰ کے قول کا یہی مطلب ہے کہ جس وقت شیطان نے کہا ہم تمام آدمیوں کو گمراہ کر دیں گے تو فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (تجھ کو میرے بندوں پر کوئی اختیار اور طاقت نہیں ہے)۔ تو شیطان حقیقۃً نفس و خواہش کا غلام ہوتا ہے۔ اسی معنی کا راز ہے جو کہا ہے ؎

گر تو حق را بندۂ بت گر مباش　　گر تو مرد این رہی آذر مباش

(اگر تو خدا کا بندہ ہے تو بت ساز نہ بن۔ اور اگر تو اس راستے کا مرد ہے تو آذر کی صفت اختیار نہ کر)۔

یہیں سے ہے جو بعض مشائخ رضوان اللہ علیہم سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے فَقَالُوْا ذَبْحُ النُّفُوْسِ بِسُیُوْفِ الْمُخَالِفَةِ (جواب دیا مخالفت کی تلواروں سے نفسوں کو ذبح کر دینا)۔ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مِفْتَاحُ الْعِبَادَةِ اَلْفِکْرَةُ وَعَلَامَةُ الْاِصَابَةِ مُخَالَفَةُ النَّفْسِ وَالْهَوَاءِ (عبادتوں کی کنجی فکر ہے اور مقام رسیدہ ہونے کی علامت نفس اور خواہش کی مخالفت ہے) یہیں سے کہا گیا ہے مُخَالِفَةُ النَّفْسِ رَأْسُ الْعِبَادَةِ۔ نفس کی مخالفت سب عبادتوں کی سرتاج ہے) حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اَسَاسُ الْکُفْرِ قِیَامُكَ عَلٰی مُرَادِ نَفْسِكَ (اپنے نفس کی مرادوں پر قائم رہنا کفر کی بنیاد ہے)۔ پس مرید طالب کو چاہیے کہ اپنے دن رات اسی کام میں گزارے کہ جب اس کے حواس میں خواہش کا اثر ظاہر ہو اس کو وہیں کاٹ دے اور گریہ و زاری کے ساتھ خدا سے دعا کرے کہ جب تو نے رکھا ہے تو اس کو کون دور کر سکتا ہے۔ تاکہ اس کی فریاد سنی جائے۔

Marfat.com

بھائی اب کیا کرنا ہے۔ سوزِ دل کے ساتھ دستِ نیاز اُٹھاؤ۔ اور بے چارگی اور زاری سے دعا مانگو۔ مثنوی۔

بندہ را زین بحرِ نامحرم بر آر   تو در افگندی مرا تو ہم بر آر
نفسِ من بگرفت سر تا پائے من   گر نہ گیری دستِ من اے وائے من
گم شدم در بحرِ حیرت ناگہان   زین ہمہ برگشتگی بازم رہان
پردہ برگیر آخر و جانم مسوز   بیش اندر پردہ پنہانم مسوز
یا ازین آلودگی پاکم بکن   یا نہ در خونم کش و خاکم بکن
رہبرم شو زانکہ گمراہ آمدم   دولتم دہ زانکہ بے گاہ آمدم

(بندے کو اس ناآشنا سمندر سے باہر نکال لے۔ تو نے ڈبویا ہے تو اب تو ہی اس سے نکال۔ سر سے پیر تک مجھے نفس نے پکڑ لیا ہے۔ اگر تو میری مدد نہ کرے تو میرے لیے افسوس کا مقام ہے میں حیرت کے سمندر میں اچانک ڈوب گیا ہوں۔ مجھے ان پریشانیوں سے آزاد کر۔ اب تو پردہ اُٹھا دے، میری جان کو نہ جلا۔ ہاں پردے میں چھپا کر اس سے زیادہ نہ جلا۔ یا تو ان آلائشوں سے مجھ کو پاک و صاف کر دے یا میرے ہی خون میں مجھے قتل کر دے اور خاک کا ڈھیر بنا دے میں گمراہ آیا ہوں مجھے راستہ دکھا دے۔ اگرچہ بے وقت آیا ہوں میرا حصہ مجھے عنایت کر)۔

خواجہ ابو علی سیاہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے۔ آپ نے کہا کہ میں ایک دن حمام میں موئے زیرِ ناف صاف کر رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے علی یہ عضو شہوتوں کی جڑ ہے اور اسی نے تجھ کو اتنی آفتوں میں مبتلا کیا ہے اس کو کاٹ کر الگ کر دے تاکہ ہمیشہ کیلیے اس کے شر سے رہائی حاصل ہو۔ اسی وقت میرے کانوں میں آواز آئی اے علی تو میری ملک میں تصرف کرتا ہے۔ میری خلقت کے اعتبار سے کوئی عضو کسی عضو سے اولیٰ تر نہیں ہے۔ اپنی عزت کی قسم اگر اس کو اپنے سے جدا کرے گا تو تیرے بال بال میں اتنا شر بھر دیں گے جتنا اس ایک عضو میں ہے۔

کشتۂ حیرت شدم یک بارگی   می ندانم چارہ از بے چارگی
مومن و کافر بہ خون آغشتہ اند   یا ہمہ سرگشتہ یا برگشتہ اند

(میں اچانک کشتۂ حیرت ہو گیا ہوں۔ اپنی بے چارگی سے اس کا کوئی علاج نہیں جانتا۔ مومن و کافر

سب کے سب خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ یا سب کے سب متحیر ہیں یا گمراہ ہو گئے ہیں)۔ اے بھائی نفس کا برباد کر دینا بندے کے اختیار میں نہیں۔ کیونکہ وہ ایک سواری کی مانند ہے جو شریعت کا بوجھ اُٹھاتی ہے۔ لیکن اس کی صفات کا بدل دینا توفیقِ خداوندی سے کسی بندے کیلئے ممکن ہوتا ہے اور کسی صفت سے بندے کی مشارکت اُس کے ساتھ نہیں بجز اس کے جس کا اُس نے حکم کر دیا ہے اُس کی ملک میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کی رضا نہ ہو بندہ اپنی جدوجہد سے کسی چیز سے باز نہیں رہ سکتا۔ اسی بھید کو یوں کہا ہے ؎

چون راست آید آخر با تو طریقِ خسرو　　　او نامراد مسکین تو شوخِ خود مرادی

(خسرو کا طور طریقہ آخر تیرے ساتھ کیونکر راست آسکتا ہے۔ کیونکہ وہ غریب نامراد مسکین ہے اور تو شوخ اور خود مراد ہے)۔ اس لیے سازگاری ناممکن ہے۔ کیونکہ تمام کوششیں دو موقعوں پر بیکار ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی جدوجہد سے تقدیرِ الٰہی کو بدل دے۔ دوسرے یہ کہ تقدیرِ الٰہی کے خلاف اپنے لیے کوئی چیز حاصل کرلے۔ اور یہ دونوں محال ہیں کیونکہ تقدیرِ الٰہی کسی کی کوشش سے نہیں بدلتی۔ امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ بیمار پڑے طبیب نے اُن سے کہا پرہیز کرنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا، کس چیز سے؟ کیا اُس چیز سے جو میری روزی مقدر ہو چکی ہے یا اُس چیز سے جو میری روزی نہیں ہے اگر میری روزی سے پرہیز کرنے کو کہتے ہو تو یہ ممکن نہیں ہے میں کیونکر پرہیز کر سکتا ہوں۔ اگر اس چیز سے پرہیز بتاتے ہو جو میری روزی ہی نہیں ہے تو وہ آپ ہی مجھے نہ ملے گی۔ پھر بتاؤ میں کس چیز سے پرہیز کروں۔ طبیب حیران رہ گیا۔ یہی ہے جو کہا ہے ؎

نالہ ز فلک پر شد و آن زخم نہ پیدا　　　بے چارہ طبیبان ہمہ درماندہ ز دردم

(میرے نالے سے آسمان بھر گیا اور کوئی زخم نظر نہ آیا۔ بیچارے طبیب میرے درد کے علاج سے عاجز آگئے)۔ حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا۔ "آپ کے لیے طرح طرح کی نعمتوں کا دسترخوان سجا کر پیش کیا گیا، اس پر بھی آپ نے گیہوں کی طرف ہی ہاتھ بڑھایا۔ یہ کیا بات تھی؟" حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ "تم نے توریت میں پڑھا ہوگا کہ میری پیدائش سے پیشتر ہی میرے متعلق یہ معاملہ لکھ دیا تھا۔ تم مجھ پر ملامت کرتے ہو؟" پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ پھر یہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا (اے میرے پروردگار میں نے ظلم کیا) کیوں کہا؟ آپ نے کہا دشمن نے

Marfat.com

شکست کھانے کے بعد بحث وحجت کے ذریعہ بری الذمہ ہونے کی کوشش کی۔ مگر میں نے درگاہِ رب العزۃ میں عاجزی کو وسیلہ بنایا اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا کہا۔ کیونکہ وہاں کسی کی حجت نہیں چلتی"۔ ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ "ہمارے سر پہ گناہ تھوپ دیا ہے اور پھر سزا دیتا ہے"۔ انھوں نے کہا "ہاں ایسا ہی کیا ہے لیکن کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں"۔ ؎

ترا با حکمتِ یزداں چہ کار است مزن دم ورنہ جائے تو بدار است

ترا خاموشی وصبر است راہے نہ خواہی یافت بہ زین دستگاہے

(تجھے حکمتِ خداوندی کی حقیقتوں سے کیا کام۔ بس خاموش ہی رہ ورنہ دار پر لٹکا دیا جائے گا۔ تیرے لیے خاموشی اور صبر کے سوا دوسرا راستہ نہیں۔ اس سے بہتر تجھے کوئی پناہ نہ ملے گی)۔ نقل ہے کہ سلطان محمود غازی نے ایک قیمتی موتی وزیر کو دیا اور کہا اسے توڑ ڈال۔ وزیر نے کہا۔ "اس کی قیمت تو شاہی خزانے کے برابر ہے اسے نہ توڑنا چاہیے"۔ پھر بادشاہ نے ایاز کو توڑنے کے لیے دیا۔ اُس نے فوراً ہی پتھر سے چکنا چور کر دیا۔ بادشاہ نے کہا "اسے کیوں توڑ دیا؟" اُس نے کہا "میں نے خطا کی، برا کیا، اچھا نہیں کیا"۔ سلطان نے وزیر سے کہا۔ "دربارِ شاہی کے آداب ایاز سے سیکھو۔ کہ نہ فرمانِ شاہی میں اعتراض، نہ کلام میں کوئی چون وچرا۔ یہی ہے جو کہا ہے ؎

عذر بہ آن را کہ خطائے رسید کادم ازان توبہ بجائے رسید

(اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو عذر کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ آدم علیہ السلام توبہ ہی سے اپنے مقام پر پہنچے ہیں) والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تراسیواں مکتوب ۸۳

نفس کی ریاضت کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین، خدا تمھیں متقیوں کی بزرگی عطا فرمائے۔ سنو، آدمی کی طبیعت سرکش واقع ہوئی ہے۔ بری صفتوں اور خراب اخلاق سے اس کی طینت مرکب ہے۔ جیسا کہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی میں آیا ہے جب نفسِ امارہ کے تسلط کی شرارتوں کا اثر انسان کے احوال پر غلبہ کرتا ہے تو یہ گمراہیوں اور خسارے میں پڑ کر ایمان کی روشنی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور

Marfat.com

درگاہ رب العزۃ سے دُور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نفس امارہ دل کا دشمن اور دین کا مخالف ہے۔ یہ ہمیشہ اپنی ہی تدبیر میں لگا رہتا ہے۔ اور احکام شرع کی بجا آوری اور اُس کی پیروی سے سرکشی کرتا ہے۔ آدمی کے لیے نفس کی آفت کفر کے فتنوں سے کہیں زیادہ بدتر ہے اور شیطان کی شرارت و مکر سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ کیونکہ آدمی سے اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ آدمی کا بڑا دشمن اور سخت ترین بلا ہی نفس ہے۔ اسی لیے اس کی دوا علاج بھی مشکل اور بہت دشوار ہے۔ کیونکہ یہ اندرونی دشمن ہے۔ اور جب گھر کے اندر ہی چور ہوتا ہے تو اس کو دفع کرنا آسان نہیں ہوتا۔ دوسری دقت یہ ہے کہ نفس ایک ایسا دشمن ہے جو آدمی کو محبوب اور پیارا ہوتا ہے۔ اور محبوب کی عیب بینی سے آدمی اندھا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ نفس کی جو کچھ تباہ کاریاں دیکھتا ہے اُن کو نیکی اور بھلائی سمجھتا ہے۔ اور جب ایسا ہوتا ہے تو آدمی اس نفس کے ہاتھوں جلد ہی تباہی اور ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اُسے ان باتوں کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اے بھائی، جب تم ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو گے تو تمھیں معلوم ہو گا کہ یہ سارے فتنے فساد، تباہی و بربادی، خواری و ہلاکت، معصیت و آفت جو مخلوق کو اول آفرینش سے پیش آئی ہیں اور قیامت تک پیش آئیں گی وہ اسی نفس کی بدولت ہیں غرض جو شخص بھی بلاؤں میں مبتلا ہوا اسی نفس کی وجہ سے ہوا۔ اگر ہوائے نفس گمراہ نہ کرتی تو فتنہ و ضلالت اور معصیت کا وجود قیامت تک نہ پایا جاتا۔ اور ساری مخلوق امن و سلامتی میں دن گزارتی۔ تو جب اتنا بڑا دشمن بغل میں ہو تو عقلمند کے لیے ضرور ہے کہ اسے دبا کر زیر کرے اور اس سے چھٹکارا پانے کی جد و جہد کرتا رہے۔ لیکن یکبارگی اس پر دھاوا بول دینا ممکن نہیں جیسا اور دشمنوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دفعۃً اس کو زیر کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ نفس طالب کی سواری اور آلہ ہے اس لیے یکبارگی اس کا چھوڑ دینا دشوار ہے اور ایسا کرنے میں ضرر اور نقصان کا احتمال ہے۔ اس لیے مرید کو میانہ روی اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اس طرح کہ اس کی پرورش کرو اور قوت دیتے ہوئے اس پر کاموں کا بوجھ ڈالو کہ وہ متحمل ہو سکے اور اس حد تک کمزور کرو اور سختی سے کام لو کہ تمھارے حکم سے گریز نہ کرے۔ اس کے علاوہ جو طریقے ہیں وہ غلط ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سخت ریاضت اور مجاہدۂ شاقہ کی وجہ سے نہایت کمزور ہو گئے تھے اور ہاتھ پاؤں ہلانے سے بھی عاجز تھے! اُن کی

Marfat.com

آنکھیں حلقے میں دھنس گئی تھیں۔ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھا تو پسند نہ فرمایا اور کہا یا عبداللہ، اِنَّ النَّفْسَکَ عَلَیْکَ حَقًّا (اے عبداللہ، تمھارے اوپر تمھارے نفس کا بھی حق ہے)، اس سختی سے ہاتھ کھینچ لو۔ اگر نفس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کروگے تو پکڑے جاؤگے اور گنہگار ہوگے۔" اس سے معلوم ہوا کہ ریاضت اور مجاہدۂ نفس کے لیے علم کی ضرورت ہے تاکہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ نفس ہلاک بھی نہ ہو، نہ تم پر غالب ہوسکے اور نہ تمھاری نافرمانی کرسکے۔ پس میانہ روی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے منہ میں تقوے کی لگام ڈالو اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ نفس ایک نافرمان، سرکش اور موذی جانور ہے تم کس طرح اس کے منہ میں لگام دوگے۔ تو جان لو کہ اس میں حیلے کی ضرورت ہے۔ پہلے اس کو ذرا نرم کرو تاکہ لگام لینے کے قابل ہوجائے۔ اس راستے کے عاملوں نے کہا ہے کہ نفس کو نرم کرنے کی تین چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ نفس کو خواہشوں اور لذتوں سے روک دو۔ کیونکہ جب چوپائے دانہ گھاس نہیں پاتے تو نرم ہوجاتے ہیں۔ عالموں میں سے کسی نے کہا ہے کہ نفس کی سرکشی اور جہالت اس حد تک ہوتی ہے کہ جب وہ چاہتا ہے کہ گناہ کرے اور عذاب مول لے، اور تم اس وقت خدا، رسول، حملہ انبیا، کتاب اور سلف صالحین کو شفیع بنا کر سامنے لاؤ اور موت قبر، قیامت، بہشت اور دوزخ سب اس کے سامنے رکھ دو، تو بھی وہ ہرگز باز نہ آئے گا اور گناہ سے پیچھے نہ ہٹے گا نہ خواہشوں سے دست بردار ہوگا۔ لیکن جب دانہ پانی روک دیا جائے گا تو ساری شرارتیں غائب ہوجائیں گی۔ دوسرے یہ کہ عبادت کا بھاری بوجھ اس پر لاد دو کیونکہ جب خچر پر زیادہ بھاری بوجھ لاد دیا جاتا ہے تو وہ سیدھا ہوجاتا ہے خاص کر ایسی حالت میں کہ دانہ پانی کی مار اس پر پڑ چکی ہو۔ تیسرے یہ کہ خداوند تعالےٰ سے امداد مانگو اور اس کی بارگاہ میں پناہ ڈھونڈو۔ بغیر اس کے اس کی شرارتوں سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ اگر ان تینوں چیزوں پر قائم رہوگے تو تمھارا نفس، سرکش تمھارا فرمانبردار ہوجائے گا اور لگام قبول کرلے گا۔ جب ایسی حالت دیکھو تو جلدی کرو۔ اور تقویٰ کی لگام اس کے منہ میں ڈال دو اور اس کی شرارت سے بے فکر ہوجاؤ۔ اگر تم پوچھو کہ تقویٰ کیا ہے جس کی لگام بنائیں؟ تو سنو، تقوے ایک بہت بڑا خزانہ اور ایک وسیع ملک ہے جس میں دنیا اور آخرت کی تمام چیزیں جمع کرکے

Marfat.com

رکھ دی گئی ہیں۔ اور اسی کے تحت ایک خصلت رکھی ہے جس کا نام تقویٰ ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ توریت میں ہے کہ اے بنی آدم تقویٰ اختیار کر اور جہاں چاہے آرام کی نیند سو رہ۔ یہ ایسی خصلت ہے کہ تمام نیکیوں کی جامع ہے اور جملہ مہمات کے لیے کافی ہے۔ بندے کو تمام درجات اور کرامات پر پہنچا دیتی ہے۔ اور یہ ایک ایسی اصل ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اب سنو، تفسیر زاہدی میں ہے کہ تقوے کی دو قسمیں ہیں۔ اصل اور فرع۔ اصل تو کفر سے توبہ کرکے ایمان لانا ہے۔ اور فرع گناہوں کو چھوڑ کر طاعت و بندگی کرنا۔ اور مشائخ نے کہا ہے۔ کہ تقوے کی تین منزلیں ہیں۔ ایک شرک سے تقویٰ، دوسرے بدعات سے تقویٰ، تیسرے معاصی سے تقویٰ۔ پس تقوے کے یہ معنی ہوئے کہ دین میں جن جن باتوں سے ضرر و نقصان کا ڈر ہے اُن سے پرہیز کرنا۔ تم نہیں دیکھتے کہ پرہیز کرنے والے بیمار کو بھی متقی کہتے ہیں۔ کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں اور ایسے پھل وغیرہ سے جو اس کے لیے نقصان پہنچانے والے ہیں، پرہیز کرتا ہے۔ وہ چیزیں جن سے دین میں نقصان کا خوف ہے اُن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محض حرام و معصیت اور دوسرے حلال چیزوں میں زیادتی اور فضولی کرنا۔ اور یہ بہت ہوتا ہے کہ حلال چیزوں میں زیادتی آدمی کو حرام اور گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ تو جو شخص چاہے کہ دین میں نقصان لانے والی باتوں سے امن میں رہے، اُس کے لیے ضروری ہے کہ محض حرام اور معصیت سے پرہیز کے علاوہ حلال فضول سے بھی اپنا دامن بچائے رکھے۔ پس جامع و مانع تقویٰ اُن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو معصیت ہیں اور دین کو نقصان پہنچانے والی ہیں اور فضول حلال سے بھی دامن بچانا ہے۔ اس کام میں غفلت نہ کرنی چاہیے۔ فرصت کو غنیمت جانیں۔ آئندہ ممکن ہے کہ ہم تقویٰ کرنا چاہیں اور نہ کر سکیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے، دنیا تین دن کی ہے۔ ایک وہ کل جو گزر چکا جس سے تجھے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ دوسرے وہ کل جو آنے والا ہے۔ اس کے متعلق نہیں معلوم تو اُسے پائے گا یا نہ پائے گا۔ تیسرا وہ دن ہے جس میں تو اس وقت ہے۔ اور لے دے کے یہی تیرے ہاتھ ہے اس کو غنیمت جان۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے دنیا تین ساعت سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک ساعت گزر چکی جس سے تو نے کچھ حاصل نہ کیا۔ دوسری ساعت کا یقین نہیں کہ پائے گا یا نہ پائے گا۔ تیسری ساعت وہ کہ تو اس میں ہے، تو درحقیقت تیری عمر یہی ایک ساعت ہے۔

Marfat.com

اور ایک محقق بزرگ نے کہا ہے، دنیا تین سانس کے برابر ہے۔ ایک سانس تو گزر چکی اور معلوم ہے اس میں جو کچھ تو نے کیا دھرا ہے۔ دوسری سانس کا حال معلوم ہی نہیں کہ آئے گی یا نہ آئے گی تیسری سانس وہ جو تو نے لی ہے۔ اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ ایک سانس کے بعد دوسری سانس نہیں لے سکے اور مر گئے ہیں۔ پس تم نہ ایک دن کے مالک ہو نہ ایک ساعت کے پس یہی ایک سانس تمھاری ہے۔ تو ہوش سنبھالو، اُٹھ بیٹھو اور جلدی کرو اور اسی سانس میں توبہ اور بندگی کر لو۔ ممکن ہے دوسری سانس نہ آئے اور خاتمہ ہو جائے۔ اور رزق و روزی کا غم نہ کرو۔ ممکن ہے کہ جب تمھیں رزق کی حاجت ہو اس وقت تم زندہ ہی نہ رہو۔ یاد رکھو، وہ آدمی تباہ ہو جاتا ہے جو ایک دن یا ایک ساعت کا غم کرتا ہے جبکہ وہ دوسری ہی سانس میں مر جائے گا۔ اور وہ یاد کرو جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اسامہ دراز امید ہے کہ ایک مہینے کے وعدے پر لونڈی خریدی ہے۔ خدا کی قسم میں زمین پر قدم رکھنے کے بعد گمان نہیں کرتا کہ قدم اُٹھاؤں گا یا نہ اُٹھاؤں گا۔ لقمہ منہ میں لے کر یقین نہیں کرتا کہ اسے حلق سے اُتار سکوں گا۔ پس مرید کو چاہیے کہ اس پر قائم ہو جائے اور رات دن اسی کو یاد کرتا رہے۔ بالضرور اس کی امیدیں مختصر ہو جائیں گی اور اپنے نفس کو بندگی میں تیزی، توبہ میں جلدی، دنیا میں زہد اور استعدادِ مرگ میں مشغول ہونے والا دیکھے گا۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوراسیواں مکتوب ۸۴

نفس کی سیاست اور مجاہدے کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین، اللہ تعالیٰ تمھیں نفس کی مخالفت کی توفیق عطا فرمائے سنو، نفس کی محنت و مشقت اور اس کی سرزنش ہر مذہب اور ہر دین میں پسندیدہ سمجھی گئی اور دنیا کی تمام اقوام، وہ حق ہوں یا باطل، اور جملہ محققوں نے مجاہدے کو ثابت کیا۔ اور مشاہدے کا ایک سبب گردانا ہے کہ اَلْمُشَاهَدَاتُ مَوَارِيْثُ الْمُجَاهَدَاتِ (مشاہدات مجاہدات کی میراث ہیں)۔ اور اس کی اصل خدا کا وہ کلام ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ

Marfat.com

سُبُلَنَا (جنھوں نے ہماری تمنا میں مجاہدہ کیا ہم اُن کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں) جو مجاہدہ کرتا ہے اُسے مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ اور یہ پیغمبروں کا آنا، شریعتوں کا جاری ہونا، آسمانی کتابوں کا نزول اور جملہ احکام کا تکلف سب مجاہدہ ہی ہے۔ طبیعتوں کے بدل جانے اور عجیب و غریب صفتوں کے پیدا ہونے سے مجاہدے کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور آئے دن کا مشاہدہ اس کی دلیل ہے۔ اس کا انکار مشاہدہ کا انکار ہے اور اس سے برتری ظاہر ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ ریاضت سے گھوڑوں کو ایسا سدھاتے ہیں کہ حیوانی صفات چھوڑ کر آدمیت اختیار کر لیتا ہے اور اس کی صفتیں بدل جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ زمین سے کوڑا اٹھا کر سوار کو دیتا ہے۔ اور گیند گھماتا ہے۔ اسی طرح ناسمجھ عجمی بچوں کو محنت و ریاضت سے عربی زبان بنا دیتے ہیں اور ان کا طبعی کلام بدل دیتے ہیں۔ بعض وحشی جانوروں اور پرندوں کو ایسا رام کر لیتے ہیں کہ جب چھوڑتے ہیں چلا جاتا ہے اور بلاتے ہیں چلا آتا ہے اور ایسا گھل مل جاتا ہے کہ اس قید و بند کو آزادی سے کہیں زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ ایک ناپاک کتے کو مجاہدہ و تعلیم سے اس مرتبے پر پہنچا دیتے ہیں کہ اُس کا مارا ہوا شکار مومن کے مارے ہوئے شکار کی طرح حلال اور پاک ہوتا ہے۔ الغرض ہر شریعت کا دار و مدار مجاہدے پر ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی قربت میں ہونے کے باوجود، عاقبت سے مامون اور لباس عصمت سے آراستہ ہونے کے بعد بھی کس قدر مجاہدہ کیا ہے۔ طویل بھوک مسلسل روزے، راتوں کی بیداری اس درجہ اختیار کی کہ فرمانِ خداوندی آیا۔ "اے محمدؐ! ہم نے تمھارے پاس قرآن اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ تم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دو۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ السلام مسجد کی عمارت بنانے کے لیے اینٹیں اُٹھا رہے تھے اور ہم دیکھ رہے تھے کہ اس سے حضور اقدس کو تکلیف ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ اینٹیں ہمیں دیجیے آپ کے بدلے ہم اٹھائیں گے۔ آپ نے فرمایا یَا اَبَا هُرَيْرَةَ خُذْ غَيْرَهَا فَاِنَّهٗ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ (اے ابوہریرہؓ تم دوسری اینٹیں اُٹھاؤ۔ یہاں کوئی آرام نہیں ہے۔ آرام تو آخرت میں ہے)۔ ان تمام باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت بالاتفاق پسندیدہ ہے۔ لیکن مجاہدہ کا دیکھنا (یعنی اس کا اعتبار کرنا) ایک آفت ہے۔ کیونکہ مجاہدہ بندے کا فعل ہے

Marfat.com

اور مشاہدہ عنایتِ خداوندی ہے جب تک عنایت و نوازشِ حق نہ ہو بندے کے کسی کام کی کوئی قیمت نہیں۔ جہاں تک ممکن ہو اپنے فعل کی طرف منسوب نہ کرو اور کسی صفت میں نفس کے تابع نہ ہو جاؤ۔ یہی تمہارا وجود اور ہستی تمہارا حجاب ہے۔ اگر ایک فعل سے محجوب ہو گئے تو دوسرے کام کیلیے آمادہ ہو جاؤ گے۔ اور جب تم بلکہ اپنے ہی حجاب میں مبتلا رہو گے تو تمہاری اَنَا بھی کلیتہً فانی نہ ہو گی۔ اور تم بقا و مشاہدہ حاصل کرنے کے لائق نہ ہو سکو گے۔ یہاں ایک نکتہ یاد رکھو، اور وہ یہ ہے کہ نفس کا مجاہدہ نفس کے صفاتِ ذمیمہ کو فنا کرنے کے لیے ہوتا ہے نفس کو فنا کرنے کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ اس کی انانیت کی اصل فنا نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب صاحبِ مجاہدہ نفس پر قابض و مالک ہو جاتا ہے اور اُسے اپنا محکوم بنا لیتا ہے تو اس کی بقا سے کوئی خوف نہیں ہوتا۔ اب سنو بھائی! خالی پیٹ رہنے کو اس راستے میں بڑی شرافت حاصل ہے اور ہر گروہ کے نزدیک قابلِ تعریف ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ بھوکے کی طبیعت تیز تر اور اس کی سمجھ صاف تر اور صحت بہتر ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو العباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری بندگی اور معصیت دو حالتوں سے متعلق ہے۔ جب میں سیر ہو کر کھا لیتا ہوں تو تمام گناہوں کو اپنے اندر پاتا ہوں۔ اور جب نہیں کھاتا تو تمام عبادات کی اصل اپنی ذات میں محسوس کرتا ہوں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کے لیے پیٹ کی اصلاح مشکل ترین کام ہے۔ کیونکہ اس کا نقصان بہت اور اثر قوی تر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہی سارے گناہوں کا سرچشمہ اور مخزن ہے۔ بس تمہارے لیے پیٹ کی اصلاح لازم ہے۔ انسان میں گناہگاری اور پاک دامنی اور بدن میں قوت و ضعف پیٹ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اول پیٹ کو حرام اور شبہ کی چیزوں سے اور اس کے بعد ضرورت سے زیادہ حلال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کچھ کام سرانجام دو تو یاد رکھو کہ حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانے والا مردودِ بارگاہ ہوتا ہے اور عبادت کی توفیق اُسے نصیب نہیں ہوتی۔ حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "عبادت اللہ تعالیٰ کا خزانہ ہے اس کی کنجی دعا ہے اور اس کنجی کے دندانے حلال روزی۔ جب کنجی میں دندانے نہ ہوں گے تو قفل نہ کھل سکے گا۔ اور جب خزانے کا دروازہ نہ کھلے گا تو وہ عبادت جو اس خزانے میں ہے کیونکر ہاتھ آئے گی۔ دوسرے یہ کہ حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانے والا نیکی کے کاموں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اتفاقاً نیکی کرتا بھی ہے تو قبول نہیں ہوتی بلکہ اُس

Marfat.com

منہ پر مار دی جاتی ہے اور یہ کار خیر اس کے لیے زحمت بن جاتا ہے۔ لیکن حلال چیزوں میں زیادتی کرنا بھی عابدوں کے لیے آفت اور مجاہدوں کے لیے بلا ہے۔ کیونکہ زیادہ کھانا دل کو سخت کرتا اور اُس کے نور کو بجھا دیتا اور علم و عقل کو کم کرتا ہے۔ کیونکہ پُرخوری سے طبیعت مضمحل ہو جاتی ہے۔ خواجہ سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے "اگر تم چاہتے ہو کہ دینی یا دنیاوی ضرورتوں میں مشغول ہو تو جب تک اُس سے فارغ نہ ہو جاؤ کچھ نہ کھاؤ۔ کیونکہ غذا عقل کو باطل کرتی ہے اور زیادہ کھانا تمام اعضا کے لیے فتنہ و فساد کا باعث ہے۔" ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "پیٹ ایسا عضو ہے کہ اگر وہ خالی ہے تو تمام اعضا گناہوں سے سیر ہوں گے اور اگر وہ سیر ہوگا تو تمام اعضا گناہوں کے بھوکے ہوں گے"۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ آدمی کے قول و فعل اس کے کھانے پینے پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر حرام اور مشتبہ چیزیں پیٹ میں جائیں گی تو اقوال و افعال بھی حرام اور مکروہ سرزد ہوں گے۔ اگر حلال غذائیں ضرورت سے زیادہ استعمال ہوں گی تو افعال و اقوال بھی فضول برآمد ہوں گے۔ گویا کھانا پینا قول و فعل کے لیے تخم کی حیثیت رکھتا ہے جو اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ یحییٰ پیغامبر علیہ السلام نے شیطان کو دیکھا کہ توبڑے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" اُس نے جواب دیا "یہ بھوک اور خواہشیں ہیں کہ میں اسی کے ذریعہ آدمیوں کا شکار کرتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا "کیا مجھے بھی اس سے شکار کر سکتے ہو؟" اُس نے کہا "نہیں، مگر ایک رات جب تم نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا تھا اور گرانی کے سبب میں نے تم کو نماز ادا کرنے سے روک دیا تھا"۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بعد میں اب کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابلیس نے یہ سن کر کہا اس کے بعد میں اب کسی کو یہ نصیحت نہ کروں گا۔ اے بھائی، یہ حال اس شخص کا ہے جس نے تمام عمر میں صرف ایک رات شکم سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ پھر ہمارا کیا حال ہوگا کہ زندگی بھر میں کسی رات بھوکے نہ رہے اس پر یہ فضول ہوس کہ عبادت بجا لائیں۔ لوگوں نے کہا ہے کہ سکراتِ موت کی سختی زندگی کی لذتوں کے برابر ہوتی ہے۔ جس کو اپنی زندگی میں زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے موت کی سختی بھی اسی اندازے سے اُس پر زیادہ ہوتی ہے۔ حاصل کلام بھوک کے فائدے بے حد و بے حساب ہیں اور شکم پُری کی آفتیں بے تعداد و بے شمار۔ پیٹ کا کام ایک مشکل کام ہے اور لقمے کی باتیں سخت اور خوفناک ہیں۔ جیسا کہ ابھی تم نے سنا۔ اب اگر تم سوال کرو کہ صلہ لینا اور فتوحات کا قبول کرنا

یا اُس کے ردّ و قبول میں بحث و انکار کرنا واجب ہے یا نہیں ؟ تو کہا گیا ہے کہ اگر آدمی کا ظاہر صلاح و تقوےٰ سے آراستہ ہے یعنی اگر دینے والا نکوکار نظر آتا ہے تو صلہ و صدقات قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور بحث و تجسّس ضروری نہیں۔ اور یہ کہنا کہ زمانہ خراب ہے (یعنی لوگ آجکل کسب حلال میں احتیاط سے کام نہیں لیتے) تو یہ مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ نیک گمان کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے جانو کہ اصل دو چیزیں ہیں۔ ایک حکمِ شریعتِ ظاہر اور دوسرے حقِ تقویٰ۔ تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی ایسا آدمی جس کا ظاہر نیک ہے، تمھیں کوئی چیز دے تو لے لو اور یہ نہ پوچھو کہ تم نے کیسے اور کہاں سے حاصل کی ؟ لیکن اگر تم کو اس بات کا یقین ہو کہ یہ چیز غصب یا حرامِ محض ہے تو قبول نہ کرو۔ اور حکمِ تقویٰ یہ ہے کہ جب تک پوچھ نہ لو اور یقین نہ ہو جائے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے مت لو اور اُسے واپس کر دو۔ اگر کوئی کہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ مخالفِ شریعت ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ شریعت کی بنیاد نرمی و آسانی پر اور تقوے کی بنیاد سختی اور دشواری پر رکھی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ متقیوں کا کام خود اپنی سختیوں اور بندشوں کی بنا پر ہوتا ہے جو وہ اپنے اوپر خود عائد کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود تقویٰ شریعت کا مخالف نہیں ہے اور دونوں اپنی اصل میں ایک ہی ہیں۔ لیکن جانو کہ شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں، ایک جائز اور دوسرے افضل۔ جائز کو حکمِ شریعت اور افضل کو حکمِ تقوے کہتے ہیں۔ اس لیے دونوں اپنی حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ بظاہر ایک دوسرے کے مخالف نظر آتے ہیں۔

اے بھائی! یہ راہ مجردوں کی راہ اور یہ کام بلند ہمتوں کا کام ہے۔ یہاں پاک بازی اور جاں نثاری کی ضرورت ہے۔ نقل ہے کہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ یہاں ایک شخص مقام استاد نامی رہتا ہے۔ آپ اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک شخص چٹائی لپیٹے زمین پر بیٹھا ہے۔ آپ نے پوچھا مقام استاد تم ہی ہو؟ جواب دیا ہاں، لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔ شیخ نے کہا "استادی میں نامور کیسے ہوئے؟ اُس نے کہا راستبازی اور پاکبازی کی وجہ سے۔ اسی مقام پر کسی نے کہا ہے۔ رباعی

گرچہ بعمل زسر فرازان مائیم — وز علم زخلق بے نیازان مائیم
افگندۂ کعبتین بازان مائیم — خاکِ کفِ پائے پاکبازان مائیم

(اگرچہ اپنے عمل کی وجہ سے ہم سربلند ہوگئے اور علم کی وجہ سے خلق سے بے نیاز ہیں۔ لیکن اس میدان کے کھلاڑیوں کے سامنے سرافگندہ ہیں اور پاکبازوں کے تلووں کی خاک ہیں) اے بھائی مَنْ کَانَ اَضْعَفُ فَالرَّبُّ بِہٖ اَلْطَفُ (جو شخص جتنا کمزور اور ضعیف ہوتا ہے خدا اتنا ہی اُس پر زیادہ مہربان ہوتا ہے)۔ وہ تمام ربوں کا رب ضعیفوں اور کمزوروں کا کام اس طرح بنا دیتا ہے کہ مقربانِ درگاہ حیران رہ جاتے ہیں۔ ہزاروں مقرب اور مقدس ہستیاں رکوع اور سجود کے سمندر میں غوطے لگاتی ہیں اور کوئی اُن کی بات تک نہیں پوچھتا۔ اور یہاں ایک فقیر دبے تو اجب سو کر اُٹھتا ہے اور کہتا ہے ہائے بہت دیر تک سوتے رہے اور عمرِ عزیز ضائع کردی۔ تو وہ رب الارباب قرآن مجید میں آسمان والوں اور زمین والوں پر ان الفاظ میں ان کی تعریف کرتا ہے۔ تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (اُن کی پسلیاں اور پہلو ہر وقت زمین سے لگے ہوئے ہیں)۔ اور ایک حقیر کتا اُس کے دوستوں کے پیچھے چند قدم چلا تو اس کے پاؤں کی خاک مقربانِ بارگاہ کی آنکھوں کے لیے سرمہ بنا دی گئی اور قرآن مجید میں قیامت تک اُس کو یہ خطاب مرحمت ہوا وَکَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ (اور ان کا کتا ہاتھ پاؤں پھیلائے ان کی چوکھٹ پر پڑا ہے) والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچاسیواں مکتوب ۸۵

نفس کو جدا کرنے کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ خوش بختانِ طریقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اَوَّلُ دَرَجَۃِ الْعَبْدِ فِی الْمَعْرِفَۃِ ھَجْرُ اَنَّہٗ لِنَفْسِہٖ (پہلا درجہ معرفت میں بندے کا اپنے نفس سے دُور ہو جانا ہے)۔ یعنی خدائے عزوجل کی پہچان اپنی ذات سے بیزاری ہے۔ جب تک اپنے سے بیزاری کو نہ پہچانو گے خدا کی آشنائی کا مرتبہ نہ پاؤ گے۔ تمام لوگوں کی نظر اپنے اوپر اس لیے پڑتی ہے کہ خود ان کا وجود معرفت کے راستے میں رکاوٹ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردانِ راہِ حق سارا غصہ اپنے اوپر اتارتے ہیں اور جو تلوار اٹھاتے ہیں اپنے اوپر اٹھاتے ہیں۔

Marfat.com

تاکہ اس کم بخت اٹکاؤ کو دور کردیں اور دل بارگاہِ معرفت تک پہنچ سکے یا راہِ طلب میں خاکستر ہوجائے۔ مثنوی۔

زہے عزت کہ چندان بے نیازی است | کہ چندین عقل وجان آنجا بیازی است
زہے غیرت کہ گر بر عالم افتد | بیک ساعت دو عالم برہم افتد
زہے رحمت کہ گر یک ذرہ ابلیس | بیابد گوے بربایدز ادریس

(اللہ اللہ رب العزۃ کی شانِ بے نیازی کا کیا کہنا کہ جہاں بے شمار عقلیں اور جانیں کھیل بن کررہ گئی ہیں۔ اسکی غیرت بھی کیا خوب ہے کہ اگر اس کا ایک شمہ عالم پر پڑجائے تو دونوں جہان نیست و نابود ہوجائیں۔ اور اسکی رحمت وہ ہے کہ اگر اس کا ایک ذرہ بھی ابلیس کو مل جائے تو وہ حضرت ادریس علیہ السلام سے بھی بازی لے جائے۔ اَلْمَعْرِفَةُ اَلْفَوْزُ بِالْقُدُسِ وَالْفَلَاحُ بِالْاُنْسِ (معرفت بارگاہِ قدس میں کامیابی اور محبت میں فلاح ونجات ہے)۔ اتنی بڑی دولت ایسی بدبخت رکاوٹ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اَلضِّدَّانِ لَایَجْتَمِعَانِ (دوضد ایک جگہ جمع نہیں ہوتے)۔ یہ آب وگِل کا کام نہیں ہے۔ اور نہ عالم کون وفساد کی دولت ہے۔ یہ ازلی نعمت اور ابدی صفات کی بارگاہ ہے۔ اگر تمام مخلوقات سرکشی پر اتر آئیں تو اس کے آستانے کو ذلت کی گرد تک نہ پہنچے گی۔ اور اگر تمام سرکش صدیق وصالح بن جائیں تو اس کے دربار کا استغنا کچھ زیادہ نہ ہوجائے گا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے۔

زہے ساحت کہ گر عالم نہ بودے | بہر موے ازاںجا کم نہ بودے
زہے وحدت کہ موے در نہ گنجد | دران وحدت جہان موے نہ سنجد
زہے حیرت کہ جان راہست بر تو | کنون عاجز شد و دل بست بر تو

(اللہ اکبر! کتنی بڑی وسعت ہے کہ اگر یہ سارا عالم نہ ہوتا تو اس کی بارگاہ میں ایک بال بھر کمی نہ ہوتی۔ وحدت بھی کیسی کہ ایک بال کی بھی سمائی نہیں۔ اس کی وحدت میں یہ جہان بال کے برابر بھی نہیں ہے۔ اللہ اللہ! جان کو تیری معرفت میں کس درجہ حیرت ہے کہ آخر عاجز ہوگئی اور اور تجھ سے دل کو وابستہ کرلیا)۔ یہ تو کسی جوہرِ یگانہ ویکتا ہی کا کام ہے نہ اس آب وخاک کا۔ نہ عابدوں اور زاہدوں کا، بلکہ یہ ننگے بھوکوں اور دکھیاروں کا کام ہے۔ جن کی زبانوں

Marfat.com

یہی وظیفہ رہتا ہے۔ قطعہ

قلندری و خراباتی از پئے تو شدم — حدیثِ عشق تو دیدم کہ پارسائی نیست

چنین کہ از دِرِ ہمت گدائے کوئے تو شد — کہ ہیچ سلطنتے خوشتر از گدائی نیست

(تیرے لیے ہم ملامتی اور خراباتی بن بیٹھے کیونکہ تیرے عشق و محبت کی گفتگو کو پارسائی سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم اسی لیے ہمت سے کام لے کر تیری گلی کے فقیر بن گئے ہیں کہ کوئی بادشاہت تیری فقیری سے بہتر نہیں ہے) قطعہ

در راہِ تو بمیرم ارچہ ترا نہ بینم — بارے خلاص یابم از ننگِ زندگانی

زانجا کہ رفتہٴ تو نفرستی از سلامے — بر دست باد بارے از خاکِ رہ نشانی

(مانا کہ میں تجھے نہ دیکھ سکوں گا لیکن تیرے راستے میں مر تو جاؤں گا اور آخر اس بے غیرتی کی زندگی سے نجات پاؤں گا۔ اے محبوب تو جہاں گیا ہے وہاں سے کوئی سلام بھی نہ بھیجا۔ کاش ہمارے ہاتھوں میں نشانی کے طور پر تیرے راستے کی خاک ہی رہ جائے) جیسا کہ حضرت سلطان العارفین قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا ہے وَجَدْتُّ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةَ بِبَطْنٍ جَائِعٍ وَبِبَدَنٍ عَارٍ۔ (میں نے بھوکوں پیٹ اور ننگے بدن رہ کر یہ معرفت حاصل کی ہے)۔ فاقہ مستی اور عریانی بارگاہ آشنائی کی کنجی ہے۔ بس یہی صفات حاصل کرو کیونکہ یہی عزیز اور دروازہٴ معرفت کی کلید ہیں۔ اور آپ ہی یہ فرماتے ہیں۔ اَلْمَحْجُوْبُوْنَ عَنِ اللّٰهِ ثَلٰثَةٌ اَلزَّاهِدُوْنَ بِزُهْدِهِمْ وَالْعَابِدُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَالْعُلَمَاءُ بِعِلْمِهِمْ (تین گروہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں مبتلا ہیں۔ زاہد اپنے زہد کے حجاب میں، عابد اپنی عبادت کے حجاب میں اور عالم اپنے علم کے حجاب میں)۔ یہ کلام ایک سمندر ہے کہ اس کے عجائب و غرائب کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ اگر تمہارے دل میں ذرہ برابر بھی یہ خیال باقی ہے کہ دنیا میں مجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے تو تم متکبر کہلاؤ گے۔ دیکھو، خبردار کبھی دعوے کی ٹوپی سر پر نہ رکھنا، ورنہ دُور پھینک دیے جاؤ گے اور غرور پر کمر بستہ رہو گے۔ یاد رکھو معرفت کی گفتگو کرنا متکبروں کا کام نہیں ہے۔ مَادَامَ الْعَبْدُ يَظُنُّ اَنَّ فِيْ جَمِيْعِ الْخَلْقِ مَنْ هُوَ شَرٌّ مِنِّيْ فَهُوَ مُتَكَبِّرٌ۔ (بندہ جب تک یہ گمان کرتا ہے کہ تمام مخلوق میں کوئی مجھ سے بُرا بھی ہے تو وہ متکبر ہے اور حجاب میں پڑا ہوا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔ مثنوی

Marfat.com

چو علمت ہست با علمت عمل کن پس از علم و عمل اسرار حل کن

ترا با علمِ دین یک ذرّہ کردار بسے بہ زانکہ علم دین بہ خروار

بروکارے بکن کاین کار خام ست زعلم دین ترا حرفے تمام ست

(جب تجھے علم حاصل ہے تو اپنے علم پر عمل کر اور علم و عمل کے ذریعہ اسرار خداوندی حل کر لے۔ تیرے لیے علمِ دین کے ساتھ ایک ذرّہ کردار اس علم دین سے ہزار گونہ بہتر ہے جو گدھے کا بوجھ ہو۔ جا کوئی کام سرانجام دے۔ یہ جو کچھ تو کر رہا ہے خام کاری ہے۔ اگر تو صحیح عمل سے کام لے تو علمِ دین کا ایک حرف تیرے لیے کافی ہے)۔ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہُ العزیز کی خدمت میں گیا دیکھا کہ وہ ایک چمڑا سر سے لپیٹے اور سیاہ پرانی رسّی سے باندھے تکبیر کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ "اے برہان الموحدین کیا ملک میں کوئی سانحہ پیش آیا ہے جو آپ تکبیر کہہ رہے ہیں؟" اُنھوں نے کہا "اے یحییٰ، اگر تم یہ راز جاننا چاہتے ہو تو رُوم چلے جاؤ۔ جب میں روم میں پہنچا تو ایک بڑا حصار دیکھا جہاں لوگوں کا ہجوم تھا اور دشمنانِ دین کی جلی بھنی بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ" اس شہر کے رہنے والوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی۔ قریب تھا کہ لشکرِ اسلام کو شکست ہو جائے کہ اچانک بسطام کی طرف سے تکبیر کی آواز آئی اور اُس کے پیچھے ایک آگ ظاہر ہوئی اور اس حصار میں لگ گئی اور یہ سب جل کر راکھ ہو گئے"۔ پھر میں واپس بسطام آیا اور حضرت بایزید کو دیکھا کہ آپ پاؤں کی دو انگلیوں پر بیٹھے ہیں اور حیرانی اور درد کے ساتھ مناجات کر رہے ہیں۔ نمازِ عشا تک اُن کا یہی حال تھا۔ جب فارغ ہوئے تو میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ "اے یحییٰ، بارگاہِ ربوبیت میں تیس ہزار مقامات پر میرا گذر ہوا ہے اور میں نے ہر مقام پر حضرت رب العزۃ سے مناجات کی ہے۔ آخر مجھ سے پوچھا گیا۔ اے بایزید تیری مراد کیا ہے؟ میں نے کہا اُرِیْدُ اَنْ لَّا اُرِیْدُ (میری مراد یہ ہے کہ میری کوئی مراد نہ ہو)۔ میری مراد بے مرادی ہے، اور میرا چاہنا کچھ نہ چاہنا ہے

زبان بگداخت بنامت ہنوز سیری نیست دریغ عاشقِ مسکین کہ یک زبان دارد

(تیرا نام رٹتے رٹتے زبان گھس گئی لیکن سیری نہ ہوئی۔ افسوس کہ اس غریب عاشق کے منہ میں ایک ہی زبان ہے)۔ حضرت یحییٰ نے کہا۔ "آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ اپنی معرفت مجھے

عنایت فرما"۔ انھوں نے کہا " اَعَاذُ عَلَیْہِ اَنْ اَکُوْنَ ذٰلِکَ۔ (مجھ کو غیرت اجازت نہیں دیتی کہ معرفت میں غور و فکر کروں) اور یہ کس قدر بری بات ہے کہ قدیم کی صفت حادث کی صفت سے مل جائے۔ اس جگہ لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت بایزید نے اَعَاذُ عَلَیْہِ کہہ کر حضرت یحیٰی کا راستہ روک دیا تاکہ وہ اُن کے پیچھے نہ لگ جائیں۔ ان بزرگوں کا یہی طریقہ ہے کہ اپنی روش ظاہر نہیں کرتے تاکہ راہروؤں کی غیرت و زحمت سے محفوظ رہیں۔ ؎

تو گر با حق بہ شب در راز گوئی ۔۔۔۔ دگر روز آن بہ فخر و ناز گوئی
ریا و عُجب کوہِ آتشین ہست ۔۔۔۔ ہمی دانی کہ کوہِ دوزخ این ہست

(اگر تو ساری رات اللہ تعالےٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہا اور دوسرے دن فخر و ناز کے ساتھ لوگوں سے کہتا پھرا تو یقیناً یہی ریا و عُجب کا آتشیں پہاڑ ہے۔ تو نہیں جانتا کہ دوزخ کا آتشیں پہاڑ یہی ہے) پیروں میں سے ایک پیر فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آنسو روتا رہا، دس سال خون اور دس سال پیپ رویا گیا۔ اب دس برس سے برابر ہنس رہا ہوں۔ اُس پیر نے اس طرح راستہ گم کر دیا تھا۔ اور اپنے دین کی حسرت و غم میں روتا تھا۔ اور نادان لوگ اس پر عشق کا الزام رکھتے تھے۔ ؎

از پئے عشق ہمہ طعنہ زنان بیخبراند ۔۔۔۔ اے مسلمان ہمہ فریاد ازین بیخبران

(عشق کا طعنہ دینے والے سب بے خبر ہیں۔ اے مسلمانو میں ان بے خبروں سے عاجز ہوں اور فریاد کرتا ہوں) معرفت و حقیقت کی گفتگو میں لوگوں کو سخت مغالطہ ہوا ہے۔ ان میں اکثر وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے۔ کیونکہ تمام جاننے والوں کا جاننا یہ ہے کہ ان کو اپنے نہ جاننے کا علم ہو جائے۔ اور تمام پہچاننے والوں کی انتہا یہ ہے کہ وہ پہچان لیں کہ اُس کو نہیں پہچان سکتے۔ جمالِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مرتبے کی قسم کہ ہم نے جو کچھ جانا ہے اس سے توبہ کرتے ہیں۔ ؎

جہان از تو پُر و تو در جہان نے ۔۔۔۔ ہمہ در تو گم و تو در میان نے
جہان پُر نام تو و ز تو نشان نے ۔۔۔۔ شدہ بینندہ عقل و تو عیان نے
جہانِ عقل و جان حیران بماندہ ۔۔۔۔ تو در پردہ چنان پنہان بماندہ
زعجزِ خویش می گوئیم اے پاک ۔۔۔۔ توئی معروف و عارف ما عرفناک

Marfat.com

(تجھ سے سارا جہان بھرا ہوا ہے مگر تو جہان میں نہیں۔ تجھ میں سب گم ہیں مگر تو بیچ میں نہیں ہے تیرے نام سے سارا عالم پُر ہے لیکن تیرا کہیں نشان نہیں عقلیں دیکھنے والی ہیں لیکن تو ظاہر نہیں ہوتا۔ جان و عقل کا سارا جہان متحیر ہو گیا ہے کہ تو پردے میں کیسا چھپ گیا۔ اے پاک ذات ہم اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو ہی معروف ہے اور تو ہی عارف ہم نے تجھے نہیں پہچانا)۔ اے بھائی بڑے تعجب کی بات ہے کہ تمام دلیریاں اور بہادریاں جب معرفت کے کوچے میں پہنچتی ہیں تو بربادِ عشق ہو جاتی ہیں۔ اور تمام علوم کے سمندر جب قدرت کی موج تک پہنچتے ہیں تو قطرہ بن جاتے ہیں۔ تمام عزتیں اور شرافتیں جو طلب کا ارادہ کرتی ہیں سراسر ذلت بن جاتی ہیں۔ اور تمام دعوے جو اُس کی پاکیٔ کلام تک پہنچتے ہیں شکست خوردہ ہو جاتے ہیں۔ اگر مخلوق کی عاجزی کی تمہید مقصود نہ ہوتی تو کون کہتا مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (اللہ کی قدرِ معرفت کا حق کسی نے ادا نہیں کیا) سارے جہان کے خداشناسوں کو جنازے پر رکھتے ہیں تب کسی ایک آشنا کو چنتے ہیں۔ یہ وہی راز ہے جسے خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں کہ "میرے ساتھ ہزاروں مریدانِ صادق کو صدق کے راستے میں پھانسی دے کر مقامِ معرفت کے قریب قہر کے دریا میں ڈبو دیا جب کہیں جا کر ہم ارادت کے آسمان پر سورج بن کر چمکے ہیں"۔ اور خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا "آپ مرنے سے پہلے کیا چاہتے ہیں؟" آپ نے کہا اُرِیْدُ اَنْ اَعْرِفَہٗ قَبْلَ مَوْتِیْ بِلَحْظَۃٍ (میری تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے دم بھر کیلئے اس کی معرفت کی دولت مجھے نصیب ہو جائے)۔ کسی دل جلے نے کہا ہے ؎

چون می کشی رہا کن تا پائے تو ببوسم
بارے بہ سینۂ من این آرزو نماند

(جب تو مجھے مار ڈالنا ہی چاہتا ہے تو ذرا مجھے آزاد کر دے تاکہ میں تیرے پاؤں چوم لوں تاکہ میرے دل میں یہ آرزو باقی نہ رہ جائے)۔ اسی جگہ لوگوں نے کہا ہے کہ سالکانِ طریقت جب دنیا سے سفر کرتے ہیں تو زیادہ تر اپنا دردِ جگر ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور ان باتوں کے غمگین کبھی اپنے ماتم کی بساط تہ نہیں کرتے۔ لوگ آتے ہیں اور جاتے ہیں آسمان والوں کو آسمان پر اور زمین والوں کو زمین پر پہنچاتے ہیں لیکن اس حسرت کے ماتمی لباس کو غمگینوں کے بدن سے نہیں اتارتے۔ جیسا کسی دردمند نے کہا ہے۔ قطعہ۔

در ہر دلے کہ در نہ رود دلبرے بسوز　　آتش بہ خانہ، کہ نہ شد مہمان درون
مُردم بر آستان و نہ رفتم درون کنون　　خاکم مگر کہ باد برد ز آستان درون

(جس دل میں دلبر ہی نہ آئے اُسے جلاڈال۔ اس گھر میں آگ لگ جانا ہی بہتر ہے جس میں مہمان نہ آئے۔ میں دروازے ہی پر مرگیا اور اندر نہ جاسکا۔ کاش ہوا ہی میری خاک کو اندر پہنچادے)۔
سفیان عیینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کَوْ یَبْکِی الْمَحْزُوْنُ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَرَحِمَ اللّٰہُ الْاُمَّۃَ بِبُکَائِہٖ (اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے کوئی شخص روتا ہے اضطرار کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ اُس کے رونے کی وجہ سے ساری امت پر رحمت فرماتا ہے۔
اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی مُوْسٰی بْنِ عِمْرَانَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَحْزُوْنٌ مِنْ اُمَّۃِ اَحْمَدَ یَقُوْلُ یَا رَبِّ اَقُوْلُ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ (اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ امتِ احمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی غمگین جب "یارب" کہتا ہے تو ہم "لبیک لبیک" کہتے ہیں)، ہر زمانے میں صاحب غم واندوہ ایک ہی شخص ہوتا ہے اور دوسرے اُس کی پناہ میں زندگی گزارتے ہیں خواجہ وکیع بن جراح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کَمَّا مَاتَ الْفُضَیْلُ ذَھَبَ الْحُزْنُ مِنَ الْاَرْضِ (جب فضیل [ابراہیم ادہم] نے انتقال کیا تو دنیا سے حزن جاتا رہا) اپنے زمانے میں غم و اندوہ کی سلطنت کے فرماں روا خواجہ فضیل ہی تھے جب وہ نہ رہے تو گویا غم بھی دنیا سے رخصت ہوگیا۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم کے کلمات میں ہے۔ صَاحِبُ الْحُزْنِ یَقْطَعُ مِنَ الطَّرِیْقِ فِیْ شَھْرٍ مَالَا یَقْطَعُ مَنْ فَقَدَ حُزْنَہٗ بِسِنِیْنَ۔ (صاحب غم ایک مہینے میں اتنا راستہ طے کرتا ہے کہ غم سے عاری انسان برسوں میں طے نہیں کرسکتا)۔ دوسروں کو بڑے مجاہدے کی ضرورت ہے جب کہیں دین کے راستے میں ایک قدم بڑھا سکتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اس پر بھی نہ بڑھا سکیں۔ لیکن وہ شخص جو غم واندوہ کی باتوں میں ڈوبا ہوا ہے، پہلا قدم اس کا بساطِ صدق پر ہوتا ہے اور پیمانہ محبت کا پہلا جام اسی کو ملتا ہے۔ ؎

من بہ گرمائے قیامت خونِ تو ہم بریادِ دو　　جوئے شیر آن انما کو تشنۂ کوثر بود

(میں تو قیامت کی گرمی میں محبوب کو یاد کرتا اور خونِ جگر پیتا ہوں۔ یہ دودھ کی نہر اس کو دکھلا جو کوثر کا پیاسا ہو)۔ اسی راز کے معنی میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فتوےٰ ہے:

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ کُلَّ قَلْبٍ حَزِیْنٍ۔ (ہر ایک غمگین دل والے کو اللہ دوست رکھتا ہے)۔ توریت میں ہے اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا نَصَبَ فِیْ قَلْبِہٖ نَائِحَۃً وَاِذَا اَبْغَضَ اللّٰہُ عَبْدًا نَصَبَ فِیْ قَلْبِہٖ مِزْمَارًا (جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کے دل میں حزن وملال ڈال دیتا ہے اور جس بندے سے غصہ اور عداوت کرتا ہے اس کے دل میں طرب خوشی پیدا کر دیتا ہے)۔ خداوند تعالیٰ جب مخلوق پر احسان کرتا ہے تو یہ احسان کرتا ہے کہ اپنے دوستوں کے دلوں کو بغیر گریہ وزاری کے نہیں چھوڑتا۔ اور اپنے دشمنوں کو طرب وخوشی سے خالی نہیں رکھتا۔ کسی کے دل میں اتنا رنج وغم نہیں تھا جتنا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک میں تھا۔ وَکَیْفَ یَتَلَذَّذُ مَنْ یَتَجَدَّدُ عَلَیْہِ الْمَصَائِبُ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ (جس کو ہر لحظہ نئی مصیبت غیب سے پہنچتی ہو وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے) قطعہ

تو اے پسر کہ ازین سو سواری گذری مرا بکش چو برائے شکاری گذری
تو مستِ خوابِ چہ دانی کہ تا چہ می گذرد دران دلے کہ بہ شبہائے تاری گذری

(اے لڑکے تو سوار ہو کر اس طرف سے گزرتا ہے۔ اگر شکار کے لیے جاتا ہے تو مجھے قتل کر۔ تو مستِ خواب کیا جانے کہ جس دل میں تو تاریک راتوں میں گزرتا ہے اُس پر کیا مصیبت لوٹتی ہے)۔ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر خواجہ سری سقطی قدس اللہ سرہُ العزیز کو نزع کی حالت میں پنکھا جھل رہے تھے۔ آپ نے آنکھ کھول کر دیکھا اور کہا۔ کَیْفَ یَسْتَلِذُّ بِنَسِیْمِ الْمِرْوَحَۃِ مَنْ فِیْ نَفْسِہٖ کَبِدٌ یَحْتَرِقُ (اس آدمی کو پنکھے کی ہوا سے کیا راحت مل سکتی ہے جس کے سینے میں اس کا کلیجہ پھُنک رہا ہو)۔ اے فرزند تو مجھے پنکھا جھل رہا ہے اور میرے جگر میں آگ لگا کر جلا رہے ہیں۔ اور ایسی آگ کہ اگر اس کا ایک شرارہ پہاڑ پر پہنچ جائے تو وہ راکھ ہو جائے یہ تیرے پنکھے کی ہوا کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ قطعہ

مرا این تشنگی از بہر آب دیگرست ارنے نمی بینی کہ در ہر دیدہ دریائے دگر دارم
طبیبا خویش را زحمت مدہ چون بہ نخواہم شد کہ من اندر سرِ شوریدہ سودائے دگر دارم

(میری یہ پیاس تو کسی دوسرے ہی پانی کے لیے ہے۔ نہیں تو کیا تم نہیں دیکھتے کہ میری دونوں آنکھوں کی آنسوؤں کا دریا بہہ رہا ہے۔ اے طبیبو میرے علاج کی زحمت گوارا نہ کرو میں اچھا نہ ہوں گا

کیونکہ میں اپنے سرِ شوریدہ میں ایک دوسرا ہی سودا رکھتا ہوں۔ اے بھائی! اب دل خوش رکھو اگرچہ گناہ بے حد بے حساب ہیں اور عبادت و بندگی کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو) کے فتویٰ نے تمام گناہگاروں کو اپنی پناہ میں گھیر لیا ہے۔ اور فرمان وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (اللہ کی بخشش اور کرم سے مایوس نہ ہو)۔ نے سارے مفلسوں کو اپنی رحمت کے سایے میں جگہ دے دی ہے۔ جب وہ بخشش کر ہی چکا ہے تو ناامید نہیں ہو سکتے اور جب وہ بخشش ہی کرنے والا ہے تو اُس سے مایوس نہیں ہو سکتے ہیں۔ اے بھائی جب وہ بخشنے ہی والا ہے تو اپنی رحمت سے گناہگاروں کی ناامیدی کیونکر جائز رکھے گا۔ اور جب وہ بخشنے والا ہے تو اپنے خزانۂ رحمت سے مفلسوں کو ناکام نہ چھوڑے گا۔

اے بھائی شکستہ دل نہ ہو۔ تم اس وقت کتنے ہی مفلس کیوں نہ ہو جب تمہارے رخسارِ وجود کو اس نے اپنے حسن کے زیور سے آراستہ کیا ہے اور خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ (حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کا تاج تمہارے سر پر رکھا۔ تو اس کا جمال تمہارا جمال اور اُس کا کمال تمہارا کمال ہے۔ اگر تم خرابات کی ہوا سے آلودہ ہو گئے تو جانتے ہو کہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کو قدس کے مصلے پر کیوں بٹھایا ہے۔ اس لیے کہ اپنے استغفار کے پانی سے ان دھبوں کو دھو ڈالیں۔ اور اگر کبھی خواہشات کے بازار میں گناہوں سے ملوث ہو جاؤ تو اس کا ازلی کرم اور ابدی مہربانی عالم میں پکار کر کہتی ہے فَاَیْنَ لِوَجْهٍ مَلِیْحٍ ذُنُوْبٌ لَسْتَ کَاَحَدٍ کُمْ (ایسے خوبصورت چہرے کے لیے گناہ کا دھبہ کہاں ہے۔ تم جیسا تو کوئی نہیں ہے)۔ اسی معنی کا راز ہے کہ ایک دن سلطان محمود غازی رحمۃ اللہ علیہ نے انصاف کی غرض سے اپنے لشکر میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ "جس کسی سے کوئی بے ادبی سرزد ہوگی، ہم اُسے قانوناً گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دیں گے"۔ لیکن اس کے بعد ہی عنایت و مہربانی کا وقت آیا اور منادی کو واپس بلا کر حکم دیا کہ یہ بھی اعلان کرنا کہ ہمارا دست ایاز اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ ہماری محبت میں بے خود ہے اور ہماری پناہ میں ہے۔ اگرچہ غلام کی صورت میں ہے لیکن بادشاہ۔

قطعہ

اے کردہ مونسیت بہ احسان گناہ ما	پس کردہ از سرادقِ غرت پناہِ ما
ایمن شود ز عدلِ تو جانہا اگر شود	در موعدِ قضائے تو حکمت گواہِ ما

Marfat.com

(اے وہ ذات جس نے اپنے احسان سے ہمارے گناہ مٹا دیے اور عزت کے خیموں میں ہمیں پناہ دی۔ اگر ہماری جانیں تیری قضا کی گرفت میں آ بھی جائیں تو تیرے عدل سے محفوظ رہیں گی۔ تیری حکمت و رحمت ہمارے اس دعوے کی گواہ ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چھیاسیواں مکتوب ۸۶

اپنے ساتھ موافقت کرنے کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین، اللہ تعالیٰ تمھیں طالبوں کی بزرگی کے ساتھ نوازے۔

سنو جس نے اپنے ساتھ موافقت کی اور اپنی خودی کو قبول کر لیا، وہ اگرچہ صورتاً زندہ ہے لیکن حقیقت میں مردہ ہے۔ اور جس کی زندگی خدا کے ساتھ ہے وہ اگرچہ صورتاً مردہ ہی کیوں نہ ہو حقیقتاً زندہ ہے۔ کیونکہ موت جسم کی موت اور عدم جسم کا عدم نہیں ہے۔ موت جس طرح صورت پر واقع ہوتی ہے اسی طرح معنی پر بھی واقع ہوتی ہے۔ مخلوق بشریت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور انبیا علیہم السلام ان کا ہاتھ پکڑ کے بشریت کے دریا سے باہر نکالتے ہیں تو یہ توحید کے دریا میں اس طرح غرق ہو جاتے ہیں کہ کوئی ان کا نشان بھی نہیں پاتا۔ اے بھائی، جب توحید کا سورج نکل آئے گا تو لامحالہ تمھاری ہستی کا چراغ خجلتِ عدم میں غائب ہو جائے گا۔ اور اس وقت تمھارا وجود ہوگا نہ ہونے کے برابر اور تمھارا عدم ہوگا موجود ہونے کی صورت میں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ عین آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی حیثیت نہیں۔ سارا فروغ آفتاب کا ہے۔

اب چونکہ چراغ کے وجود کا کوئی فائدہ (یعنی نور) ظاہر نہیں ہوتا اس لیے اس کا وجود عدم، اور ہونا نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ عدم اور وجود آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور کسی چیز کا ایک ہی وقت میں موجود اور معدوم ہونا محال ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ یہ تضاد عینِ ذات میں نہیں ہے بلکہ صفات میں ہے کیونکہ عین ذات میں تبدیلی ممکن نہیں البتہ صفات بدلتے رہتے ہیں اور خلقت نہیں بدلتی۔ جیسے آفتاب کی گرمی پانی کو گرم کر دیتی ہے تو پانی کی صفت بدل جاتی ہے لیکن پانی اپنی ذات میں نہیں بدلتا۔ پانی ویسا ہی موجود ہے، آفتاب کی تپش نے اس کے

صفات بدل دیے ہیں۔ اس میں اجتماعِ ضدین کا احتمال نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے دشمنان دین کی صفت میں فرمایا ہے اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ وَّمَا یَشْعُرُوْنَ (وہ مردہ ہیں زندہ نہیں، مگر وہ اس بات کو نہیں سمجھتے)۔ یعنی یہ بیگانے صورت کے اعتبار سے تو زندہ ہیں لیکن زندگی کے معنی کے اعتبار سے مردہ۔ کیونکہ زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ ذات اپنی زندگی سے خود فائدہ حاصل کرے مگر ان کو اپنی زندگی سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کل قیامت میں اپنی موت کی آرزو کریں گے۔ اور اپنے وجود کی مصیبت میں مبتلا رہیں گے۔ اور اپنے دوستوں کے حق میں فرمایا وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ (جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہو گئے اُن کو مردہ شمار نہ کرو، بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں)۔ یہ ایسے شخص کے لیے ہے جو اُس کے راستے میں اپنی جان ہتیلی پر رکھ کر موت سے بے نیاز چل کھڑا ہو اُس کے لیے عِنْدَ رَبِّہِمْ کی خصوصیت ہے۔ جو شخص اپنی جان کے ساتھ اس راستے میں اترتا ہے اسے بہشت میں رضوان کے سپرد کیا جاتا ہے کہ یہ تیرا مہمان ہے۔ اور جو شخص پہلے ہی بے جان ہو کر (یعنی اپنی خودی کو ترک کر کے) اس راستے میں اترتا ہے اور عشق کے پاؤں سے منزل طے کرتا ہے اُس کے لیے کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ (یعنی بغیر بہشت و رضوان کے خدا کا قرب حاصل کرتا ہے) یہی وہ گروہِ دوستاں ہے جو بغیر وجود کے موجود ہے۔ اور دشمن موجود ہیں مگر بغیر وجود کے موجود ہیں۔ اس کے لیے شرط یہی ہے کہ تم سارے عالم سے الگ تھلگ ہو جاؤ، اپنی خودی سے نکل آؤ، اور اپنے اوپر چار تکبیریں[1] پڑھ لو اور نفس کے کتے کو نکال باہر کرو۔ تاکہ تم کو دوست بنا کر مخلوق کے سامنے پیش کریں۔ جیسا اصحابِ کہف کے ساتھ کیا۔ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْہِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْہُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْہُمْ رُعْبًا۔ (اگر تو ان کے پاس جائے تو پیچھے بھاگ جائے اور تیرے اوپر ان کا رعب چھا جائے)۔ مُردوں کو تو سیاست میں گرفتار نہیں کیا جاتا۔ لیکن تو ان میں اتنی ہیبت رکھ دی کہ حضرت سلطان الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اگر تم اُن کو دیکھو تو اُن کی ہیبت سے واپس لوٹ آؤ۔ وہاں سے دھوپ بھی کترا کر گذرتی ہے اور ان کے کتے کی بھی رعایت ملحوظ رکھتی ہے جو دوستانِ خدا کی چوکھٹ پر سر رکھے سو رہا ہے۔ دیکھو ذرا، وہ آرام کی نیند سو رہے ہیں اور زمین و آسمان اور عالم ملکوت کے فرشتے ان کی خدمت و حفاظت کے لیے کمربستہ ہیں۔ جب اُن کو

---

[1] چار تکبیریں جیسے نمازِ جنازہ میں پڑھی جاتی ہیں۔

Marfat.com

اُن کی ہستی سے چھین لیا تو یہ مرتبہ عطا کیا کہ موجودات اور مخلوقات دنگ ہو کر رہ گئے۔ پس جو شخص اپنے آپ سے بھاگتا ہے اور خودی کو ترک کرتا ہے وہ خدا کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر یہی احسان کرتا ہے جیسا اصحابِ کہف کے ساتھ کیا۔ اگر تم بھی اسی طرح اُس کے دربار میں آجاؤ تو تمھارے ساتھ بھی یہی کرے گا جو ان کے ساتھ کیا۔ وہ مرید جو طالب ہے اُس کو حضرت عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام کی طرح ہونا چاہیے کہ اُن کو کسی جگہ قرار نہ تھا۔ ہمیشہ عالم کی سیاحت ہی کرتے رہے۔ لوگوں نے پوچھا "آپ اتنی ریاحت کیوں کرتے ہیں"؟ آپ نے کہا "شاید کسی صدیق نے اس جگہ پاؤں رکھا ہو اور اس جگہ کی خاک ہماری شفاعت کرے۔ اگر تمام صدیقوں کا درد ایک جگہ جمع کرو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درد کے برابر نہ ہوگا۔ اور اس راہ کی نیازمندی کو نہ پائے گا۔ اے بھائی، مدت ہوئی کہ یہ ندا کی جا چکی ہے خَزَائِنُنَا مَمْلُوْءٌ مِنَ الطَّاعَاتِ فَعَلَيْكَ بِذَرَّةٍ مِنَ الْاِفْتِقَارِ (ہمارے خزانے بندگی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر تجھ سے ہوسکے تو ذرّہ برابر نیاز حاصل کر) کہتے ہیں کہ نیاز ایک درخت ہے جو آدمؑ اور آدمیوں کے باغِ زندگی میں پیدا ہوا ہے۔ فرشتوں کو بڑا فخر تھا جو یہ کہا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (کیا تو اس کو اپنا خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کریں گے اور خونریزی کریں گے۔ ہم تو فقط تیری تسبیح حمد کے ساتھ کرتے ہیں)۔ اور آدمؑ کو عجز و نیاز تھا کہ اس نے کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (اے پروردگار ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا)۔ نقل ہے کہ ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کہیں جا رہے تھے ایک چیونٹی نے چیونٹیوں سے کہا اُدْخُلُوْا مَسَاكِنَكُمْ (اپنے بلوں میں چلی جاؤ)۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان پیغمبر علیہ السلام کی قوم تمھارے اوپر پاؤں رکھ دے اور تم ہلاک ہو جاؤ۔ سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سن لی اور ہوا کو حکم دیا کہ ہمارا تخت یہاں اتار دے کہ ایک نیازمندانہ آواز ہمارے کانوں میں آئی ہے۔ بزرگانِ طریقت میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام چالیس دن تک اس چیونٹی کے بل کے پاس بیٹھے رہے اور سب کو رخصت کر دیا اور کہا کہ مجھے اس چیونٹی سے ضروری کام ہے۔ اس وقت سلیمان علیہ السلام اپنے تمام کاموں سے فارغ تھے اور چیونٹی بھی فارغ تھی جب ایک فارغ اطمینان سے دوسرے فارغ کے پاس بیٹھا۔ آپس میں رنج و خوشی کی خوب خوب باتیں ہوئیں۔ انھوں نے اپنے کاموں کی قدر جانی کیونکہ وہ زندہ تھے۔ لیکن ہم لوگ تو مردہ ہیں۔ اور زندوں کا کام

Marfat.com

مردے انجام نہیں دے سکتے۔ اگر کسی کو ان باتوں سے تعجب ہو کہ چیونٹیاں تو مکلف نہیں اور ان کے ساتھ کوئی حساب اور سزا و جزا کا بکھیڑا نہیں ہے۔ ان کو ان باتوں سے کیا سروکار؟ ذرا ہُدہُد اور سلیمان علیہ السلام، اور کتے اور اصحابِ کہف پر نظر ڈالو جو فضول بکواس کرنے والوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کے لیے کافی ہیں۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ستاسیواں مکتوب ۸۷

قدموں کے فرق اور کفایت مہمات کی دعا میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین، معلوم ہو کہ دین کی راہ میں لوگوں کے قدموں کے درمیان بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ نیز ایک قدم سے دوسرے قدم تک، ایک سانس سے دوسری سانس تک اور ایک راز سے دوسرے راز تک اتنا فرق ہوتا ہے جتنا عرش سے تحت الثریٰ تک۔ اگرچہ اپنی خلقت اور صورت میں سب آدمی برابر ہیں۔ مگر شریعت کا فتویٰ یہ ہے اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ کَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ (آدمی کان ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں)۔ اگرچہ یہ ظاہر سب کانیں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں۔ لیکن اپنے معنی میں بڑا فرق رکھتی ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک کان سے سونا، ایک سے چاندی، ایک سے لوہا اور ایک سے جواہرات نکلتے ہیں۔ یہ جتنے لوگ ہیں اور جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں اور جو آیندہ ہوں گے سب ہی اسرارِ الٰہی کے صدف ہیں۔ ہر ایک جسم میں ایک راز ہے اور ہر قالب میں اللہ تعالیٰ کا حُسن ہے اور ہر دل میں دینی مشاہدات کی خواہش دارادہ ہے اور ہر جان میں خدا کی ایک شان ہے جس کو فرشتوں اور انسانوں کی عقلیں سمجھ نہیں سکتیں۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو ظاہر کیا ہے مثنوی۔

نبات و معدن و حیوان و افلاک	میانِ آب و باد و آتش و خاک
ہمہ در عشق می گردند از حال	چہ در وقت و چہ در ماہ و چہ در سال
اگر چشمِ دلت گردد برین باز	بر دن گیرد ز یک یک ذرّہ صد راز
ہمہ ذرّاتِ عالم را دریں کوئے	تہ بینید یک نفس جز در روش روئے

Marfat.com

سخن این ہست نورِ عقل و جان ہست کہ داند کین چہ اسرار پنہان ہست

(نباتات، معدنیات، حیوانات، آسمان، عناصر آب و آتش، خاک و باد، یہ سب کے سب ہر وقت، ہر مہینے، ہر سال اُس کے عشق میں گردش کرتے اور اپنی حالت بدلتے رہتے ہیں۔ اگر تمھارے دل کی آنکھیں ان پر کھل جائیں تو ہر ذرّے میں سیکڑوں راز پوشیدہ نظر آئیں۔ یہاں تمام ذراتِ عالم کو ہر وقت گردش اور روش میں دیکھتے ہیں۔ کون جانے ان میں کیا کیا راز پوشیدہ ہیں۔ یہی بات ہے جو عقل و جان کو روشنی بخشتی ہے) لیکن وہ لوگ جو آسمانِ ارادت کے آفتاب، درگاہِ حق کے مقبولِ ازلی اور مملکتِ اسلام کے سالار ہیں ان کے مرکبِ دولت کی گرد جس کے سر پر پڑ گئی وہ ہمیشہ کے لیے عزیز ہو گیا۔ اگر بتخانے میں پہنچ گئی تو بتخانہ مسجد بن گیا۔ قطعہ

دوش می گفتند پیرے در خرابات آمدہ ست آب چشمش با صراحی در مناجات آمدہ ست

مے عسل گردد بہ دستش بتکدہ مسجد شود یارب این مقبل چنین صاحب کرامات آمدہ است

(کل رات لوگ کہہ رہے تھے کہ میخانے میں ایک پیر آیا ہے جس کی آنکھوں کی چمک صراحی کے ساتھ مل کر مناجات کرتی ہے۔ اس کے ہاتھوں میں شراب شہد بن جاتی ہے اور اُس کے قدموں سے بتخانہ مسجد ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ یہ کیسا صاحب کرامات اور مقبول بندہ آیا ہوا ہے) ان کے حق میں پروردگارِ عالم کی یہی سنت جاری ہے کہ ان کو بولنے اور سننے کی زحمت نہیں ہوتی اور راہِ دین کی غیرت کی وجہ سے ان کے دل کا نقطہ سیاست میں قہر کی تلوار ہوتا ہے۔ اس لیے جس کا تعلق آفرینش سے ہے وہ ان کے دل کے دولت خانے سے باہر نہیں جا سکتا۔ اُن کو ازلی غیرت و عزت اپنی پناہ میں رکھتی ہے تاکہ اُن کے حسن و جمال کو نظرِ بد نہ لگ جائے۔ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ (اور تم دیکھتے ہو کہ وہ تمھاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر وہ کچھ نہیں دیکھتے) اسی بھید کے معنی ہیں کہ عالمِ حقیقت میں ان کو نزاعُ القبائل کہتے ہیں۔ حضرت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سنتِ نبوی کی قدر یہی لوگ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کے وارث اور قائم مقام ہونے کے لائق یہی لوگ ہیں۔ احکامِ شریعت بیان کرنا ایسے ہی صدیقوں کا کام ہے کہ فتوے صادر کریں۔ اور خدا اور بندوں کے درمیان ایسے ہی مقربانِ بارگاہ کے واسطے کی ضرورت ہے

Marfat.com

تاکہ خدا کا کلام سنائیں۔ وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَاۤ اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ (اور ہم نے ایک امت ایسی بھی پیدا کی ہے جو اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھاتی ہے۔ ان کی تربیت واجازت اَصۡحَابِیۡ كَالنُّجُوۡمِ بِاَيِّهِمۡ اقۡتَدَيۡتُمۡ اهۡتَدَيۡتُمۡ (میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم نے ان میں سے کسی کی بھی پیروی کی تو تم ہدایت پاؤ گے)۔ ثابت ہے۔ اور پیروں اور مریدوں کا یہی حال ہے ؎

آن راکہ دلیل رہ رخے چو مہ نیست
از خود بخود آمدن رہے کوتہ نیست

(جس کا رہنما کوئی چاند سی شکل والا نہیں ہے۔ خود بخود منزل پر پہنچ جانا بہت دشوار ہے اور رستہ بہت طویل ہو جاتا ہے)۔ اے بھائی، کیا کیا جائے۔ پردۂ غیب سے سب صدیق ہی نہیں نکلا کرتے اور مادرِ گیتی سے سب بادشاہ ہی پیدا نہیں ہوتے۔ ہزاروں پاک جانیں طلب کی بھٹی میں پگھلائی جاتی ہیں جب کسی بت کے سامنے سے کسی صدیق کو چن لیتے ہیں۔ اور حجرۂ عبادت کے ہزارہا اعتکاف کرنے والوں کو محراب طاعت سے باہر کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیتے ہیں، جب کہیں کسی میخوار خراباتی کی آنکھیں جلوۂ توحید سے آشنا ہوتی ہیں۔ لیکن ہم کو تم کو ان پاک لوگوں کی باتوں سے کیا سروکار؟ یہ دولت جو عطا کی گئی ہمارے تمہارے نصیب میں کہاں؟ ہمارا تمہارا درد تو وہ ہے جس کو خسرو رحمۃ اللہ علیہ والغفران نے یوں کہا ہے ؎

سگان درکوے تو شب گرد و خسرو را دران رہ نے
طفیل آن سگان بارے مرا ہم بار با لیستے

(راتوں کو تیری گلی میں کتے چکر لگاتے ہیں۔ لیکن خسرو کیلئے کوئی راہ نہیں۔ اپنی گلی کے کتوں کے صدقے میں کسی دن مجھے بھی آنے کی اجازت دے)۔ ایک دن حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو حضرت بایزید قدس سرہ کی تلاش میں بھیجا کہ جا کر ان کی خبر لائے۔ مرید جب بسطام پہنچا اور بایزیدؒ کے مکان پر آیا تو ان کو صحن مکان میں بیٹھا دیکھا۔ پہچان نہ سکا کہ یہی بایزید ہیں۔ آپ نے پوچھا "کیا چاہیے؟" اُس نے کہا "میں بایزید سے ملنا چاہتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا اَیۡنَ اَبُوۡ يَزِيۡدَ وَاَنَا فِیۡ طَلَبِ اَبُوۡ يَزِيۡدَ مُنۡذُ سِنِيۡنَ۔ (ابویزید کہاں ہے؟ میں خود ابویزید کو سالہا سال سے تلاش کر رہا ہوں)۔ تم کس بایزید کو چاہتے ہو؟ میں ابویزید کے عشق میں برسوں سے مبتلا ہوں۔ ابھی تک میں نے اس کو نہیں پایا"۔ مرید نے اپنے دل میں سوچا یہ دیوانہ ہے اور کچھ نہیں جانتا کہ کیا کہتا ہے۔ آخر مصر میں واپس آیا اور حضرت ذوالنون سے سارا ماجرا کہہ سنایا

Marfat.com

آپ یہ سن کر رونے لگے اور بولے اَخِیْ اَبَا یَزِیْدُ قَدْ ذَھَبَ فِی الذَّاھِبِیْنَ اِلَی اللّٰہِ میرا بھائی بایزید مشتاقوں کے قافلے کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے عالم میں پہنچ گیا۔ اور مجھے یہاں اکیلا چھوڑ دیا۔ یہ اُن مردانِ خدا کی باتیں ہیں جن کو اس دنیا میں لائے اور پھر واپس لے گئے۔ لیکن نہ ان کو یہاں آنے کی خبر ہوئی نہ یہاں سے جانا معلوم ہوا۔ شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ نے کہا کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں ہوشیار آئے اور مست ہو کر یہاں سے گئے۔ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ مست ہی آئے اور مست ہی گئے۔ ان لوگوں کا کیا کہنا۔ لَوْ سُئِلَا مَا عَلِمَا ذٰلِکَ اگر ان دونوں جنید و شبلی رحمۃ اللہ علیہما سے قیامت کے دن پوچھا جائے کہ کیونکر آئے اور کیونکر گئے؟ تو ان کو نہ اپنے آنے کی خبر ہے نہ جانے کی۔ اسی وقت ایک فرشتہ غیب نے ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو ندا کی صَدَقْتَ لَوْ سُئِلَا مَا عَلِمَا ذٰلِکَ۔ اے شیخ آپ نے سچ فرمایا اگر ان سے پوچھا جائے تو یہ خود نہیں جانتے۔ سچ ہے جو شخص صرف خدا ہی کو جانتا ہے اُسے دوسری چیزوں کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ رباعی

عشاقِ تو از الست مست آمدہ اند　　سرمست زبادۂ الست آمدہ اند
مے نوشند و پندِ مے می نیوشند　　کایشان ز ازل بادہ پرست آمدہ اند

(تیرے عشاق روزِ الست ہی سے مست آئے ہیں۔ یہ شرابِ الست سے مخمور ہو کر آئے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور شراب کی نصیحت نہیں سنتے۔ کیونکہ ازل سے شرابی بن کر آئے ہیں)۔ اب ان ایمان والے صدیقوں کا حال سنو۔ اور اپنی ناقص عقل سے ان کے متعلق رائے زنی نہ کرو۔ کیونکہ یہ وہ بزرگانِ دین ہیں کہ دنیا کا نظم و نسق انھیں کے قدموں کے نیچے ہے اور دین کا استحکام ان کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ مغربی اور مشرقی دنیا ان کے حکم و فرمان کے تابع ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ہلالؓ کو (جو حضرت مغیرہ کے غلام تھے)۔ دیکھتے تو تپاک کے ساتھ تشریف لاتے اور کہتے کہ میرے لیے دعا کرو۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے اور آپؐ آمین فرماتے۔ ایک دن صبح کے وقت آپؐ تشریف فرما تھے، اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ قُوْمُوْا بِنَا اِلَیْہِ۔ آؤ اٹھو، اس وقت کائنات کو ہلالؓ کی مصیبت کی پوشاک پہنائی گئی ہے۔ سب لوگ روانہ ہوئے اور حضرت مغیرہؓ کے گھر پہنچے۔ حضرت مغیرہؓ کو خبر نہ تھی کہ حضرت ہلالؓ کو

Marfat.com

فرمانِ قضا پہنچ چکا ہے۔ اس لیے کہ ان کے گھر میں ہلالؓ سے زیادہ اور کوئی حقیر و ذلیل نہ تھا۔ اور گھر کے لوگوں کو اُن کی زندگی اور موت کی کچھ خبر نہ تھی جب مغیرہؓ باہر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن صدیقوں کے ساتھ کھڑے دیکھا تو پاؤں پر گر پڑے اور آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا۔ حضورؐ نے فرمایا مَاحَدَثَ فِی دَارِكَ (آج تمھارے گھر میں کیا حادثہ ہوگیا ہے؟) اُنھوں نے کہا مَاحَدَثَ فِی دَارِی اِلَّاخَیْرُ یَارَسُوْلُ اللّٰہِ (یارسولؐ اللہ میرے گھر میں کوئی واقعہ نہیں ہوا سب خیریت ہے) پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرے گھر کے لوگوں میں سے ایک عزیز ترین ہستی نے انتقال کیا، اور تجھے اس کی خبر نہیں۔ حضرت مغیرہ کو سخت تعجب ہوا اور کہا یارسول اللہ ہمیں کبھی ایسا گمان بھی نہ ہوا کہ ہلال رضی اللہ عنہ کا اتنا بڑا مرتبہ ہوگا۔ تعجب کی بات ہے کہ سات آسمانوں میں ہلالؓ کی عظمت کا یہ مرتبہ کہ سعادت و نیک بختی کا تاج اُن کے سر پر رکھا جاتا ہے اور زمین میں سوائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی اُن کو نہیں پہچانتا۔ اس سے اندازہ کرو کہ یہ بے تاب بے چین لوگوں کی باتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کام میں مشہور ہوگیا تو اُس کی فلاح سے ہاتھ دھو ڈالنا چاہیئے کیونکہ شَرُّ النَّاسِ مَنْ لِیُشَارُ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ (جسے انگلی سے اشارہ کیا جائے وہ اچھا آدمی نہیں ہے)۔ جو مخلوق میں انگشت نما ہو وہ ان باتوں کے کہنے کے لائق نہیں ہے۔ اگر بادشاہ کا طریقہ مخلوق کے ایمان کے لیے ضروری نہ ہوتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام "اَنَا ابْنُ اِمْرَأَۃٍ مِنْ قُرَیْشٍ کَانَتْ تَاکُلُ الْقَدِیْدَ (میں اس خاتون کا فرزند ہوں جو سکھایا ہوا گوشت کھاتی تھیں) سے، اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (میں بنی آدم کا سردار ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں ہے) کے مقام پر تشریف نہ لاتے۔ بادشاہِ حقیقی کی سنّت یہی ہے کہ جب کسی کے سینے میں اسرار کی بساط بچھاتے ہیں تو رسم و رواج کے شیدائیوں کی آنکھوں میں سلائی پھیر دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ جنھوں نے بشریت کی ناپاکی سے اپنا منہ نہیں دھولیا ہے وہ اُسے نہ دیکھ سکیں حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے تھے کہ ہلالؓ کی شخصیت کیا ہے کیونکہ ان کے مراتب کا سرچشمہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مبارک تھی جب تک حضرت ہلالؓ کا وصال نہ ہوا کسی کو ان کے حال کی خبر نہ ہوئی اور نہ حضورؐ نے کبھی برظاہر فرمایا۔ کیونکہ پردہ دری کرنا حضور کا شیوہ نہ تھا۔ یقیناً کوئی منزل و مقام

Marfat.com

گوشہ نشینی وگمنامی سے بڑھ کر آراستہ اور سلامت نہیں ہے۔ حضرت ہلالؓ تو اس درجہ بے نام ونمود اور غیر معروف تھے کہ خود اس گھر کے مالک کو معلوم نہ ہو سکا۔ پھر حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یَا مُغِیْرَۃُ اَیْنَ مَکَانُہُ الَّذِیْ یَکُوْنُ فِیْہِ (اے مغیرہؓ جگہ کہاں ہے جہاں وہ رہتے تھے)، ہمیں وہاں لے چلو؛ حضرت مغیرہ آپؐ کو چوپایوں کے طویلے میں لے گئے جہاں آپؐ نے ہلال رضی اللہ عنہ کو چوپایوں کے پاؤں کے نیچے پڑے ہوے دیکھا اور آپ کی روح پرواز کر چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لائے اور ان کے سر مبارک کو اُٹھا کر اپنے زانوے مبارک پر رکھ لیا وَاغْرَوْرَقَتْ عَیْنَاہُ (اور آپ کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں اور فرمایا" اے ہلال، بظاہر تم اس فرشِ خاک پر پڑے ہوئے ہو مگر تمھاری حقیقت کا جوہر دربارِ خداوندی میں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی اور کی تعزیت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غمگین نہ دیکھا تھا۔ اور اپنے کو اس روز سے زیادہ حسرت زدہ نہ پایا تھا۔ اسوقت تمام صدیقوں اور سردارانِ قریش کی یہ تمنا تھی کہ کاش ہماری جانیں خاک ہو جاتیں اور حضرتِ ہلالؓ اُس پر اپنا قدم رکھتے۔ یا ہماری کھالوں سے حضرت ہلال کی جوتیاں بنادی جاتیں۔ آخر میں حضرتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ لِلّٰہِ فِیْ کُلِّ زَمَانٍ سَبْعَۃَ اَعْبُدٍ بِھِمْ یُنْصَرُوْنَ وَبِھِمْ یُمْطَرُوْنَ وَبِھِمْ یُرْزَقُوْنَ لَنْ یَّنَالُوْا بِکَثْرَۃِ صَلٰوۃٍ وَلَا بِصَوْمٍ وَلَا بِصَدَقَۃٍ وَاِنَّمَا نَالُوْا بِسَلَامَۃِ الْقُلُوْبِ وَسَخَاوَۃِ الْاَنْفُسِ وَکَانَ ھِلَالٌ مِنْ اَفْضَلِھِمْ (ہر زمانے میں خدا کے سات بندے ہوتے ہیں کہ ان کی دعاؤں سے مخلوق کی مدد کی جاتی ہے۔ ان کے طفیل آسمان سے بارش ہوتی ہے۔ انھیں کی برکتوں سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔ اور یہ مرتبہ انھیں نماز روزے کی کثرت اور زیادہ صدقہ دینے کی وجہ سے نہیں بلکہ دل کی سلامتی اور نفس کی سخاوت کی وجہ سے ملتا ہے۔ اور حضرت ہلالؓ ان سے افضل تھے) پھر فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَاَلّٰی عَلَی اللّٰہِ بِزَوَالِ الدُّنْیَا لَاَزَالَھَا مِنْ مَکَانِھَا (اور اس خداے پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر یہ ہلالؓ خدا کو قسم دیتے کہ دنیا کو نیست ونابود کر دے تو دنیا اپنی جگہ پر معدوم ہو جاتی)۔ جو منکر بدبخت ہے اس سے کہو کہ ملتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے۔ اگر تم ان کے دین کی پیروی کرتے ہو تو اس پر ایمان لاؤ۔ ورنہ

اسلام کا عہد نامہ واپس کر دو۔

اگر کسی کو کوئی مشکل پیش آجائے اور اُس کے حل کرنے کی کوئی تدبیر نہ ہو تو نہایت خلوصِ دل سے یہ دعا پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِصِدْقِ اَبِیْ بَکْرٍ وَخِلَافَتِہٖ وَبِعَدْلِ عُمَرَ وَصَلَابَتِہٖ وَبِحَیَاءِ عُثْمَانَ وَسَخَاوَتِہٖ وَبِعِلْمِ عَلِیٍّ وَشُجَاعَتِہٖ وَبِسَخَاوَتِ الْحَسَنِ وَرُتْبَتِہٖ وَبِشَهَادَةِ الْحُسَیْنِ وَغُرْبَتِہٖ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْ یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھاسیواں مکتوب ۸۸

غفلت کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ ہر مذہب و ملت میں غفلت بُری چیز ہے۔ بندہ جب تک غافل نہیں ہوتا گناہوں میں مبتلا نہیں ہوتا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اہلِ غفلت کی زندگی ایک تاوان ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص بہ نیتِ گناہ زمین پر قدم رکھتا ہے تو زمین کے تمام ذرے روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے بدعہد و بے وفا ہم کو خدا نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم بندگی کا بوجھ اُٹھائیں، گناہوں کا بوجھ اُٹھانے کے لیے نہیں۔ ہم وہ ہیں کہ ہم سے آدم صفی اللہ نوح نبی اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ، ابراہیم خلیل اللہ اور محمد رسول اللہ و حبیب اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام جیسی عظیم الشان ہستیاں پیدا ہوئیں، کہ سات آسمانوں اور زمین کی مسندِ صدارت اُن کے نام پر آراستہ کی گئی۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے پیدا کیا تو اپنی نوازشِ قدیم سے مجھے سرفراز فرمایا۔ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ (اور ہم ہی نے زمین کو بچھایا ہے تو ہم کتنے اچھے بچھانے والے ہیں)۔ اللہ تعالےٰ تو مجھ کو اس ناز و نعمت سے جلوہ فرماتا ہے اور تو میرے سینے پر اپنے گناہ آلودہ پاؤں رکھتا ہے یاد رکھ مرنے کے بعد میرے اندر ہی تیرا ٹھکانا ہوگا۔ آج میرے اوپر اتنا ہی بوجھ ڈال جتنا مرنے کے بعد تو اُٹھا سکے۔ جو غفلتیں تو میرے ساتھ برتے گا اُن کا بدلہ تجھ سے اس وقت لوں گی جب تو میرے پیٹ میں رکھا جائے گا۔ ورنہ آج ایسا کام کر کہ کل تجھے عاجزی، مجبوری اور شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔ یہی ہے جو کسی نے کہا ہے ؎

Marfat.com

چو دنیا کشت زارِ آن جہان ست بکار این تخم کاکنون وقت کارست
اگر بیرون شوی ناکشتہ دانہ تو خواہی بود رسوائے زمانہ

(جب دنیا عالمِ آخرت کی کھیتی ہے تو یہاں بیج بو دے۔ یہی کاشتکاری کا وقت ہے۔ اگر تو بغیر دانہ بوئے یہاں سے چلا جائے گا تو سارے زمانے میں رسوا اور شرمندہ ہوگا)۔ کہا جاتا ہے کہ اگر دین کی راہ میں کوئی غفلت کرتا ہے تو وہ لعین (شیطان) کہتا ہے، تو مجھے نہیں پہچانتا؛ میری معلمی کی سند ساتوں آسمانوں کے گنبد پر بچھائی گئی تھی اور وہاں میرے ہی نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اتنی دولتوں اور سرمایوں کے باوجود جو میں پا چکا تھا۔ شریعت کے دروازے پر غوالی (شیطان) پکارا جاتا ہوں تیرے لیے دو ہی راستے ہیں یا اخلاص کا تاج سر پر رکھ اور سلامت گزر جا یا مصیبت و لعنت سے رشتہ جوڑ کہ تو اس کام کا مرد نہیں ہے ؎

چو نشناسی برموئے ز اسرار زنادانی چہ گردی گردِ این کار

(جب تو بال برابر بھی اسرار سے واقف نہیں ہے تو نادانی کے ساتھ اس کام کے قریب کیوں آتا ہے)۔ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (ان میں سے جن کو تو گمراہ کر سکے اپنی آواز سے گمراہ کر دے اور ان پر اپنے سوار و پیادے مقرر کر دے اور ان کے مال و اولاد میں شریک ہو جا)۔ قرآن کریم میں اس اختیار و مدد کے ساتھ اُسے اجازت دی گئی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ جو آوازیں شریعت کے خلاف ہیں شیطان کی آوازیں ہیں۔ اور جس مال میں ایک درم کے برابر بھی حرام ہے اور وہ بچہ جو نامشروع طریقہ پر پیدا ہوا اس میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ آستانِ شریعت پر اسے دربان بنا کر بٹھا دیا گیا ہے اور اُس نے اپنے سوار و پیادے غافلوں پر چھوڑ رکھے ہیں تاکہ اگر کوئی منھ دھوئے بغیر بے باکانہ اس لبساط پر قدم رکھے تو اس کے پاؤں کاٹ ڈالیں۔ وہ بڑے فخر و ناز سے کہتا ہے ؎

معشوق مرا گفت نشیں بر درِ من مگذار درون ہر کہ نہ دارد سرِ من

(میرے معشوق نے مجھے حکم دیا ہے کہ میرے دروازے پر بیٹھ اور جس کو میرے ساتھ خلوت کا واسطہ نہ ہو اُسے اندر مت آنے دے)۔ نقل کرتے ہیں کہ دن حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان

دیکھ کر کہا "فَعَلْتَ بِیْ کَذَا وَکَذَا" (میرے ساتھ تو نے ایسا ایسا کیا)۔ وہ بولا "اے آدم میں نے تو تمہارے ساتھ ایسا ایسا کیا، مگر میرے ساتھ ایسا ایسا کس نے کیا؟" ؎

می بین و مپرس حالتم را ۔۔۔ می کن بہ قضا حوالتم را

(دیکھے جاؤ اور میری حالت مت پوچھو۔ میری سرگزشت کو قسمت کے حوالے کر دو) اے بھائی ازل سے ابد تک گناہوں سے پاک ہونا تو فرشتوں کا کام ہے۔ اور تمام عمر گناہوں میں اور مخالفت میں غرق رہنا شیطان کا شیوہ ہے۔ اور بحکم توبہ بطریقِ بندگی گناہوں سے باز آجانا آدمؑ اور آدمیوں کا کام ہے۔ جس نے توبہ کے ذریعہ پچھلے گناہوں کو معاف کرالیا ہے اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا۔ اور جس نے گناہوں سے توبہ نہ کی اُس نے اپنا رشتہ شیطان سے قائم رکھا۔ لیکن لوگوں نے کہا ہے کہ تمام عمر بندگی میں مشغول رہنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ ابتدائً ناقص و بے عقل پیدا کیا ہے اور شہوت کو پہلے ہی اس پر مسلط کر دیا ہے۔ جو شیطان کی آلۂ کار ہے۔ اور عقل جو شہوت کی دشمن اور فرشتوں کے جوہر کا نور ہے اس کے بعد پیدا کی گئی ہے۔ جب شہوت نے غالب ہو کر دل کے قلعہ کو گھیر لیا اور نفس اس کا مطیع ہو کر اس سے الفت کرنے لگا تو عقل ضرورۃً پیدا کی گئی اور توبہ و مجاہدے کی طرف رجوع ہوئی تا کہ قلعۂ دل کو فتح کرے اور شہواتِ نفسانی و وساوس شیطانی کے تصرف سے بچا لے۔ ؎

تو این دم در دہانِ شیر اسیری ۔۔۔ چہ دانی زانکہ این دم شیر گیری

(تم اس وقت شیر کے منہ میں جا پھنسے ہو۔ تم کیا جانو کہ تم شیر کے شکاری ہو) یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ انسان کیلئے ضروری اور مریدوں کا پہلا قدم ہے اور یہ قدم بغیر کسی پیر پختہ اور راہ رفتہ کی مدد کے حاصل نہیں ہوتا۔ مگر شاذ و نادر جس کو خدا چاہے۔ اور یہی راز ہے جب فرشتوں نے کہا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا (کیا تو زمین میں اس کو اپنا خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا) تو کہا گیا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بیشک ہم جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے) یہ کہا کہ گناہ نہیں کریں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ جب وہ گناہ کی آلودگی میں ملوث ہو جائیں گے تو دریائے توبہ ان کے سامنے ہوگا جس میں نہا دھو کر وہ پاک و صاف ہو جائیں گے۔ اسی طرف اشارہ ہے

Marfat.com

جو حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ کوئی آدمی نہیں جو گنہگار نہ ہو۔ لیکن گناہگاروں میں بہتر وہ لوگ ہیں جنھوں نے توبہ کرلی۔ اے بھائی ان سات آسمانوں اور زمین میں کسی کے لیے دولت و اقبال کا ایسا تخت آراستہ نہیں کیا گیا جیسا کہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ اس پر بھی بارگاہِ خداوندی کے عدل کا خوف آپؐ کے دلِ مبارک پر اس قدر غالب تھا کہ اگر اُس کا ایک ذرّہ سات آسمان و زمین پر تقسیم کردیا جائے تو سارے عالم میں ذرہ برابر خوشی و شادمانی باقی نہ رہ جائے۔ وَکَانَ مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ وَدَائِمُ الْفِکْرِ (آپؐ مسلسل حزین و غمگین اور ہمیشہ فکر میں غرق رہا کرتے تھے)۔ ہر حال میں حضورؐ کا نقطۂ دل خوفِ الٰہی سے خون رہتا اور ہفت آسمان اور زمین کے لوگوں کا غم کھاتے، لیکن داہنی طرف حضرت صدّیقؓ اور بائیں طرف حضرت فاروقؓ کو بھی اس کی خبر نہ ہوتی۔ دولتِ اسلام میں یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ جس کو جتنی زیادہ عصمت ملی ہے اتنا ہی اس کے دل میں خوف زیادہ ہوتا ہے۔ اور جس کی پیشانی پر بدبختی کا داغ نمایاں ہوتا ہے اس پر امن و خوشی ہر لحظہ بڑھتی جاتی ہے۔ اسی کو یہاں بیان کیا ہے ؎

نہ زیبد مردِ خودبین پادشارا — انیسِ مذنبین باید خدارا

درین رہ نیست خودبینی خجستہ — تنے لاغر دلے باید شکستہ

(مغرور و خودبین انسان شاہی دربار کے لائق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ گناہگاروں کے غمخوار کو پسند فرماتا ہے۔ اس راستے میں خودبینی اچھی نہیں ہے۔ یہاں تو لاغر جسم اور ٹوٹا ہوا دل چاہیے۔ آسمان و زمین کی آرائشیں حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے طفیل میں کی گئی ہیں اور اس سلطنتِ کائنات میں آپ ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ آپ کی ابتدا اور انتہا کو مغفرت کے عنوان پر قائم کردیا ہے، اور آپ مامون العاقبت بنائے گئے ہیں۔ اتنی نوازشوں کے باوجود بھی آپ کے دلِ مبارک سے پل بھر کے لیے خوف و ہراس کم نہ ہوتا جب تبلیغ رسالت سے آپؐ فارغ ہوتے اور اپنے دل کے خلوت خانے میں تشریف فرما ہوتے تو ہستی کا دروازہ بند کردیتے کمرِ عصمت کو کھولتے اور نبوت کا تاج سر سے اُتار دیتے، زبانِ عذر بیچارگی کھولتے اور فرماتے۔ اِلٰہِی ذَنْبِیْ عَظِیْمٌ وَلَا یَغْفِرُ الذَّنْبَ الْعَظِیْمَ اِلَّا الرَّبُّ الْعَظِیْمُ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ عُتَقَائِکَ وَطُلَقَائِکَ وَمُحَرَّرِیْکَ مِنَ النَّارِ (اے اللہ! میرے گناہ عظیم ہیں اور عظیم گناہوں کو

Marfat.com

سوائے ربِ عظیم کے اور کوئی معاف نہیں کرسکتا۔ اے اللہ مجھے رہا ہونے والوں، چھوٹ جانے والوں اور آزاد کیے ہوئے لوگوں میں شامل فرما جو آگ سے بچا لیے گئے ہیں۔ جس وقت آپؐ یہ دعا فرماتے آپؐ کے دلی اندوہ کی چوٹیں سوائے بارگاہِ عزت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے کوئی برداشت نہ کرسکتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب حضورؐ کی ایسی حالت ہوتی تھی تو تمام درختوں سے غم کی کونپلیں نکلتی تھیں آسمان سے مصیبت کا طوفان برستا تھا، زمین کو آپ پر رحم آتا، عرشِ مجید آپ کے درد پر حیران رہ جاتا، آسمان کے مقربان اور زمین کے صدیقان اپنی نجات سے مایوس ہو جاتے اور اپنی رہائی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اور کائناتِ عالم کا ہر ذرہ ماتمی لباس پہن لیتا اور دہائی دیتا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ تو ان کو جواب دیا جاتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرتِ ربّ العزۃ سے عذرِ تقصیر فرما رہے ہیں۔ اور اپنی معصومیت کے پاک دامن کو عدل کے داغ سے بچانے کے لیے خدا کی امان چاہتے ہیں۔ اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؎

جگر خون می شود از یاد مارا ۔ ز استغنائے حق فریاد مارا

ز استغنا اگر فرمان درآید ۔ ہمہ امید معصومان سر آید

(ہمارا کلیجا اسے یاد کر کے خون ہو جاتا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے استغنا سے فریاد کرتے ہیں۔ اگر اس کے دربارِ استغنا سے عدل کا فرمان جاری ہو جائے تو سارے معصوموں کی امیدیں خاک میں مل جائیں)۔ اِنَّ اللہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (بے شک اللہ رب العزۃ دونوں جہان سے مستغنی اور بے نیاز ہے)۔ عرصہ ہوا کہ خدا نے صدیقوں اور معصوموں کے دلوں پر اپنی سیاست جاری فرما دی ہے۔ کہتے ہیں کہ جملہ انبیا اور اولیا میں سے کوئی اس بار کو اٹھانے کی قوت نہ رکھتا تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم برداشت فرماتے تھے۔ اگر حضورؐ کے غم و رنج کا شائبہ بھی قیامت میں ظاہر ہو جائے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ یا موسیٰ کلیم اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام چاہیں کہ اس تک پہنچ جائیں تو بغیر آپؐ کی عصمت کی امداد کے نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے باوجود آپ ہمیشہ یہی دعا فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ عُتَقَآئِکَ وَطُلَقَآئِکَ وَمُحَرَّرِیْکَ مِنَ النَّارِ۔ اے اللہ میرے دل و دیدہ کو اپنے نصفات کی آگ میں نہ جلا اور میری گردن میں آزادی کا طوق ڈال دے۔ اور یہ جو فرمایا کرتے تھے۔ مَآ اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِّثْلَ مَآ اُوْذِیْتُ (کوئی نبی ایسی اذیت میں

نہیں ڈالا گیا جتنی میں نے اذیت اُٹھائی ہے) یہ بات ہی بات نہیں ہے بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اتنی بلا و محنت جو میرے اوپر ڈالی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اہلِ ہفت آسمان و زمین پر مقدم فرمایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت آدمؑ کی ساری ذرّیت کو میرے دامنِ شفاعت سے باندھ دیا ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (اور اللہ تم کو وہ کچھ عنایت کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے)۔ یہ معنی ہیں کہ ہر بے راہ کی راہ پر خود ہم کو چلنا ہوگا، اور تمام مجرموں کی معافی ہم کو مانگنی پڑے گی۔ اور ہر نکمے اور کاہل کا کام ہمیں پورا کرنا ہوگا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کبھی ہم کو قاب قوسین کی وسعتوں میں پہنچایا گیا اور کبھی ابوجہل کی جفاؤں کا نشانہ بننے کیلئے بھیجا گیا۔ کبھی شاہد اور مبشر کا لقب دیا گیا اور کبھی شاعر مجنون اور ساحر کے آوازے سنوائے گئے۔ کبھی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ (اگر تمھاری قدر و منزلت منظور نہ ہوتی تو ہم عالم کو پیدا نہ کرتے) کے خطاب سے نوازا گیا اور کبھی وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا۔ (اگر ہم چاہیں تو تمھاری طرح ہر ہر گاؤں میں ایک پیغمبر بھیج دیں)۔ فرما دیا گیا۔ کبھی تمام خزانوں کی کنجیاں میرے حجرے کے دروازے پر ڈال دی گئیں۔ اور کبھی ایک مٹھی جو کے لیے ابوشحمہ یہودی کے دروازے پر لے جایا گیا۔ اے بھائی، حضرت رسولِ خدا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ وہ راستہ ہے جس میں "قہر" نوازش و کرم کے ساتھ اور عنایت و مہربانی قہر کے ساتھ ملی جلی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں جس طرح عنبر آراستہ کیا گیا ہے، اسی طرح سُولی بھی نصب کی گئی ہے۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے مثنوی

بباید داشت گردن زیرِ فرمان	کہ جز صبر و خموشی نیست درمان
ہمہ جز خامشی راہے نہ داریم	کہ یک تن زہرۂ آہے نہ داریم
کہ دارد زہرہ در وادیِ تسلیم	کہ بادے بگذراند بر لب از بیم
چنان گم کردہ اند این سر بپے راز	کہ بر موے نہ بیند ہیچ کس باز
ہزاران معنیِ نشگافتہ من '	طریق این رہ خموشی یافتہ من

(اُس کے فرمان کے آگے سر جھکا دینا چاہیے۔ کیونکہ سوائے صبر اور خاموشی کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ سوائے خاموشی کے ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ ذرا بھی آہ کرنے کی مجال نہیں ہے۔

Marfat.com

تسلیم و رضا کی خاموش وادی میں کس کی ہمت ہے کہ اپنے منہ سے اُف تک نکال سکے۔ اس راز کی جستجو میں ایسے گم ہو کر رہ گئے ہیں کہ کوئی ان کا ایک بال بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے ہزاروں معنی کھول کر رکھ دیے ہیں لیکن اس راستے میں صرف خاموشی ہی کو بہتر طریقہ پایا ہے) اے بھائی یہ خاکی انسان فقر و نیازمندی کی وہ کان ہے جس کے کارناموں پر ساکنانِ ملاءِ اعلیٰ سخت متعجب اور حیران ہیں۔ حضرتِ آدمؑ سے عشق بازی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، اچنبھا اُن کے فرزندوں پر ہے کہ غم واندوہ کی موجوں میں کود جاتے ہیں اور رنج و بلا کے طوفان میں غوطے لگاتے ہیں۔ اور زبانِ لطف و کرم، فضل وعنایت کے ممبر سے اس کا جواب دیتی ہے۔ "یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں کیونکہ یہ لوگ بط کے بچے ہیں۔ اور بط کے بچوں کو تیرنا نہیں سکھایا جاتا۔ جیسا کسی نے کہا ہے ؎

بچۂ بط اگرچہ دینہ بود آبِ دریاش تا بسینہ بود

(بط کا بچہ خواہ ایک ہی دن کا کیوں نہ ہو دریا کا پانی اُس کے سینے ہی تک رہے گا) اے بھائی یہ خاکی پتلا جس ساغر میں شراب پیتا ہے اُسے کوئی منہ تک نہیں لگا سکتا۔ خاص و عام فرشتوں کے پیالے بھی اس سے بڑھ چڑھ کر نہیں ہیں جن کے حق میں فرمایا بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (وہ تو ایسے بندے ہیں جن پر کرم کیا گیا ہے)۔ لیکن شراب یُحِبُّهُمْ کا چھلکتا جام اٹھارہ ہزار مخلوقات میں سوائے آدم زاد کے اور کسی کو پینا نصیب نہ ہوا۔ ہاں ہاں، یہ اس شراب کا ذکر نہیں ہے جو ہر ایک پی سکے اور نہ یہ وہ بادشاہی ہے جو ہر جگہ اُتر آئے۔ نہ یہ وہ تاج ہے جو ہر ایک کے سر پر رکھ دیا جائے اور نہ یہ وہ ہوائے بہار ہے جو ہر گلستاں میں لہرا جائے۔ ایک عارف نے اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

اے کفر چہ چیزی کہ مغان از تو بلافند اسمِ تو پرستند، زعینِ تو معافند

یک موئے بتو راہ نیابند زغیرت آنانکہ در اسلام ہمی موئے شگافند

(اے کفر تیری کیا بات ہے کہ رندانِ الست تجھ پر فخر کرتے ہیں۔ تیرے نام کی پرستش کرتے ہیں اور عینِ کفر سے معاف کر دیے گئے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو اسلام میں بال کی کھال نکالتے ہیں غیرت کی وجہ سے بال برابر بھی تجھ تک رسائی نہ پا سکے)۔ والسلام۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نواسیواں مکتوب ۸۹

نہ پانے کی حسرت اور جمعہ کی دعاؤں کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ اگر پچاس بار ننگے سر اور ننگے پاؤں شوق و ولولے کے ساتھ مشرق سے مغرب تک سفر کرو اور اپنے وطن سے مکہ اور مدینہ جاؤ، اتنا مفید نہیں جتنا نہ پانے کی حسرت مفید ہے۔ اس بات پر ایک لمحہ غور کرو۔ خدا کی قسم کوئی درد اتنا پیارا نہیں جتنا اپنی حسرتوں کے روزنامچہ کا مطالعہ کرنا۔ اور وہ کون ایسا آدمی ہے جس کو یہ درد میسر نہیں۔ چاہے ساری زمین و آسمان کا سالک ہی کیوں نہ ہو۔ اسی معنی کو خواجہ عطارؒ نے یوں کہا ہے مثنوی

بسے سودائے این تقویم پختیم — کنون از خامکاری نیم پختیم
بسے اندوہِ گوناگون بخوردیم — بسے برخاک خفتہ خون بخوردیم
بسے چون عنکبوتان خانہ رُفتیم — بسے ہمچون مگس افسانہ گفتیم
گہے زنارِ ترسایان بہ بستیم — گہے در دیرِ ترسایان نشستیم
بسے این درد را درمان بہ جُستیم — کنون از گریہ دست از جان بہ شُستیم
بسے گفتیم و دل آرام نگرفت — بسے رفتیم و رہ انجام نگرفت

(ہم نے بہت کچھ اس علم کا سودا پکایا مگر اب تک اپنی خامکاری کی وجہ سے کچے اور نیم پختہ ہی رہے ہیں۔ ہم نے کئی طرح کے بڑے بڑے غم اٹھائے، برسوں خاک پر پڑے ہوئے خونِ جگر پیتے رہے۔ ہم نے مکڑیوں کی طرح بہت کچھ جالا تنا اور مکھیوں کی طرح بھنبھناتے اور افسانہ کہتے رہے۔ کبھی یہودیوں کی زنار گلے میں ڈالی اور کبھی بتخانوں میں دھونی رما کر بیٹھے۔ ہم نے بہت کچھ اس درد کا علاج ڈھونڈا لیکن اپنے ہی آنسوؤں میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہم نے بہت کچھ کہا لیکن دل کو آرام نصیب نہ ہوا۔ اور بڑے بڑے راستے طے کیے لیکن منزل پر نہ پہنچ سکے)۔

اے بھائی، اس دنیا میں جسے حسرتوں کا روزنامچہ دے دیا گیا ہے اُس کے حق میں اِقْرَأْ کِتَابَكَ (اپنا اعمال نامہ پڑھتے رہو) کا خطاب نقد حال ہے۔ جس کے سینے میں نہ پانے کا

Marfat.com

درد ڈال دیا ہے ہزار قیامتیں اُس کے دل پر ٹوٹا کرتی ہیں۔ اور جس کی ہمت کو قیامت خیز بجلیوں کے سپرد کر دیا ہے اُسے موت کا مزا چکھا دیا ہے۔ جس کی ظاہری آلودگیوں کو باطن کی پاکیزگیوں میں مشغول کر دیا ہے اُسے دنیا سے نکال کر آخرت میں پہنچا دیا ہے۔ وہ جب تک اس زمان و مکان کی قید میں رہے آزادی کی یہ دولت نہ دیکھ سکے۔ جو انھوں نے عالم رسالت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھی۔ اگر ان بزرگوں کے سروں پر چڑیاں بیٹھ جاتیں تو ان چڑیوں کو خبر نہ ہوتی کہ کسی جاندار پر بیٹھی ہیں یا کسی بے جان پتھر پر۔ جانتے ہو ایسا کیوں تھا؟ یہ آخرت والے کُشتہ ہو چکے تھے محض جسم کے اعتبار سے اس دنیا میں تھے اُن کا دل آخرت میں لگا ہوا تھا اُن کی زندگی اسی درد و افسوس اور شوق و تمنا میں گزرتی تھی کہ کب وہ وقت آئے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تشریف لے جائیں اور ہم اپنی جانیں دشمنانِ دین کی تلواروں کے سامنے رکھ دیں تاکہ جس طرح باطنی طور پر ہم آخرت میں ہیں ظاہری طریقہ سے بھی آخرت میں پہنچ جائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ سے باہر میدان میں نکل آتے، زمین پر لوٹتے اور گریہ و زاری کے ساتھ اپنی موت چاہتے اور کہتے "الٰہی، جس چیز کی مجھے حاجت ہے، میں خلق سے ناامید ہوں اور جہاں تک خلق کی ضرورتوں کا مجھ سے تعلق ہے وہ مجھ سے ناامید ہیں۔ اس لیے مجھے ان کے ساتھ اور ان کو میرے ساتھ وابستہ نہ رکھ۔ میری جان لے لے تاکہ میں اپنی قید اور اپنے عہد سے چھوٹ جاؤں"۔ اور حضرت علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ جن کی شجاعت و بہادری پر اسلام کی ناموری کو فخر و ناز تھا مناجات کے درمیان اپنی ریشِ مبارک پر ہاتھ پھیرتے اور بہ صد شوق دعا کرتے "خدایا، کسی بدبخت کو میرے اوپر کیوں مسلط نہیں کر دیتا کہ میری داڑھی کو میرے ہی خون میں رنگ دے تاکہ میں اپنی شجاعت و جواں مردی کے نام و نمود سے چھوٹ جاؤں۔" قطعہ

ہر کسے را کہ در جہان درد یست — درد او را بنزدِ او دار وست
دارشِ دردِ دردمندان چیست — نظرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو ست

(جس کسی کو دنیا میں درد ہے تو اس درد کی دوا بھی اُسی کے پاس ہے۔ دردمندوں کے درد کی دوا کیا ہے؟ لا الٰہ الّا ھو کی ایک نظر!)۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص تھا جس کی یہ تمنا تھی کہ موت آنے سے پہلے ہی وہ مر جائے اور جب عزرائیل اس کی روح قبض کرنے آئیں

Marfat.com

تو اُسے بے جان دیکھ کر حیران رہ جائیں۔ اس کو خطاب کیا گیا کہ یہ بندہ میری اتنی آرزو اور تمنا رکھتا تھا کہ انتظار کی طاقت نہ تھی۔ قرآنِ پاک کی زبان سے سنو۔ یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ (اے نفسِ مطمئنہ راضی بہ رضا ہو کر اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہو جا) اے رُوح، تو قالب میں بند ہو کر رہ گئی ہے، اور اے قالب تو نے روح کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا ہے۔ لو، اب سفر تمام ہو گیا۔ ہر شخص اپنے وطن کی طرف لوٹ رہا ہے۔ کیونکہ نیا چاند وہی بہتر ہے جو اپنے آسمان سے نکل آئے۔ ؎

ہر چند عزیز بودہ جائے دگر | باز آئی کہ مہ بر آسمان نیکوتر

(دوسری جگہ تو کتنا ہی عزیز کیوں نہ رہا ہو، اب واپس لوٹ آ۔ کیونکہ چاند آسمان ہی پر بھلا معلوم ہوتا ہے)۔ کام خدا کی مہربانیوں کا مشاہدہ کرنا، زمانہ خلوت کا زمانہ اور یہ وقت مصالحت کا وقت ہے۔ پیچھے رہ جانا اچھا نہیں۔ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ ہم تجھ سے خوش اور تو ہم سے خوش۔ اسی راز کو اس میں بیان کیا گیا ہے رباعی۔

نوروز بساطِ شادی افگند بدشت | بلبل بہ گلِ شگفتہ بر عاشق گشت
آمد گہ آنکہ عہد ہا تازہ کنیم | بُد آنچہ بُد اے صنم گذشت آنچہ گذشت

(نوروز کا دن آگیا، صحرا میں شادمانی کا فرش بچھا دیا گیا۔ بلبل خوب کھلے ہوئے پھولوں پر فریفتہ ہو گئی۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے عہد و پیمان کو از سرِ نو تازہ کریں۔ اے میرے محبوب جو ہوا وہ ہو چکا۔ اور جو گزر گیا وہ گزر گیا)۔ اس بارگاہ کے اکثر جوانمرد جب اس دنیا سے باہر جاتے ہیں تو حسرتِ نایافت سے جو دردِ جگران کو حاصل ہوتا ہے اُسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دردِ نایافت مجبوروں اور عاجزوں کے لیے یافت کی مسرتوں سے بڑھ کر ہے رباعی

آن را کہ لقائے او ازو می باشد | حیران شدہ در لقائے او می باشد
پیوستہ توجہ دلِ خستہ او | در کعبہ و بتخانہ بدو می باشد

(انسان کی زندگی جس کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے وہ حیران و پریشان اسی کو تکا کرتا ہے۔ اُس کے ٹوٹے ہوئے دل کی پوری توجہ کعبہ میں ہو یا بتخانے میں ہمیشہ اسی کی طرف رہتی ہے)۔

خیبر کی فتح کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دوستوں میں سے ایک آدمی ایک بکری کے

Marfat.com

بچے کا کان پکڑ کر کھینچے لا رہا ہے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھ کر فرمایا "اے ابن عمر اس بکری کے بچے کو اس آدمی کی قید میں مجبور دیکھتے ہو؟" انھوں نے کہا "ہاں، یا رسول اللہ دیکھتا ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا "میری امت میں ایسے آزاد مرد بھی ہوں گے جو میدانِ قیامت میں آئیں گے اور ان کے مضبوط ہاتھوں میں دوزخ کے ساتوں طبقے اس بکری کے بچے سے کہیں زیادہ مجبور و مقید ہوں گے جو اس مرد کے ہاتھ میں ہے۔ دوزخ کا کام تو ان ہوا پرستوں کو جلانا ہے جن کے گوشت و پوست لقمۂ حرام سے پیدا ہوئے ہیں۔ صدیقوں اور متقیوں کے سامنے دوزخ کی کیا مجال کہ ذرا بھی ہل سکے۔ ان بزرگوں کا حال جو تم سنتے ہو، یہ نہ پیغمبر تھے نہ فرشتے، بلکہ ہمارے ہی جیسے آدمی تھے۔ خدائی باتوں کی آرزومندی نے ان کا دامن پکڑا اور اُس کی تمنا میں انھوں نے اپنی نیازمندی پیش کی اور اپنے دعوے کو دلیلوں سے ثابت کیا۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔ اگر تم چاندی سونا نہیں رکھتے کہ اُس کے نام پر لٹاؤ تو زندگی تو رکھتے ہو کہ قربان کرو اور کوئی چیز تمھیں روک نہ سکے۔ اور اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے مستعد ہو جاؤ جو تم نے دین کے راستے میں کیا ہے تاکہ کوئی شخص تمھارے اوپر دعوے نہ کر سکے۔ اور دین کے راستے میں تمھارے سامنے جو حجاب ہیں اُن کو اُٹھا دو۔ عرصہ ہوا کہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جس میں خود کو ہلاک کیے بغیر منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ دین کی راہ میں نفس کا ہلاک کرنا ہی منزل ہے۔ پہلے ہی اپنے کو ہلاک کرنے کیلیے تیار ہو جاؤ تب اس راستے میں قدم رکھو۔ ورنہ اپنی زحمت کو دین داروں کے حلقے سے باہر نکال لو تاکہ مردانِ خدا کے لیے راستہ صاف ہو جائے۔ مثنوی

زخود بگذر قدم در راہ دین زن　　بت است این نفس کافر بر زمین زن
تو گر مردی درہ فانی شو　　قدم در نہ فدائے راہ او شو
گرت گویند سر در راہ ما باز　　زہے شادی تو دستار از سر انداز

(پہلے اپنی خودی کو چھوڑ تب اس راستے میں قدم رکھ۔ تیرا یہ نفس کافری بت ہے اس کو زمین پر دے مار۔ اگر تو اس راستے کا مرد ہے تو اسی راستے میں گم ہو جا۔ اور قدم رکھا ہے تو اُس کے راستے میں اپنی جان فدا کر دے۔ اگر تجھ سے کہیں کہ میرے راستے میں سر دھڑ کی بازی لگا دے تو یہ بڑی خوشی کا مقام ہے فوراً اپنی دستار سر سے اتار کر پھینک دے) اب اگر تو دیکھے کہ اس راستے کا

Marfat.com

تو مردِ میدان نہیں ہے تو لازم ہے کہ اس راستے کے کسی مرد کا دامن تھام لے اور اُسی کا ہو جا کیونکہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے بادشاہ نہیں پیدا ہوتا۔ ہر زمانے میں بادشاہ ایک ہی ہوتا ہے باقی سب لوگ اسی کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اے بھائی دین کا غم اٹھانا کوئی معمولی بات نہیں۔ تم نے سنا ہوگا کہ روئے زمین پر جتنے بھی جن و انس، وحشی جانور اور چرند و پرند تھے سب حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ اس پر بھی اُن کا یہ حال تھا کہ دین کی طلب میں جلتے رہتے اور جو کچھ ان کے پاس تھا دین کے لیے تھا۔ یہ نہ سمجھنا کہ دنیا سلیمان علیہ السلام کے عیش و تنعم کے لیے تھی۔ ہرگز نہیں۔ دنیا اُن کے دین کی خدمت کے لیے تھی۔ اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے صحبت اور چیز ہے اور خدمت اور چیز۔ بڑے آگ کے دریا سے گذرنا پڑتا ہے جب کہیں خدمت سے صحبت نصیب ہوتی ہے۔ جب اس چیونٹی کی آواز سنی تو ہوا کو حکم دیا کہ اُن کے تخت کو وہاں اتار دے اور چالیس رات دن اُس چیونٹی کی صحبت اختیار کی اور اُس سے صمدیت کے اسرار سنتے رہے۔ اس سے تم کو جاننا چاہیے کہ خداوند سبحانہ، وتعالےٰ نے اپنی مخلوقات کے ساتھ ایسے اسرار پوشیدہ فرمائے ہیں کہ ہر شخص کو ان کی خبر نہیں۔ اور اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو قرآنِ پاک کی زبان سے سنو یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (زمین و آسمان میں جتنی چیزیں ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں)۔ اور سنو وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو)۔ خود مدعی نے بھی یہ ضرور پڑھا ہوگا۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔ (تمھارے پروردگار کے لشکر کو سوائے اُس کے اور کوئی نہیں جانتا)

نقل ہے کہ داؤد علیہ السلام محراب میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک چیونٹی سامنے سے گزری۔ آپ نے ہاتھ اُٹھایا کہ اس کو سجدے کی جگہ سے ہٹا دیں۔ اس چیونٹی نے فریاد کی کہ اے داؤد یہ کیا زیادتی ہے؟ کیا میری بندگی بارگاہِ خداوندی میں تمھاری عبادت سے کم ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام رونے لگے اور کہا "خداوندا مخلوقاتِ عالم کے ساتھ کیا سرمایہ لیکر زندگی بسر کروں"؟ حکم ہوا "تقوے کو اپنا شعار بناؤ تاکہ کوئی شخص تم سے رنجیدہ نہ ہو۔ مخلوق کے گوشت، پوست اور ظاہری صورت پر نظر نہ ڈالو بلکہ اُن کی خلقت کے اسرار کو دیکھو۔ اگر ہم ایک چیونٹی کو حکم دیں کہ اپنے سیاہ لباس سے باہر آجا، تو اس چیونٹی کے سینے سے توحید کے وہ اسرار ظاہر ہوں کہ کائنات موحدین مارے شرم کے

سر جھکالیں۔ یہی راز تھا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا هِیَ (اپنی مخلوقات کو مجھے اس طرح دکھلا جیسی وہ فی الحقیقت ہیں)۔ ایک رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پروردگار کی مناجات میں ایسے بیخود و سرشار ہوئے کہ دوسرے دن تک اس کا سرور و خمار باقی رہا۔ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی مخلوق کو یہ دولت نصیب نہ ہوئی ہوگی جو کل رات مجھے نصیب ہوئی۔ اُسی وقت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا "اے موسیٰ اس بیابان میں کوئی ایسا بھی ہے جو صدیقوں کے دردِ دل کا علاج کرے؟" موسیٰ علیہ السلام ایک جگہ پہنچے اور ایک مینڈک کو پانی میں ٹرٹر کرتے ہوئے پایا۔ جب اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو بولا "اے موسیٰ، میں تو دیر سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں کہ تمھارے دل میں جو غرور اور پندار پیدا ہوا ہے اُسے نکال دوں۔ دیکھو، ہرگز ہرگز اپنی یکتائی کا دعویٰ نہ کرنا۔ کل رات اللہ تعالےٰ کے دربار سے جو تحفہ تمھارے پاس آیا تھا وہ میں نے ہی تم تک پہنچایا تھا۔ پہلے وہ مجھے عنایت کیا گیا ہے اس کے بعد تم کو ملا ہے۔ یادرکھو، اب کبھی ایسا خیال اپنے دل میں نہ لانا۔ ہاں، اے بھائی، اس کے دربار کی یہی شان ہے کہ کسی کو دوزخ میں ڈال کر ادب سکھاتے ہیں، کسی کو چیونٹی کے ذریعہ سے اور کسی کو مینڈک کے ذریعہ سے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اُس مینڈک کی مہربانیاں دیکھیں تو جان لیا کہ یہ خدا کی طرف سے میرے اوپر مقرر کیا گیا ہے۔ اپنے سر سے تاجِ سربلندی اُتار دیا اور کہا۔ "اے گماشتۂ حق، اپنی ہمت سے میری امداد کر اور میرے دردِ غم کی یہ کہانی بارگاہِ رب العزت میں عرض کر دے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ مثنوی

زہے عزت کہ جان حیران بماند | خرد انگشت در دندان بماند
درے مسدود شد نتوان کشادن | کہ انگشتے بر و نتوان نہادن
نہ آن کو می رود، زین راز آگاہ | نہ آن کامد خبر دار دازین راہ
چنان گم کردہ اند این سرپئے راز | کہ سر موے نہ بیند ہیچ کس باز

(اس کی کیا عزت و شان ہے کہ جان حیرت میں پڑ گئی ہے۔ عقل و خرد انگشت بدندان رہ گئے ہیں۔ جو دروازہ بند ہو گیا وہ کھل نہیں سکتا۔ اُس پر تو انگلی رکھ دینا بھی محال ہے۔ ہر وہ شخص جو اس راستے پر چلتا ہے اس راز سے واقف نہیں اور نہ ہر آنے والا اس راستے سے آگاہ ہوتا ہے۔ راز کو پوشیدہ رکھنے کے لیے رازداروں کو ایسا چھپا لیا ہے کہ کوئی اُن کا ایک بال بھی نہیں دیکھ سکتا)

Marfat.com

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر سو مرتبہ درود بھیجے گا، خداوند تعالیٰ اُس کی سو حاجتیں پوری کرے گا۔ ستر دنیا کی اور تیس آخرت کی۔ یا تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی۔ اور درود اس طرح پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَحَبِیْبِكَ وَنَبِیِّكَ وَرَسُوْلِكَ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اور بزرگانِ دین کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص جمعرات (شبِ جمعہ) کو دو رکعت نماز ادا کرے، جو سورۃ جی چاہے ملا کر پڑھے۔ جب نماز سے فارغ ہو تو ایک ہزار ایک مرتبہ ان کلمات کو پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کی تمام مشکلات کو آسان فرمائے گا۔ کلمات یہ ہیں:۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَتَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الْقَدِیْمِ جب ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھ چکے تو حضرت خواجہ معروف کرخیؒ اور حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ کو شفیع لائے۔ جو حاجتیں اس کی ہوں گی اللہ تعالےٰ سب پوری کرے گا۔ اور چاہیے کہ درود مذکور ہر شب جمعہ کو برابر پڑھتا رہے اور کبھی ناغہ نہ کرے تو اس کے فوائد و ثمرات بہت ہیں۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوےواں مکتوب ۹۰

علاج دل، نماز جمعہ کے دن کی دعا اور نیکبختی حاصل کرنے میں

میرے بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ جو معاملات قرآن کریم کی روشنی میں جائز نظر نہ آئیں وہ بے سود اور لاحاصل ہیں۔ اور وہ خواہشیں جن پر نبوت کا فتویٰ نہیں محض باطل ہے اور وہ دلیل (رہنما) جو دین کے راستے سے الگ ہے مطلق ضلالت و گمراہی ہے اور جو امداد دین کے راستے میں دین کے سوا چاہو وہ مردود ہے۔ مَنْ اَدْخَلَ فِیْ دِیْنِنَا مَا لَیْسَ مِنَّا فَھُوَ مَرْدُوْدٌ۔ (جس نے ہمارے دین میں وہ بات داخل کی جس کا ثبوت ہم سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے)۔ تمھارے معاملات میں جب تک خلوص نہ ہو عالم قرآن سے وہ جائز نہیں ہوتا۔ خلوص کا مقام درد بھرا دل ہے۔ اور جہاں کہیں اخلاص کی خوشبو پائی جاتی ہے قرآن کریم خوشخبری دینا شروع کرتا ہے۔ خواہ وہ جنات کے حق میں ہو یا انسان کے۔ فَقَالُوْٓا

Marfat.com

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ (انھوں نے کہا ہم نے قرآن کو سنا عجیب کلام ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے اور ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں)۔ طالب کے زخمِ دل کا مرہم قرآن ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (اور ہم قرآن سے وہ انوار نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہے)۔ سالکانِ دین کا رہبر قرآن پاک ہی ہے یَهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ (سیدھا راستہ دکھاتا ہے)۔ اور جب قرآن کی رہبری کسی پر ظاہر ہوگئی تو اگر وہ قاف بھی اس کے سینے کا پیوند ہو تو جھکنے پر مجبور ہو جائے۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو تم یقینی دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پاش پاش ہو جا)۔ پس جس کام کی اجازت قرآن نہیں دیتا وہ راہِ دین نہیں مطلق نابینائی ہے۔ بُرجِ قدیم سے جو آفتاب طلوع ہوتا ہے وہ پہلے آسمانِ دل پر چمکتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ (البتہ اس قرآنِ کریم میں دل اور کان رکھنے والوں کے لیے اللہ کا ذکر ہے اور وہ اس کے گواہ ہیں)۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے قطعہ

چون رہبرِ شرع بر در آید　　معشوقِ مراد در بر آید
ہر رہروِ شرع را ز معشوق　　تاجے ز قبول بر سر آید

(جب شریعت کا راستہ دکھلانے والا دروازے پر آتا ہے تو مراد کا معشوق مل جاتا ہے۔ شریعت کے راستے پر ہر چلنے والے کے سر پر معشوق کی طرف سے قبولیت کا تاج پہنا دیا جاتا ہے)۔

اس راستے کے مرد روحوں کے مالک ہوتے ہیں ان کی باتیں سراسر زندگی ہوتی ہیں۔ اور مخلوقات کی زندگی اُن کے غم واندوہ کی پاکیزگی اور صفائی پر منحصر ہوتی ہے۔ اور ان کے حزن وملال کی ہمت پر عالم کا قرار وقیام موقوف ہوتا ہے۔ اور دنیا والوں کی رافت وراحت ان کے درختِ محبت کے پھل ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال کی کوئی علت نہیں ہوتی۔ ان کی حالتیں اپنے مقام سے واپس نہیں لوٹتیں۔ ان کے کلام وقول کا کوئی ردّ نہیں ہوتا۔ ان کے علم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ہاں جب تک اسم ورسم کا اطلاق چند چیزوں پر ہوتا ہے اپنی تیغِ انکار سے ان کا سر نہ اُڑا دو، اور جو کچھ تم کو معلوم ہے اُس سے خالی نہ ہو جاؤ تمھارے دل کی گہرائی سے حکمت کے چشمے کبھی

Marfat.com

نہیں پھوٹیں گے ۔ اور علم حقیقت کا لطف تم کو حاصل نہیں ہو گا ۔ خواجہ عطار فرماتے ہیں ۔

دل پر نور را دریائے دین کن — حدیث وحی رب العالمین کن
دمے در عالم قدسی قدم زن — بگیر آن حلقہ را بر در حرم زن
چو عیسیٰ در سخن شیرین زبان شو — صدف را بشکن و گوہر فشان شو

(اپنے روشن دل کو دین کا دریا بنا دے اور صرف وہی بات منہ سے نکال جو پروردگار عالم نے وحی فرمائی ہے ۔ ذرا عالم قدسی میں قدم رکھو اور اس زنجیر کو حرم کے دروازے پر توڑ دو گفتگو کرنے میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرح شیریں زبان بنو اور اپنے دل کے سیپ کو توڑ کر اس سے موتی بکھیر دو) جس دل کی آنکھ آج روشن نہ ہوئی کل کبھی نہ ہو گی ۔ قرآن مجید سے سنو مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی ۔ (جو آج معرفت حق سے نابینا ہے وہ آخرت میں بھی خدا کے دیدار سے نابینا رہے گا) ۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے ۔

اگر عہد ازل را آشنائی — ازان حضرت چرا گیری جدائی
بہ معنی باز جان را آشنا کن — سزائے قرب دست پادشا کن

(اگر روز ازل کا عہد و اقرار تجھے یاد ہے تو اس کے دربار سے دور کیوں ہوتا ہے اپنی جان کو اپنے ہی باطن سے آشنا کر اور بادشاہ کے ہاتھ کے قریب پہنچنے کے لائق ہو جا) ۔ اے بھائی ، جس دن دلوں کے پرکھنے والے دلوں کو کسوٹی پر گھسیں گے جو کچھ سینوں میں ہے میدان میں آجائے گا ۔ اور تحقیق کرنے والوں کو دلوں پر مقرر کر دیا جائے گا تاکہ ہر ایک کے باطن سے تمام چیزیں نکال کر محفل قیامت میں پیش کر دیں ۔ یہ لوگ جانچ پڑتال کے بعد کہیں گے " یا رخدایا ، ہم نے کسی جگہ ذرہ برابر بھی عہد کی وفاداری نہیں پائی ارشاد ہو گا خاب مَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ (جس سینے میں ہمارے دین کی وفا کا عہد نہیں ہے وہ ہمارے پاس آنے سے روک دیا جائے) ۔ اور اس طرح روک دیا جائے کہ کبھی ہمارے پاس نہ پھٹکنے دیا جائے ۔ جیسا کسی نے کہا ہے ۔

نقد تو چون ترا بر انگیزند — جملہ در گردن تو آویزند
بوتہ خود گویدت چو باد و دی — کہ زری یا مس زر اندودی

Marfat.com

(جب قیامت میں تم کو اُٹھائیں گے تو تمھارے اعمال کا سرمایہ تمھاری گردن میں لٹکا دیں گے۔ جب تمھارے سونے کو کٹھریا میں پگھلایا جائے گا تو اُس کا دھواں خود بتادے گا کہ تم خالص سونا ہو، یا تانبا ملا ہوا ہے)۔ اُس کا کھانا پینا وہی ہو گا کہ اُس کے دل اور آنکھ پر ہر لحظہ یہی داغ دیا جائے گا، کہ اے بے وفا ہمارے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے تھا اور ہمارا عہد اسی طرح نبھانا چاہیے تھا؟ خیر، اگرچہ تو نے ہمارا بندہ بننے کی کوشش نہیں کی تو ہم تو تیرے پروردگار ہیں اگرچہ تو نے عہد شکنی کی مگر ہم اپنی صفتِ قدامت کے ساتھ اپنی وفا پر قائم ہیں۔ اگر تو اپنے برے اعمال سے رنجیدہ نہیں ہے مگر ہم اپنی صفتِ خداوندی سے خوش کرنے والے اور صفتِ قدم سے نوازنے والے ہیں۔ رباعی۔

مردم چو بہ بیخودی ہمی شاد بود — واندر نظرِ دلش ستم داد بود
اندر نظرِ شاہ کند بے فرمانی — بے شرم کسے کہ آدمی زاد بود

(جو شخص اپنی غفلت میں شاد و خوش رہتا ہے اُس کے دل کی آنکھوں میں اپنا ظلم و ستم انصاف نظر آتا ہے۔ وہ بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے نافرمانی کرتا ہے اُس سے زیادہ بے شرم اور کون ہوگا کہ آدمی زاد ہو کر ایسا کرتا ہے)۔ اے بھائی، اب اُٹھ بیٹھو، ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے اور بداخلاقی کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس ذلت کی مصیبت میں خود پرستی عزت نہیں ہے اور تقدیر کی شاہراہ پر سجدۂ تسلیم بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور ہر شخص کو ہوا و ہوس کے پیچھے چلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور کسی کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں ہرگز کوئی نقصان نہیں ہے۔ مناجات۔

خدایا نورِ دل ہمراہِ ما کن — محمد را شفاعت خواہِ ما کن
دل و جان را فدائے راہِ او کن — بہ تقویٰ روئے در درگاہِ او کن
بہ عقبیٰ دم بوقتِ پاکِ او زن — بہ دنیا دست در فتراکِ او زن

(یا رب! الٰہا میرے دل کو نور سے منور کردے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا شفیع بنادے میرے دل و جان کو اُن کے نقشِ قدم پر قربان کردے۔ پرہیزگاری کے ساتھ میرا منہ ان کے دربار کی طرف پھیر دے۔ عقبیٰ میں ان کا نام لینے کی توفیق دے۔ دنیا میں بھی اُن کا دامن ہمارے ہاتھ میں رکھ)۔

Marfat.com

حاصل کلام ہر وہ معاملہ جو بغیر علم کے ہے باطل ہے اور ہر وہ ریاضت و مجاہدہ جو فتوائے شریعت شریعت کے خلاف ہے ضلالت و گمراہی ہے اور شیطان کا دین و مذہب ہے۔ یاد رکھو نیک بختیوں کے تمام دروازے معرفت کے حق میں علم ہی سے پہچانے جا سکتے ہیں۔ دین و سلطنت کی عظمت کے اسرار، اسلام اور دعوتِ انبیاءؑ کی عزت، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نشانیوں کی شناخت معصوموں کی پاک دامنی کے مرتبے، مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے مختلف درجات، ذرّیتِ آدم کی فطرت کے راز، معیوب لوگوں کے عیبوں کے بھید، ایمان والوں کے حقوق، شریعت کی تعظیم، احکامات کی بجا آوری اور منہیات سے پرہیز، یہ تمام باتیں علم ہی کے ذریعہ پہچانی جا سکتی ہیں۔ اور علم ہی کے میدان میں پائی جا سکتی ہیں۔ جب تک انسان اپنی جہالت کے بیابان سے باہر نہیں نکلتا اور علم کے سبزہ زار میں قدم نہیں رکھتا ایمان کی یہ سعادتیں اُس میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ دیکھو، بارگاہِ خداوندی میں صفتِ جہالت سے بڑھ کر کوئی ذلیل اور دشمن نہیں اور درگاہِ خداوندی تک پہنچنے کا علم کے راستے سے نزدیک تر اور کوئی راستہ نہیں ہے وَالْعِلْمُ بَابُ اللّٰهِ الْاَقْرَبُ وَالْجَهْلُ اَعْظَمُ حِجَابًا بَيْنَكَ وَبَيْنَ اللّٰهِ (اور علم اللہ تعالےٰ کا قریب ترین دروازہ ہے اور جہالت تمہارے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے) جس طرح علم دین تمام سعادتوں کا میدان ہے اُسی طرح جہالت تمام گمراہیوں کی وادی ہے۔ بدبختیاں اور شقاوتیں جہالت کی اسی وادی میں پھولتی پھلتی ہیں۔ اور یہ جہالت وہ وادی ہے جس میں غلبۂ کفر، بنیادِ ایمان کی تخریب، احکامِ شریعت کو اوچھا اور ہلکا سمجھنا، شیطان کی دوستی، پیغمبروں اور صدیقوں کی اتباع سے بیزاری اور بیگانگی، اور ان کی طرح ہزاروں بدبختیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان کے پودے نشو و نما پاتے ہیں۔

خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مثنوی۔

زکونین ار شوی پاک و مجرد ... نہ یابی راہ جز نورِ محمدؐ
اگر راہ محمدؐ را چو خاکی ... دو عالم خاک گردندت زپاکی
دگر نہ فلسفی، گو دور می باش ... زعقل و زیرکی مہجور می باش
بہ عقل ار نقش این دیوار بندی ... میانِ گبرگان زنار بندی

(اگر دونوں جہان سے تو کنارہ بھی کرلے تو بغیر نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی راستہ نہ پائے گا۔

Marfat.com

اگر تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کی خاک ہو جائے، تو تیری پاکی کے مقابلے میں دونوں جہان خاک ہو جائیں۔ اور اگر تو فلسفی ہے تو دُور ہو جا اور اپنی عقل و خرد کے پردوں میں مہجور پڑا رہ۔ اگر اس دیوارِ معرفت پر اپنی عقل و سمجھ سے گل بوٹے بنائے گا تو آتش پرست ہو کر زنار باندھے گا)۔ نقل ہے کہ جب شیطان کی پیشانی پر لعنت کا داغ ظاہر ہوا تو آدم علیہ السلام نے کہا کہ دولت والوں سے جھگڑا کرنا مبارک نہیں ہوتا۔ اور عالم کے کاموں میں جاہل کا حسد کرنا زیب نہیں دیتا۔ اب شقاوت و بدبختی کا جھنڈا لے کر عالم میں پھرتا رہ اور میرے فرزندوں میں سے جس کا قدم علم کے میدان اور طلب کے راستے میں نہیں ہے اُس کو اپنے جال میں پھنسا لے تاکہ میرے برگزیدہ فرزند اُس کی زحمت سے بچ جائیں۔ اَلنَّاسُ اِثْنَانِ عَالِمٌ وَّ مُتَعَلِّمٌ وَ سَائِرُ النَّاسِ هَمَجٌ لَاخَيْرَ فِيْهِمْ۔ (فرمایا اہلِ حق دنیا میں دو قسم پر ہیں یا وہ ہیں جو منزل پر پہنچ چکے ہیں (یعنی عالم) یا وہ لوگ ہیں جو راستے میں ہیں اور چل رہے ہیں (یعنی متعلم) تاکہ منزل پر پہنچ جائیں۔ باقی جتنے لوگ ہیں وہ ہیچ ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں)۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (ہوشیار ہو جاؤ شیطان کا گروہ ہمیشہ گھاٹے میں ہے)۔ وہ سب ابلیس کے پیادے اور سوار ہیں۔ اے بھائی، وہ فرمارہے ہیں وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ (خدا کی راہ جہاد کا حق ادا کرو)۔ تم اپنے نفس کے کوچے میں قدم نہ رکھو کیونکہ وہاں خود بینی کا داروغہ تمھیں پکڑ لے گا۔ ہماری گلی میں آجاؤ۔ تم ہمارے عزیز ہو۔ تم گرے پڑے تھے ہم نے تمھیں اُٹھایا۔ تم کم ہمت تھے، ہم نے تم کو نوازا۔ اگر تم اپنی گلی میں قدم رکھو تو زخم و تکلیف سے تمھیں ہرگز نجات نہ ملے گی۔ اگر تم یہی چاہتے ہو کہ اپنی ہی گلی میں پڑے رہو تو یاد رکھو اپنی ساری پونجی گنوا دوگے اور کوئی نفع ہاتھ نہ آئے گا۔ کسی دل جلے نے کہا ہے۔ رباعی

با عشق جمالِ ما اگر ہم نفسی	یک حرف بس ست اگر بدیں در نرسی
تا با تو توئی تست در ما نہ رسی	در ما تو کسے رسی کہ از خود برسی

(اگر تو ہمارے حسن و جمال کا عاشق ہے تو تیرے لیے بس یہی ایک بات کافی ہے اگر تو سمجھ دار ہے۔ جب تک تیری خودی تیرے ساتھ ہے ہمارے دروازے پر نہیں پہنچ سکتا۔ ہمارے دروازے پر تو اس وقت پہنچے گا جب اپنی خودی سے چھوٹ جائے گا)۔ اے بھائی اپنی خواہشوں کو مجاہدے کی لیساط پر

Marfat.com

علم کی تلوار سے ذبح کر دے اور نفسِ پُر فضول کا سر حکمِ شریعت کے مطابق ریاضت کی چھری سے کاٹ ڈال۔ حرص و آرزو سے بھرے ہوئے پیٹ کو بھوک اور فاقے کے خنجر سے پارہ پارہ کر دے۔ اور مسلمانی کا لباس پہن۔ خدا کی قسم خود پرستی سے کسی نے بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اور آج تک کسی کو خدا پرستی سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ تمھارے نزدیک جان سے بڑھ کر اور کوئی چیز پیاری نہیں۔ اگر ان باتوں کو بڑی اور اہم چیز سمجھتے ہو تو پہلا قدم اپنی جان پر رکھ دو اور مرنے سے نہ ڈرو۔ پس پھر زندگی ہی زندگی ہے۔ رباعی

موقوف اگر بجان بمانی مانی زیرا کہ چو در عالمِ جانی جانی
این نکتہ اگر نیک بدانی دانی ہر چیز کہ در جستنِ آنی آنی

(اگر تو اپنی جان پر اپنی زندگی کو موقوف سمجھے گا کہ زندگی سے عاجز رہ جائے گا۔ کیونکہ جب تو عالمِ جان (یعنی عالمِ ملکوت) میں پہنچے گا تو خود ہی جان بن جائے گا۔ اگر تو اس نکتہ کو اچھی طرح جان لے گا تو اس حقیقت کو جان سکے گا کہ تو جس کی جستجو میں ہے خود وُہی ہے)۔ طلب میں کمالِ طلب یہ ہے کہ مطلوب کی ہستی کو مسلم اور برقرار رکھے اور اپنی ہستی کی زحمت کو راستے سے ہٹا دے۔ کسی کھوئے ہوئے نے کہا ہے۔ ؎

لطفے بکن از راہ وجودم بردار تا زحمتِ من زراہِ تو گم گردد

(مہربانی کر میرے وجود کو اپنے راستے سے ہٹا دے تاکہ میری زحمت سے تیرا راستہ پاک ہو جائے)۔ کل قیامت کے دن اُس کے حسن و جمال کے دیوانے دانتوں میں انگلی دبائے بہشت میں داخل ہوں گے اور چٹکی بجاتے دوزخ میں قدم رکھیں گے۔ بہشت میں ان کا ذکر القہار الجبار ہوگا۔ اور دوزخ میں الحنان المنان ہوگا۔ کیونکہ انھوں نے دیکھ لیا ہے کہ اُس کا قہر نعمتوں سے حجاب میں ڈال دیتا ہے اور اُس کی رحمت جلانے والی آگ کو گلزار بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ ظاہر میں دیکھ لیا ہے کہ اس جہان کی نعمتوں میں اہلِ نعمت سے چھپا لیا ہے۔ یہاں تک کہ غلبۂ نعمت میں نعمت عطا کرنے والے سے محجوب ہو گئے ہیں۔ اور یہ بھی ملاحظہ کر لیا ہے کہ عین دہکتے انگاروں میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنے دربار کا مشاہدہ کرا دیا۔ اور وہ آگ اُن پر گلستان بن گئی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ نعمت بغیر دوست کے ہلاکت و مصیبت ہے اور دوزخ کی آگ دوست کے ساتھ

جنت الفردوس ہے۔ رباعی:۔

زان بادہ نہ خوردہ ام کہ ہشیار شوم وان مست نیم کہ باز بیدار شوم

یک جام تجلی جلال تو بسم کز لذت آن غریق دیدار شوم

(میں نے وہ شراب نہیں پی ہے کہ پھر کبھی ہوش میں آؤں۔ اور وہ مست نہیں ہوں کہ پھر بیدار ہو جاؤں۔ تیرے جلال کی تجلی کا ایک جام میرے لیے کافی ہے کہ اس کی لذت سے دیدار میں غرق ہو جاؤں)۔

جمعہ کے دن چاشت کے وقت چار رکعت نماز ادا کرے ہر جمعہ یا ہر مہینے یا ہر برس میں ایک مرتبہ۔ لیکن چاہیے کہ جمعہ کے دن غسل اور یہ نماز و دعا ترک نہ کرے۔ ہر رکعت میں فاتحہ ایک مرتبہ آیۃ الکرسی دس مرتبہ قل یاایہا الکافرون دس مرتبہ قل ہو اللہ احد دس مرتبہ قل اعوذ برب الفلق دس مرتبہ قل اعوذ برب الناس دس مرتبہ پڑھے۔ اور سلام پھیرنے کے بعد ستر مرتبہ استغفر اللہ اور ستر مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی اس نماز کو پڑھتا رہے گا وہ کبھی مفلس اور بدنصیب نہ ہوگا اور دین و دنیا کی بھلائیاں اور نعمتیں پائے گا۔ اگر آسمان و زمین کی ساری مخلوق اس نماز کا ثواب لکھنا چاہیں تو نہ لکھ سکیں۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کی نماز سے پہلے غسل کرے اور نیا یا دُھلا ہوا پاک و صاف کپڑا پہنے۔ اور نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد کسی سے بات نہ کرے اور سو مرتبہ یہ دعا پڑھ کے سجدے میں سر رکھے اور دینی و دنیاوی مرادیں ان شاء اللہ والتہ ضرور پائے گا۔ دعا یہ ہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یَآ اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ یَا قَدِیْمُ یَا دَائِمُ یَا فَرْدُ یَا وِتْرُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرِ بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

والسلام۔

—:—

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکیانویں مکتوب ۹۱

لباس کے بیان میں

بھائی شمس الدین اللہ تمھیں اپنے دوستوں کی خلعت سے آراستہ فرمائے۔ سنو! مشائخ نے خود بھی خرقہ پہنا ہے اور مریدوں کو بھی خرقہ سے آراستہ فرمایا ہے تاکہ عام لوگوں سے ان کی شناخت ہو سکے۔ اور تمام مخلوق ان کی نگہبان ہو جائے کہ اگر اپنی روش کے خلاف قدم اُٹھائیں تو اُن کو ملامت کریں۔ اور اگر چاہیں کہ اس لباس میں کوئی گناہ کریں تو شرما جائیں۔ بہرحال خرقہ اولیاء اللہ کی زینت اور اس کا پہننا مسنون ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صوف پہنے ہوئے وفات فرمائی ہے جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے جن میں بعض چمڑے کے تھے۔
اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ نے بھی ایک صوف پہنے ہوئے انتقال فرمایا جس میں تیرہ پیوند تھے جن میں بعض چمڑے کا تھا۔ لوگوں نے شیخ ابو علی سیاح رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مرقعہ کا پہننا کس کو زیبا ہے۔ آپ نے کہا کہ جو شخص مملکتِ خداوندی کے ہر واقعے سے ایسا باخبر ہو کہ دنیا میں کوئی حال اور حکم ایسا جاری نہ ہو جس کی اُسے خبر نہ کی جائے۔ لیکن صاف رنگ اور تکلف سے سیے گئے ہوں تاکہ لوگ انھیں مفلس و غریب نہ سمجھیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ تونگر صورت فقیر کو دوست رکھتا ہے۔ اور رنگوں میں کبودی (نیلا) یا عودی (خاکی) رنگ اختیار کریں کیونکہ وہ غمزدوں اور مصیبت میں گرفتاروں کا لباس ہے۔ یہ گہرا اور پکا رنگ ہے۔ دوسرے رنگ چند دنوں میں میلے ہو جاتے ہیں۔ ان کو دھونے میں معمولات اور اوراد و وظائف میں خلل پڑتا ہے نیز اس وجہ سے بھی کہ اگر زندگی کا ادنیٰ سرمایہ بھی غفلت میں ضایع ہوتا ہے تو وہ اُسے ایک مصیبت سمجھتے ہیں اور یہ مصیبت زدوں کا رنگ اختیار کرتے ہیں۔ عودی اور کبودی رنگ جلدی میلا نہیں ہوتا۔ اور دوسرے رنگ خود آرائی پیدا کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خاکی اور نیلا لباس غمگین اور شکستہ دل رکھتا ہے۔ کھردرے اور موٹے کپڑے میں بہت سی باریکیاں ہیں، ایک

Marfat.com

یہ موٹے کپڑے میں سختی ہوتی ہے جو پہنتا ہے وہ اپنے نفس کو سختی اور درشتی کا عادی بناتا ہے۔ اور اس کی سلائی کی درزیں بھی موٹی اور تکلیف دہ ہوتی ہیں اس لیے اس کا باطن گرم اور بیتاب ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اُسے سرگرم اور بیتاب رکھتا ہے۔ وہ کسی جگہ راحت و آرام نہیں پاتا۔ اور کسی ناکامی و نامرادی کے سبب کوئی رنج و تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ مشائخ متقدمین رضی کی سنت بھی ہے۔ مگر سفید لباس اُس کے لائق ہے جس نے اپنی زندگی کا لباس ریاضت و انابت کے صابون سے دھو کر پاک و صاف کر لیا ہو اور اپنے دل کی کتاب کو ماسوا کے نقوش اور خواہشاتِ نفسانی سے مزکیٰ اور مصفیٰ بنا لیا ہو۔ اور کبودی لباس اس کو چاہیے جس نے نفس کو مقہور کیا ہو اور مجاہدہ کی تلوار سے اُس کی گردن کاٹ دی ہو اور ماتم میں بیٹھ گیا ہو۔ اور عودی لباس اُس کو زیبا ہے جو بارگاہِ حق تعالیٰ میں اتنا مشغول و مستغرق رہتا ہو کہ کپڑا دھونے کا اُسے موقع نہ ملے۔ اور نیلگوں آسمانی لباس اُس کے لائق ہے جو اپنی بلند ہمتی سے، عالمِ سفلی سے گزر کر عالمِ علوی میں پہنچ چکا ہو اور آسمان ہمت ہو چکا ہو۔ اور صوف (یعنی اُون) کا لباس اُس کو چاہیے جو صوفی ہو چکا ہو اور دین و دنیا کی ہر طلب سے باز آ گیا ہو اور تمام آداب و سنت بجا لا چکا ہو۔ اور نمدے کا لباس پہننا اُس کو مناسب ہے جو مقامِ بشریت سے گزر چکا ہو اور تصرفِ انسانی اس میں مطلق باقی نہ رہ گئے ہوں۔ کیونکہ اس لباس میں کاتنے والے بُننے والے اور سینے والے کا کوئی تصرف شامل نہیں ہوتا اور اپنے نفس کو پاؤں کے نیچے خوب رُوند کر مسل چکا ہو کیونکہ نمدہ بُنا نہیں جاتا بلکہ پاؤں سے مل دَل کر جمایا جاتا ہے۔ اور کالے رنگ کا کپڑا اس کے شایاں ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے کے تمام منازل و مقامات کو طے کر چکا ہو اور آخر میں اِنَّ اِلیٰ رَبِّکَ المُنتَھیٰ (بیشک تیرے رب تک اس کی انتہا ہے) جس مقام کی طرف اشارہ ہے وہ وہاں تک پہنچ چکا ہو۔ اُس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب باقی نہ رہ گیا ہو جیسا کہ کہا گیا ہے ع دانی زپسِ سیاہ رنگے نبود۔ (کالے رنگ کے بعد کوئی رنگ نہیں ہوتا)۔ اَلفَقرُ سَوَادُ الوَجہِ (فقر چہرے کی سیاہی ہے) اس جگہ اگر غور کرو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ خواجہ سنائی نے کیا فرمایا ہے۔ مثنوی

ایں ہمہ رنگہائے پر نیرنگ — خم وحدت کند ہمہ یک رنگ
یا سیہ باش چوں تو نگو یزد — کہ سیہ ہیچ رنگ نہ پذیرد

تپشے آتشے کہ دل جُو لیست | طالبش سوختہ سیہ رد لیست
زنگیِ زشت یا بلا جُوئی | خوش دلی یافت در سیہ روئی
رازِ دل گر ہمی نہ خواہی فاش | باسیہ روئیِ دو عالم باش

(تمام مختلف رنگوں کو وحدت کا مٹکا ایک رنگ بنا دیتا ہے۔ کالا ہی رنگ اختیار کر کیونکہ اُڑتا نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی دوسرا رنگ چڑھتا ہے۔ اس آگ میں جسے دل ڈھونڈتا ہے اس کا چاہنے والا جھلس کر سیاہ رو ہو جاتا ہے۔ بدصورت اور بلاکش حبشی اپنی سیاہ روئی میں خوش دلی اور شادمانی حاصل کرتا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ رازِ دل فاش نہ ہو تو دونوں جہان کی روسیاہی اختیار کر) اور وہ کپڑا جسے فوطہ کہا جاتا ہے (یہ بغیر سلا ہوتا ہے۔ جیسے لُنگی، چادر، رومال، دستار وغیرہ) یہ ایسے شخص کے لائق ہے جو اپنے باطن کو ہر وقت حاضر رکھے اور ہمیشہ ذاکر و شاغل رہے۔ جیسا کہ فوطہ بننے والے کو کامل حضوری ہوتی ہے اور مطلق غفلت نہیں ہوتی کہ تار الجھ جائے اور کپڑا خراب ہو جائے۔ اس کے پہننے والے کے لیے ضرور ہے کہ دنیا کی چیزوں کی طرف سے آنکھیں بند کرے۔ اور ہزار میخی (گدڑی) خرقہ اس لیے ہے کہ مضبوط ہوتا ہے اور بہت عرصے میں پھٹتا ہے اور پھٹتا بھی ہے تو بالکل ناکارہ نہیں ہو جاتا اور ایک زمانے تک دوسرے لباس کی ضرورت نہیں ہوتی اور اکثر مشائخ نے ہزار میخی گدڑی پہنی ہے۔ اس کے پہننے میں ایک ریاضت بھی ہے کہ بوجھ اٹھانا بہت دشوار ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لباس جو اٹھارہ درہم وزنی تھا خلافت کے وقت اٹھارہ من ہو گیا تھا۔ اور شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک لباس اُن کی ابتدائی حالت سے انتہائی حالت تک بیس من کا ہو گیا تھا۔ یہ کپڑا اُس کے واسطے ہے جو اپنے نفس کو ہزار ناکامیوں کی چوٹوں سے مار چکا ہو اور مجاہدے کی محنت سے چور کر دیا ہو۔ اور اپنا جامۂ ہستی نامرادی کی سوئی سے سی چکا ہو۔ اور لباس مرقع و ملمع جو رنگ برنگ کے مختلف ٹکڑوں سے سیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ اپنا لباس سفید و سیاہ رنگ برنگ کے ٹکڑوں کو دھو کر سی رہی تھیں کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دریافت فرمایا "اے عائشہؓ یہ کیا ہے؟" انھوں نے جواب دیا کہ "پیوندی لباس سی رہی ہوں!" آپؐ نے فرمایا "بہت خوب! اے عائشہؓ، ہر رنگ کا ٹکڑا جوڑنا، کوئی رنگ چھوڑ نہ دینا۔

حاصل کلام یہ مرقع اور ملمع اس کو زیبا ہے جو اپنے نفس کی پراگندگیوں کو دل کی جمعیت سے بدل چکا ہو اور تمام مقامات طے کر چکا ہو اور ہر منزل و مقام سے پورا فائدہ اُٹھایا ہو اور حالات کے انوار کی جھلک سے اُس کی آنکھیں منور ہو چکی ہوں ۔ اور لباس میں جیب لگانا بھی سنت ہے اور زیادہ تر بائیں طرف اس لیے جیب لگائی جاتی ہے کہ دایاں ہاتھ آسانی سے پہنچ سکے۔ قرآنِ مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا اُدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ (اپنا ہاتھ اپنے جیب میں ڈالو اور روشنی نکالو)۔ اس گروہ کے لوگ جو کپڑا سیتے ہیں اس میں جیب ضرور لگاتے ہیں اس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ کنگھی وغیرہ ضرورت کی چیزیں رکھی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح لبانچہ اور فرجی (وہ لباس جو دوسرے کپڑوں پر پہنا جاتا ہے) پہننا بھی سنت ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ لباس بہت پہنا ہے۔ فرجی پہننا اُس کے شایاں ہے جس نے اپنے وجود کے لباس کو چاک کر دیا ہو اور اپنی ہستی کو پاؤں سے روند کر دنیاوی تعلقات اور آخرت کی نعمتوں سے سبکدوش ہو چکا ہو۔ اور خدا کی راہ میں دونوں کو ترک کر دیا ہو۔ اور دُہرا کپڑا پہننا مشائخ اور علمائے سلف کی سنت ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ دُہرا خرقہ پہننا بہت اچھا ہے۔ چوڑی اور کشادہ آستین رکھنا بھی صحابہؓ اور مشائخ قدیم کی سنت ہے تاکہ وضو کرنے اور دوسرے کاموں کے وقت اوپر چڑھانے میں آسانی ہو۔ اور جانماز یا کوئی دوسری چیز ضرورت کے وقت آستین میں رکھ سکیں۔ اور آستین و دامن میں مغزی (گوٹ) لگانا بھی سنت ہے۔ اور یہ اس شخص کو جائز ہے جس نے اپنا ظاہر و باطن یکساں بنا لیا ہو اور بشری تردّدات اُس تک نہ پہنچ سکتے ہوں۔ اور نفس و شیطان کے مکر اور غضب خداوندی سے مامون و مصئون ہو چکا ہو۔ اور دستار کے نیچے ٹوپی پہننا سنت ہے۔ اور دُہری ٹوپی اس لیے پہنتے ہیں تاکہ پسینے میں بھیگ کر چکنی نہ ہو جائے۔ لیکن مروّجہ ٹوپی جو تاج کی مانند بڑی سی ہوتی ہے، وہ پہن سکتا ہے جو بغیر دستار کے پہنے اور تمام قیدوں اور بندشوں سے آزاد و یگانہ ہو، رشتے ناتے سے طاق، خلق کی تعریف و مذمت سے بے پروا اور ردّ و قبول سے فارغ و بے نیاز ہو۔ اور سر پر پگڑی باندھنا سنت ہے چاہیے کہ اس کا شملہ سر کے پیچھے گردن پر لٹکائیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک حصہ آگے کی طرف اور ایک حصہ پیچھے کی طرف لٹکایا جائے۔ اور کہتے ہیں کہ دستار پیچھے کی طرف لٹکانا اُس کو چاہیے جس نے دنیاوی خواہشوں اور

آرزوؤں کو پس پشت ڈال دیا ہو، اور سامنے سے ہٹا دیا ہو۔ یہ مشائخ کے سوا اور کسی کو نہ چاہیے لیکن طرۂ دستار آگے رکھنا اُس کے واسطے ہے جو اپنا مطلوب و مقصود حاصل کر چکا ہو اور مطمئن ہو لیکن چرمی لباس پہننا ہمارے مطالعہ میں نہیں آیا ہے اس لیے نہیں لکھا گیا جب اتنی باتیں معلوم ہو چکیں تو اب جاننا چاہیے کہ جوانوں کو، جب تک کسی پیر کے ہاتھ سے خرقہ نہ پہن چکے ہوں، نیلگوں یا صوفیانہ ملبوس پہننا اور نیلے سجادہ پر بیٹھنا یا نماز پڑھنا نہ چاہیے۔ اور کہتے ہیں کہ جوانوں کو خرقہ پہننے سے پہلے کوئی لباس فوطہ، گلیم یا لنگی سے بہتر نہیں ہے۔ لیکن وہ شیخ جو مرید کو خرقہ پہناتا ہے، ایسا مستقیم الحال ہونا چاہیے جو راہ طریقت کی اونچ نیچ سے گزر چکا ہو اور احوال کی لذتیں چکھ چکا ہو۔ جلال کا قہر اور جمال کا لطف اُٹھا چکا ہو اور اس مرید کے باطنی احوال سے خبردار ہو کہ وہ اپنی انتہا میں کہاں تک پہنچے گا۔ پلٹ جائے گا یا واقعتہً منزل تک رسائی حاصل کرے گا۔ کیونکہ مشائخ دلوں کے طبیب ہوتے ہیں۔ جب تک معالج بیمار کے مرض سے واقف نہ ہوگا علاج نہ کر سکے گا بلکہ اپنی طلب پر ہلاک کر دے گا۔ اور جبکہ اس کی غذا، جو مفید ہے، اور پرہیز، جس میں اُس کے لیے نقصان و خطر ہے، نہ جانے گا تو بیماری کے خلاف علاج کرے گا۔ اسی لیے شریعت کا فتویٰ ہے اَلشَّیْخُ فِی قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِی اُمَّتِہٖ (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی اُمت میں). مرقع پہننے کی شرط گویا کفن پہننا ہے یعنی حیات کی لذتوں اور زندگی کی راحتوں سے امید منقطع کر لے اور اپنی تمام عمر کو خدا کی بندگی کے لیے وقف کر دے اور اپنی خواہشات سے قطعی کنارہ کش ہو جائے۔ اس وقت پیر اُس کو خرقہ پہنانے کے لیے پسند کرے گا۔ اس گروہ کے لباس کی یہی کیفیت و ہیئت ہے جو اس مکتوب میں بیان کی گئی۔ مگر ایک جماعت نے لباس کے متعلق کوئی تکلف نہیں رکھا۔ اگر خداوند کریم نے انھیں عبا عطا کی عبا پہن لی اور قبا دی، قبا پہن لی۔ اور اگر برہنہ رکھا تو برہنہ رہے۔ اے بھائی، جس طرح دشمنوں کی عبادتیں محبوب و مقبول نہیں ہوتیں اسی طرح دوستوں کی ذلتیں شمار نہیں کی جاتیں جیسا کہ آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ ہے۔ اگر تم پوچھو کہ وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ (آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی) کیا ہے؟ تو عصیٰ آدمؑ کو نہ دیکھو۔ بلکہ ان کے تاج بزرگی ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ (اُس کے رب نے اُس کو برگزیدہ بنا لیا) پر نظر رکھو اے بھائی، حضرت آدمؑ نے جنت کے درختوں کے پتوں سے ایک خرقہ بنایا تھا اور زمین کے سفر کا ارادہ

Marfat.com

رکھتے تھے اس سفر کے لیے ایک عصا کی ضرورت تھی۔ اس عصیٰ کو اُن کا عصا بنایا کیونکہ فقیر کو عصا اور مرقع ضرور چاہیے۔ اے بھائی، ربوبیت کے اسرار اس جگہ نظر آتے ہیں جہاں عقل و وہم کے پر و بال گر جاتے ہیں۔ اسی موقع کے لیے کہا ہے۔ مثنوی :-

اے خرد در راہ تو طفلے بہ شیر ۔۔۔ گم شدہ در جستجویت عقل پیر
اے خرد سرگشتہ اندر راہِ تو ۔۔۔ عقل را سررشتہ گم در راہِ تو

(تیرے راستے میں عقل و خرد ایک شیر خوار بچہ ہے۔ تیری جستجو میں کہن اور پیرانہ سالہ عقلیں کھو گئیں اور سخت حیران و پریشان ہیں کیا کریں ڈورے کا سرا ہی الجھ کر گم ہو گیا ہے)۔ آدم کی ذات اسرارِ غیب کی امانت دار ہے۔ ورنہ اس مشتِ خاک میں یہ لیاقت و اہلیت کہاں کہ ملائکہ قدس اُسے سجدہ کریں۔ اور وہ مردودِ بارگاہ جس نے سر نہ جھکایا اُس پر تا قیامت لعنت کی بوچھار ہوتی رہے یہی راز ہے جو کہا ہے۔ مثنوی ۔

عرش و عالم جز طلسمے بیش نیست ۔۔۔ اوست لیس این جملہ اسمے بیش نیست
در نگر این عالم و آن عالم اوست ۔۔۔ غیر او دیگر ہست آن ہم اوست
اے دریغا ہیچ کس را نیست تاب ۔۔۔ دیدہ ہا کور و جہان پر آفتاب

(عرش اور دنیا و مافیہا سوائے ایک طلسم کے کچھ بھی نہیں بس وہی ایک ذات ہے اور ساری اشیا نام ہی نام ہیں۔ غور کرو اور دیکھو یہ عالم اور وہ عالم بس وہی ہے۔ اُس کے سوا اگر کسی چیز پر نظر پڑتی ہے تو وہ بھی وہی ہے۔ افسوس کسی کو دیدار کی طاقت نہیں۔ نگاہیں اندھی ہیں اور جہان آفتاب سے بھرا ہوا ہے)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانوےواں مکتوب

ملامت کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے دوستوں کی پیروی سے بزرگی عطا فرمائے۔ جانو کہ راستہ چلنے والوں کا گروہ ملامت اختیار کرتا ہے اور اہلِ حق خاص کر خلق

Marfat.com

کی لعن طعن سنا کرتے ہیں۔ اس امت کے بزرگوں کا دنیا میں یہی شیوہ رہا ہے اور سنت الٰہی بھی اپنے دوستوں اور طالبوں کے ساتھ اسی طرح جاری رہی ہے کہ جو کوئی اُن کی بات کرتا ہے وہ سارے جہان کو اُن کا ملامت کرنے والا بنا دیتا ہے۔ ملامت تین طرح کی ہوتی ہے لیکن وہ کہ دین کی راہ میں راستبازی کے ساتھ چلتا ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ ایک شخص اپنا کام کرتا ہے اور دین داری کی راہ میں مستقیم ہے اور معاملوں کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کام میں لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ اور وہ ہر حال میں اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ اور جس نام سے اُس کو پکارتے ہیں اُس کے لیے سب یکساں ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، جو محبانِ خدا کے امام اور ایمان والوں کے پیشوا تھے، جب تک وحی نہ آئی تھی اور آپ نے تبلیغ کا کام شروع نہ کیا تھا سب کے نزدیک بڑے نیک نام، بزرگ اور محمد امین کہے جاتے تھے۔ پھر جب آپ نے خدا کی دوستی کا لباس پہنا اور وحی آنے لگی تو لوگوں نے زبانِ ملامت دراز کی۔ کسی نے کاہن کسی نے شاعر کسی نے کاذب اور کسی نے مجنون و دیوانہ کہنا شروع کیا لیکن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ دوسری ملامت قصدی ہے۔ یہ اس طرح ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ کسی شخص کو لوگوں میں بہت زیادہ عزت و وقار اور مہر دل عزیزی حاصل ہو اور وہ اُن کے درمیان نشانہ بن جائے اور چاہے کہ اُن سے فارغ ہو کر خدا کے کام میں مشغول ہو اس لیے وہ قصداً اور بہ تکلف خلق کی ملامت کا راستہ اختیار کرتا ہے جس کو شریعت ناجائز نہیں ٹھیراتی۔ اور کوئی دینی نقصان نہیں ہوتا۔ جیسا کہ روایت کی جاتی ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک دن اپنے کھجوروں کے باغ سے لکڑیوں کا گٹھا سر پہ رکھے ہوئے آرہے تھے، یہ آپ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اُس وقت آپ کے پاس چار سو زر خرید غلام تھے۔ لوگوں نے پوچھا یا امیر المومنین خلافت کے دنوں میں آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ حالانکہ آپ کے پاس اتنے غلام ہیں! آپ نے فرمایا اُجَرِّبُ نَفْسِیْ (میں اپنے نفس کا تجربہ کر رہا ہوں) تاکہ خلق اللہ میں اُس کا اعزاز و وقار کسی کام سے باز نہ رکھے۔ خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ حجاز سے کسی شہر میں آرہے تھے۔ شہر میں آپ کے آنے کی شہرت ہوئی، لوگ جوق جوق آپ کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل آئے اور عزت و احترام

Marfat.com

کے ساتھ آپ کو شہر میں لائے اُن کی اس آؤ بھگت سے آپ کے معمولات میں حرج واقع ہوا۔ یہ رمضان شریف کا مہینہ تھا جب بازار میں پہنچے تو جیب سے ایک روٹی نکال کر کھانے لگے۔ ان کی یہ حرکت دیکھ کر ساری مخلوق برگشتہ ہوگئی اور وہ تنہا رہ گئے۔ مرید جو اُن کے ساتھ تھا اس سے کہنے لگے۔ تم نے دیکھا کہ میں نے ایک شرعی مسئلے پر عمل کیا اور سب مجھے چھوڑ کر کنارہ کش ہوگئے۔

ملامت کی تیسری قسم احکام و اوامر کا چھوڑ دینا ہے۔ یہ اس طرح کہ کسی شخص کو کفر و ضلالت گھیرلے اور وہ بغیر عذر، احکام شریعت کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے اور کہنے لگے کہ ہم نے ملامتیہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ تو یہ کھلم کھلا ضلالت و گمراہی ہے اور بہت بڑی آفت ہے جیسا اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے۔ ان کا اصل مقصد لوگوں کے رد کرنے سے ہی ہوتا ہے کہ مخلوق اور زیادہ اُن کی طرف توجہ کرے اور ان کو قبولیت حاصل ہو۔ بزرگوں کا قول ہے اَلْمَلَامَۃُ تَرْکُ السَّلَامَۃِ (ملامت کے معنی سلامتی سے دُور ہو جانا ہے) جب کوئی شخص قصداً اپنی سلامتی اور راحت و آرام کو ترک کر دیتا ہے اور بلا و مصیبت جھیلنے کے لیے کمربستہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنی عافیت و آرام اور آسائش و راحت سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ مخلوق اس سے ناامید ہو کر آمد و رفت بند کرتی ہے اور وہ بالکل فارغ ہو کر خدا کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں۔ تمام مخلوق کی آنکھیں سلامتی پر لگی رہتی ہیں لیکن ملامتی اپنا منہ سلامتی سے پھیر لیتا ہے تاکہ ان کی ہمت عالی ساری مخلوق کے خلاف ہو کر صرف خالق کے لیے مخصوص ہو جائے۔ اور عشق و محبت والوں کے لیے ملامت کے راستے میں کئی مشرب ہیں جن کو یہی لوگ سمجھتے ہیں اور کہا کرتے ہیں اَلْمَلَامَۃُ رَوْضَۃُ الْعَاشِقِیْنَ وَنُزْھَۃُ الْمُحِبِّیْنَ وَرَاحَۃُ الْمُشْتَاقِیْنَ وَسُرُوْرُ الْمُرِیْدِیْنَ۔ (ملامت کا راستہ عاشقوں کے لیے باغ، دوستوں کے لیے فرحت، مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں کے لیے شادمانی ہے) کیونکہ ملامت میں قبولیت کے آثار اور قرب خداوندی کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ جیسا کہ سارا زمانہ قبولیت خلق سے خوش و خرم ہوتا ہے یہ گروہ لوگوں میں مردود ہونے اور دھتکارے جانے سے مسرور و شادمان ہوتا ہے۔ تم اس وقت اگرچہ ہیچ اور مفلس ہو مگر امید وار رہو۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ خرابات میں وہ تجلیاں نظر آجائیں جو کعبہ میں نہ ہوں۔ فرعون کے جادوگروں نے عین کافری اور ساحری کے زمانے میں توحید کا لوز پایا۔ پس عاجزی اور بے چارگی اختیار کرو اور اپنی بڑائی کو

مٹا ڈالو۔ کیونکہ کبریائی اور ہستی خدائے ذوالجلال کی صفت ہے۔ اس خاکی انسان کے لیے عاجزی اور بے چارگی سے بہتر اور کوئی لباس نہیں۔ جو کوئی دو دو مرتبہ پیشاب کے راستے سے گزرا ہو اس کو غرور کرنا ہرگز روا نہیں ہے اور نہ غفلت کے نشے میں اپنی ہستی کا ثابت کرنا جائز ہے۔ بادشاہ کے دربار میں نوکروں اور غلاموں کے لیے تواضع اور انکساری سے بڑھ کر اور کوئی پوشاک نہیں ہے اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔ رباعی:۔

در حضرتِ شاہ عافیت خواہی بہ — وز دُور نظارۂ شہنشاہی بہ
قصہ چہ کنم دراز کوتاہی بہ — در بیشۂ شیر شرزہ روباہی بہ

(بادشاہوں کے دربار میں بہتر عافیت چاہتا ہو تو دُور ہی سے شہنشاہ کا نظارہ کرنا بہتر ہے قصہ مختصر کی سیدھی بات ایک یہ ہے کہ شیروں کے جنگل میں لومڑی ہی بن کر رہنا بہتر ہے) خاک کو تو بوجھ اُٹھانے والا ہونا چاہیے نہ کہ سر اُٹھانے والا۔ ہاں، یہ خاکی بوجھ اٹھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے سرکشی اور نافرمانی کے لیے نہیں۔ اے بھائی سنو، اگر کوئی بادشاہ کسی بیکس غریب کو راستے میں پکڑ کر یہ کہے کہ آ تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں تو اس فقیر و مسکین کو چاہیے کہ اپنی ہستی و مرتبہ کو فراموش نہ کرے اُس بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو جو اپنے مرتبے کو پہچانے کہ آدمی ایک مشتِ خاک ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ خداوندِ پاک کا لطف و کرم و احسان ہے۔ تم کو اُس نے محض اپنی عطا و بخشش سے نوازا ہے تمھارا کوئی حق نہیں تھا۔ جو کچھ دیا اپنے فضل و کرم سے دیا طاعت و عبادت سے نہیں۔ اور جو کچھ عطا کیا اپنی شانِ خداوندی سے عطا کیا تمھاری گدائی اور دریوزہ گری سے نہیں۔ اَلْعِنَایَۃُ قَبْلَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ (عنایت پانی اور مٹی کے خمیر مایہ سے پہلے اپنا کام کر چکی تھی)۔ ابھی آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی بھی نہ تھی کہ خیاطِ لطف و کرم اُن کے جسم کے لیے توبہ کی خلعت اور صفوت کا لباس سی چکا تھا۔ والسلام

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترانویواں مکتوب ۹۳

سماع کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین اللہ تعالےٰ تمھیں بزرگی عطا فرمائے۔ معلوم کرو کہ دل اور دماغ اسرارِ خداوندی کے خزانے اور جواہرِ معانی کی کانیں ہیں۔ اور ان اسرار و معانی کا دل میں پوشیدہ ہونا اس طرح ہے جیسے پتھر اور لوہے میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے، اور سماع اس آگ کا پیدا کرنے والا ہے جو اس لوہے اور پتھر میں پوشیدہ ہے۔ پس سماع سے وہی چیز ظاہر ہوتی ہے جو اس دل میں چھپی ہوئی ہے جس طرح گھڑے اور صراحی سے وہی چیز نکلتی ہے، جو اس میں موجود ہوتی ہے پس یہاں سمجھنا چاہیئے کہ جس دل میں خداوند عزوجل کی محبت زیادہ ہوگی اور وہ اُس کے دیدار کا مشتاق ہوگا اُس کے حق میں سماع شوق کا بھڑکانے والا اور عشق و محبت کو اُبھارنے والا ہے۔ اور اُس آگ کو ظاہر کرتا ہے جو سینے کے تہہ خانے میں دبی ہوئی ہے۔ اور مکاشفات و ملاطفات کے ذریعہ وہ احوالِ شریفہ ظاہر ہو جائیں گے جن کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پس جانو کہ جس کو یہ دولت نصیب ہے اور اس نعمت کا لطف حاصل کرنے والا ہے تو اس کے احوالِ شریفہ کو صوفیوں کی زبان میں وجد کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں سماع کا سننا حلال ہی نہیں بلکہ مستحب ہے اور واجب ہو جاتا ہے۔ یہ وہ قدم ہے کہ اُٹھتا ہے تو عالمِ بشریت میں ہے مگر جب اس مقام کے سالک کے سماع میں پہنچتا ہے تو وجد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ صاحبِ سماع اپنی فطرتِ بشری سے بدل چکا ہے جو چیز اُس کو ملتی ہے وہ بھی بدل جاتی ہے۔ اسی لیے پیرانِ طریقت نے فرمایا ہے کہ ان کے سامنے رندانہ اشعار شراب و کباب کے متعلق گائے جاتے ہیں لیکن وہ اس کے دوسرے معنی لیتے ہیں۔ لفظ وصال سے دیدارِ الٰہی، فراق سے حجابِ خداوندی اور چشم سے نظرِ لطف اور خدا کی مہربانیاں مراد لیتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کا انداز ہے وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ۔ اَیْ عَلٰی عِلْمِیْ وَبَصَرِیْ (اور وہ بنایا گیا میری آنکھوں کے سامنے یعنی میرے علم اور میری بصارت کے سامنے) زلف سے قربِ خداوندی کے معنی سمجھتے ہیں لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (تاکہ وہ ہمارے لیے قربِ خداوندی کا وسیلہ ہو جائیں) اور ہو سکتا ہے کہ زلف سے

Marfat.com

الوہیت کی اشکال کا سلسلہ مراد لیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔ قطعہ :-

گفتم بشمارم سر یک حلقۂ زلفش تا بو کہ بہ تفصیلش سر جملہ بر آرم
خندید بمن ہر سر زلف مشکینش یک پیچ بہ پیچید و غلط کردہ شمارم

(میں نے چاہا کہ اُس کی زلف کے گھونگر کا ایک سرا شمار کروں تا کہ اس کے اجمال سے تفصیل کا مشاہدہ کر سکوں۔ میرے اِس ارادے پر اُس کی زلفِ مشکیں کا ایک ایک بال ہنسنے لگا اور ایک ایسا پیچ ڈال دیا کہ میں گِنتا ہی تا سب بھول گیا) یعنی اگر کوئی چاہے کہ اپنے تصرف و کوشش سے بارگاہِ الوہیت کے عجائبات کا ایک تارِ مو بھی شناخت کر سکے تو اس میں ایک شکن ایسی پڑ جاتی ہے کہ سارا اندازہ و شمار غلط ہو جاتا ہے اور عقلیں مدہوش ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زلف سے کفر کی ظلمت مراد لیں اور چہرے کی چمک سے ایمان کا نور مطالعہ کریں۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

ملکِ رخت کہ بود دلم زلفِ تو ربود ہندو نگر کہ حقِ مسلماں نرو گرفت

(میرا دل تیرے رخسار کی ملکیت تھا جسے تیری زلف لے گئی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلمان کا حق ایک ہندو دلے اُڑا) ؎

رنگِ زلفِ تو سیہ کردہ است روئے روزگار نورِ رویت محو کردہ ظلمتِ شب را بہ روز

(تیری کالی کالی زلفوں نے دن کو بھی تاریک کر دیا ہے۔ اور تیرے رخسار کی چمک نے اندھیری رات کو روشن کر کے دن بنا دیا ہے)۔ اور لفظِ کفر سے اپنی ہستی اور اپنے اعمال کا چھپا لینا مراد لیتے ہیں اور ارتداد سے اپنی خودی سے پھر جانا سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک بزرگ نے کسی کو یہ شعر کہتے ہوئے سنا۔

کافر نہ شوی عشق خریدار تو نیست مرتد نہ شوی قلندری کار تو نیست

(تو جب تک کافر نہ ہو جائے عشق تجھ کو قبول نہیں کرے گا۔ اور جب تک مرتد نہ ہو جائے قلندری کے قابل نہ ہو گا)۔ یہ سن کر اُس بزرگ نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے اس کیفیت کا سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ لغت میں کفر کے معنی چھپ جانے کے ہیں اور کافر پوشیدہ ہوتا ہے۔ کسان جو بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے اُسے کافر کہتے ہیں۔ پس شعر کے یہ معنی ہوئے کہ جب تک تیرا وجود اور تیرے پُر خلوص اعمال تجھ سے اور تمام مخلوق سے پوشیدہ نہ ہو جائیں تیرے عشق و محبت کا دعویٰ درست نہ ہوگا۔ اور جب تک اپنے آپ اور اپنے نفس سے بیزار نہیں ہو جائے

Marfat.com

قلندری کا دم مارنا صحیح نہیں ہے۔ اور جب مستی و شراب کی باتیں سنتے ہیں جیسے ؎

گرمے دو ہزار رطل بر پیمائی　　تا خود نہ خوری نیا شدت زیبائی

(اگر تو دو ہزار رطل (پیمانہ) ناپتا چلا جائے تو کیا ہوتا ہے جب تک خود نہ پیے تجھے کیف و سرور حاصل نہیں ہو سکتا)۔ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ دین کا کام محض علم اور گفتگو سے نہیں سنورتا بلکہ ذوقِ دل سے آراستہ ہوتا ہے۔ اگر عشق و محبت اور زہد و تقویٰ کی ہزار باتیں کیا کرے اور کتابیں تصنیف کر ڈالے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جب تک وہ باتیں تجھ میں پیدا نہ ہو جائیں۔ اور جب خراباتی اشعار سنتے ہیں جیسے ؎

ہر کو بخرابات نہ شد بے دین ست　　زیرا کہ خرابات اصولِ دین ست

(جو شخص میخانے میں نہ گیا ہو وہ بے دین ہے۔ کیونکہ شراب خانہ ہی تو دین کی بنیاد ہے) اس شعر سے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ یہ صفاتِ بشری جو زندگی کی آبادیاں سمجھی جاتی ہیں جب تک خراب اور ویران نہ ہو جائیں اُس وقت تک وہ صفتیں جو انسان کے جوہر میں پوشیدہ ہیں ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ عربی زبان کا کوئی شعر سُن کر اس کے ایسے معنی سمجھتے ہیں جو درحقیقت اس کے معنی نہیں ہوتے اور اُس سے اُن پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ کسی نے کہا ع

مَا زَارَنِیْ فِی النَّوْمِ اِلَّا خَیَالُکُمْ

(ہم سوائے تمھارے خیال کے خواب میں کبھی کچھ اور نہیں دیکھتے)۔ ایک صوفی کو یہ سن کر حال آگیا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیسا حال ہے کہ آپ خود اس کا مطلب نہیں سمجھتے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے انھوں نے کہا میں کیوں نہیں جانتا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ ہم زار اور درماندہ ہیں اور خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔ ایک بزرگ کسی بازار سے گزر رہے تھے ایک ککڑی بیچنے والا کہہ رہا تھا: خِیَارُ عَشَرَةٍ بِحَبَّةٍ (ایک پیسے کی دس ککڑیاں) یہ سن کر اُن کو وجد آگیا۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا اِذَا کَانَ خِیَارُ النَّاسِ عَشَرَةً بِحَبَّةٍ فَمَا قِیْمَةُ شِرَارِهِمْ۔ (جب دس نیک انسانوں کی قیمت ایک پیسہ ہے تو بُرے انسانوں کی کیا قیمت ہوگی)۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شعر ایک ہو مگر ہر شخص اپنے مرتبے اور حال کے اعتبار سے مختلف معنی سمجھے۔ جیسا کہ ایک لونڈی دجلۂ بغداد کے کنارے کھڑی ہوئی تھی اور گنگنا تی جاتی تھی ؎

سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاءِ　　اِنَّ الْمُحِبَّ لَفِی الْعَنَاءِ

Marfat.com

(پاک ہے آسمان کا پروردگار بیشک عشاق رنج و مصیبت میں گرفتار رہیں۔) ایک شخص کو حال آگیا اور کہا تو سچ کہتی ہے اور دوسرے کو بھی وجد آگیا اور کہا تو جھوٹ کہتی ہے۔ یہ دونوں اپنی اپنی باتوں میں سچے ہیں۔ کیونکہ جس نے کہا سچ کہتی ہے اُس نے عاشق کو رنج و بلا و مصیبت میں دیکھا۔ اور جس نے کہا تو جھوٹ کہتی ہے اُس نے عشق میں دوست کے وصال کی راحت و لذت کو دیکھا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محض آواز سن کر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس میں الفاظ اور معنی و مطلب کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ تم نے عرب کے اونٹوں کے افسانے تو سنے ہوں گے کہ صرف ساربان کے گانے کی آواز پر ایسے مست ہو جاتے ہیں کہ بھاری بوجھ کے ساتھ اتنا تیز دوڑتے ہیں کہ جب اپنی منزل پر پہنچتے ہیں اور ساربان خاموش ہو جاتا ہے تو فوراً گر پڑتے ہیں اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ تو اس گروہ کے لیے سماع کا سننا بھی اسی طرح ہے جس چیز کا اُن پر غلبہ ہوتا ہے وہی سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور وہی دیکھتے ہیں۔ اس بات کا انکار کرنا مشاہدات کا انکار کرنا ہے۔ جو شخص عشق کی آگ میں (خواہ وہ حق ہو یا باطل) جل چکا ہو وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اب اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنا ضروری ہے تاکہ سماع کی آفت و بلا سے تم محفوظ رہو۔ اور وہ یہ ہے کہ جتنی بری صفتیں اور متغیر ہونے والی حالتیں ہیں وہ اپنی ذات اور نفس سے متعلق کریں اور جو کچھ صفاتِ جمال و جلال اور بخشش و کرامت ہیں اور تمام صفاتِ کمالیہ کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ شانہٗ سے متعلق کریں۔ اگر ایسا نہ ہو تو کفر کا خوف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کی دوستی کے لیے سماع کا خطرہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ شعر سن کر ؎

زاوّل بہ منت میل بُد آن میل کجا است　　وام وز ملول بودن از بہر چرا است

(پہلے تیری توجہ جو میری طرف تھی وہ اب کیا ہوئی اور آج تو مجھ سے کیوں رنجیدہ ہو گیا ہے) جس کو پتہ قوی ہدایت حاصل نہیں ہے ایک کمزور ہو جائے گی۔ کیونکہ جب یہ شعر سنے گا تو خیال کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر جو انعام و اکرام تھے اب بند ہو گئے ہیں اور اس تغیر کو اللہ تعالیٰ کے حق میں جانے گا تو کفر ہو گا۔ نہیں، بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی تغیر کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور یہ تغیر و رنج و حجابِ ملال اُس کی طرف سے نہیں ہے۔ اُس کی بارگاہ ہر شخص کے لیے کھلی ہوئی ہے۔ آفتاب کی روشنی کی طرح کوئی اس سے محروم نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص دیوار کے سایے میں رہنے کی وجہ سے حجاب میں آگیا تو یہ تغیر خود اس شخص میں واقع ہوا ہے نہ کہ آفتاب میں۔ جیسا کہ کہا ہے ؎

Marfat.com

آفتاب برآمد ازنگاریں دیر ہست	بر بندہ اگر نتابد از ادبار ست

(دیر ہوئی کہ آفتاب طلوع ہو چکا ہے اگر کسی شخص پر اُس کی روشنی نہ پڑے تو خود اس کی بدبختی ہے)۔ تو چاہیے کہ حجاب کو اپنی نحوست یا کسی جرم وخطا پر محمول کرے جو کبھی اُس سے سرزد ہوئی ہو نہ کہ نعوذ باللہ خدا کی طرف۔ کیونکہ وہ ان سب سے پاک ومبرا ہے۔ اور کند طبیعت والا ناپاک بدبخت سماع کی لذت سے متعجب ہوتا ہے۔ وہ سننے والوں کی کیفیت ذوق ووجد وحال واضطراب اور چہروں کا رنگ بدل جانے کا اُسے یقین نہیں ہوتا۔ اس کا تعجب کرنا ایسا ہے جیسا کہ جانور مغز بادام یا اُس کے حلوے کے مزے پر تعجب کریں۔ یا نامرد کو جماع کی لذت کا یقین نہ آئے یا کوئی جاہل واحمق خدا کی معرفت کی لذت، اُس کے جلال کی معرفت وعظمت اور اُس کی صناعی کے عجائبات دیکھ کر متحیر ومتعجب ہو ایسا شخص انسانیت سے خارج ہے اور اُس کے انکار کا وبال اُسی کی گردن پر ہوگا۔ کیونکہ اگر کوئی نابینا سبزہ زار وآب رواں کے پرلطف نظاروں سے محروم ہونے کی وجہ سے انکار کرتا ہے تو کوئی تعجب نہیں، اس لیے کہ اس کو آنکھیں نہیں ملی ہیں جو ایسے فرحت بخش مناظر کو دیکھ سکیں۔ اسی طرح اگر کوئی طفل نادان حکمرانی کی لذت اور بادشاہی نعمت وراحت سے انکار کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ اس کا دل کھیل کود میں لگا ہوا ہے اُسے بادشاہت کے لطف ومزے سے کیا واسطہ؟ اگر کسی شخص کے دل پر کسی ایسے شخص کی محبت وعشق کا غلبہ ہو جس کو دیکھنا شرعاً حرام یا ناجائز ہے تو ایسا آدمی جب سماع اختیار کرے گا تو اُس کے معانی ومطالب کو اسی حرام وناجائز کی طرف لے جائے گا۔ اس لیے ایسے شخص کے حق میں سماع حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ اُس کے فکر وتصور کو ایسے افعال واشکال کی طرف متحرک کریگا جو ممنوع اور ناجائز ہے۔ جو چیز حرام کی طرف حرکت دینے یا بلانے والی ہو وہ بھی حرام ہو جاتی ہے اور اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ لیکن ایسے شخص کے لیے جس کے دل میں خدا کی محبت کا غلبہ نہیں ہے کہ اس کو سماع محبوب ہو اور نہ اُس میں ہوائے نفس غالب ہے کہ سماع ناجائز ہو ایسے لوگوں کے لیے سماع مباح ہوتا ہے جیسا کہ اور دوسری چیزیں مباح ہوتی ہیں۔ الغرض سماع کی تین قسمیں ہیں حلال حرام اور مباح۔ کسی بزرگ سے سماع کے متعلق پوچھا گیا۔ فَقَالَ مُسْتَحَبٌّ لِاَهْلِ الْحَقَائِقِ وَمُبَاحٌ لِاَهْلِ النُّسُكِ وَالْوَرَعِ وَمَكْرُوْهٌ لِاَهْلِ النُّفُوْسِ وَالْحُظُوْظِ (انھوں نے کہا کہ سماع اہل حقیقت ومعرفت کیلیے مستحب ہے۔ اور اہل نسک وورع یعنی زاہد وپرہیزگار کے لیے مباح ہے اور اہل نفس وشہوت کیلیے مکروہ ہے)۔ اور اس پر

مشائخین کا اجماع ہے کہ قرآنِ کریم کو اچھی آواز اور خوش الحانی سے پڑھنا چاہیے بشرطیکہ اپنی حد میں ہو اور معنی میں کوئی خلل نہ آجائے۔ لیکن قصائد و اشعار کے متعلق جب حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ھُوَ الْکَلَامُ فَحَسَنُهٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُهٗ قَبِیْحٌ (وہ کلام ہے، اگر اچھا ہے تو اچھا ہے۔ اور بُرا ہے تو بُرا ہے)، یعنی جس کا سننا حلال ہے جیسا کہ حکمت اور پند ونصائح کی باتیں آیاتِ الٰہی کے استدلال، خدا کی مہربانیوں اور نعمتوں کا ذکر اور متقی وصلحاے امت کی تعریفیں نظم میں ہوں یا نثر میں سب حلال ہیں۔ جس کلام کا سننا حرام کیا گیا ہے وہ کسی کی غیبت، گالی گلوچ کی کی بُرائی اور ہجو کرنا یا کفریہ کلمات بکنا نثر میں ہو یا نظم میں سب حرام ہیں۔ اور ایسے اشعار جن میں شہروں، مقامات ومنازل، ایام گزشتہ اور امم ماضی کا بیان ہو مباح ہیں۔ اور جن میں خال وخط زلف ولب قد وقامت چشم وابرو کے حسن وخوبی کی صفت ہو اور اس طرح کی نظمیں جس کو عام لوگوں کا مذاق پسند کرتا ہے۔ مکروہ ہیں۔ یہ کراہیت نظم اور نثر دونوں کے لیے ہے۔ مگر وہ علماے ربانی جو صاحبِ تمیز اور ریاضت ومجاہدہ کرنے والے الہام اور غیر الہام کو سمجھتے ہیں، جیسا قسمِ اول میں ہم نے بیان کیا ہے اُن کے لیے ہر طرح کا شعر سننا مباح ہے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے سنا ہے بلکہ صحابۂ کرامؓ نے کہا بھی ہے اور سنا بھی ہے۔ یہاں پر لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ بعض ہر قسم کے اشعار سننے کو حرام کہتے ہیں حالانکہ رات دن مسلمان بھائیوں کی غیبت کیا کرتے ہیں۔ اور ایک جماعت ہر قسم کے اشعار سننے کو حلال کہتی ہے اور رات دن لغو اور بیہودہ اشعار سنا کرتی ہے۔ اور دونوں اپنے اپنے طریقوں پر دلیلیں قائم کرتے ہیں۔ اب اس جگہ سمجھنا چاہیے کہ جو مسئلہ مختلف فیہ ہو اور وجوہات پر محمول کیا جاتا ہو اُس پر اطلاق کے ساتھ جواب قائم کرنا خطا ہے۔ صاحب کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانے کے مقتدا تھے، انھوں نے لکھا ہے کہ جب میں مرو میں تھا، وہاں ائمۂ حدیث میں سے ایک محدث جو مشہور ومعروف تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کے مباح ہونے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے کہا کہ دین میں ایک بڑی مصیبت واقع ہو گئی ہے۔ خواجہ، کیا لہو ولعب اور تمام فسق وفجور کو حلال کر دیا ہے؟ انھوں نے کہا اگر تمھارے نزدیک حلال نہیں ہے تو خود کیوں سنتے ہو؟ میں نے کہا اس کا حکم وجوہات پر موقوف ہے کوئی مطلق حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اگر دل میں اس کی تاثیر حلال ہو تو سماع حلال ہے۔ اور اگر تاثیر اس کی حرام ہو تو سماع بھی حرام ہے۔ اگر تاثیر مباح ہو تو سماع بھی مباح ہوگا۔ جس چیز کا ظاہر حکم حرام وفسق

مگر باطن میں اس کے اثرات روشن ہوں تو یہ ایک وجہ ہو گی علت کے وجوہ میں سے۔ اس لیے ایک ہی چیز پر اطلاق کرنا محال ہو گا۔ اب رہا رقص کرنا، تو سنو! حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تین وجوہ بتائے ہیں۔ اور کہا ہے کہ رقص کا حکم اس کے محرک پر محمول کیا جاتا ہے۔ اگر محرک محمود ہے اور رقص اُس کو بھڑکاتا اور اُبھارتا ہے تو رقص بھی محمود ہے۔ اور اگر رقص کا محرک مذموم ہے اور رقص اس کی بُرائی کو اُبھارتا ہے تو رقص بھی مذموم ہو گا۔ اور اگر محرک مباح ہے تو رقص بھی مباح ہو گا۔ اور کہا ہے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے ایسے موقعوں پر جب ان کو کوئی خاص چیز ملتی تھی تو اس کے سرور اور خوشی میں رقص کیا ہے۔ اور بعض صالحین نے بغیر اظہارِ وجد و حال، درویشوں کی موافقت میں موزونیت کے ساتھ رقص کیا ہے اور موزونیت اس لیے اختیار کی ہے کہ یہ بات ظاہر کر دیں کہ ہم پر وجد و حال کی کیفیت طاری نہیں ہے اِحتِرَازاً عَنِ الْکِذْب (جھوٹ سے بچنے کے لیے) اس کے باوجود کہتے ہیں کہ رقص کی عادت ڈالنا اہلِ اقتدا کے لائق نہیں ہے کیونکہ یہ اکثر حالتوں میں لہو و لعب میں شمار کی جاتی ہے۔ اور جو چیز بظاہر لہو و لعب نظر آئے مقتدایانِ قوم کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کی نظر میں حقیر نہ ہوں اور لوگ ان کی پیروی ترک نہ کر دیں۔ بہر حال کھیل کو د شرعاً اور عقلاً مناسب و مستحسن نہیں ہیں۔ پس محال ہے کہ بزرگ و برتر حضرات اسے اختیار کریں۔ لیکن جب سماع میں دل پر بیقراری اور دماغ پر خفقانی اثرات غالب ہو جائیں اور اضطراب قوتِ برداشت سے باہر ہو جائے تو رسم و ترتیب کا لحاظ اُٹھ جاتا ہے اور اس وقت یہ مضطربانہ حرکات نہ رقص ہوتی ہیں نہ اُچھل کود اور نہ دل بہلاوا۔ بلکہ وہ ایک جاں کنی کا عالم ہوتا ہے اور نہایت سخت ہوتا ہے۔ پس وہ شخص جو ان مضطربانہ حرکات کو رقص سمجھتا ہے راہِ تو اسے کوسوں دُور ہوتا ہے۔ یہ تو ایک ایسی حالت ہے جو زبان سے بیان نہیں کی جا سکتی جس نے چکھا ہی نہیں ہے وہ کیا جان سکتا ہے۔ تو اس گروہ سے ایسی حرکتیں جو سرزد ہوتی ہیں وہ ان کی حالت کا اضطراب ہے، رقص نہیں۔ اگر کسی کو شک و شبہ یا اعتراض ہو سکتا ہے تو رقص میں ہو سکتا ہے اضطراب میں نہیں۔ چنانچہ اشعار کا سننا اور حالت کا طاری ہونا احادیث سے ثابت ہے ان میں سے ایک صحیح حدیث یہاں بیان کی جاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا "یا رسول اللہ! آپ کو بشارت ہو کہ آپ کی امت کے درویش و فقرا امیروں کے

Marfat.com

اعتبار سے پانچ سو سال پیشتر بہشت میں داخل ہوں گے"۔ یہ خوش خبری سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور فرمایا "یہاں کوئی ہے کہ شعر سنائے"! ایک بدوی نے کہا "ہاں ہے یا رسول اللہ" آپ نے فرمایا "ھَاتِ ھَاتِ" (آؤ آؤ) اُس نے یہ شعر پڑھے:

لَقَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوٰى كَبِدِىْ فَلَا طَبِيْبَ لَهَا وَلَا رَاقِىْ

اِلَّا الْحَبِيْبُ الَّذِىْ شَغَفْتُ بِهٖ فَعِنْدَهٗ رُقْيَتِىْ وَتِرْيَاقِىْ

(میرے کلیجے پر محبت کے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ اس کے لیے نہ کوئی طبیب ہے اور نہ جھاڑ پھونک والا۔ مگر ہاں وہ محبوب جو مہربانی فرمائے اُسی کے پاس اس کا منتر اور تریاق ہے)۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تواجد فرمایا اور جتنے اصحاب وہاں تھے سب وجد کرنے لگے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک دوشِ مبارک سے گر پڑی۔ جب اس حال سے فارغ ہوئے معاویہ بن ابی سفیان نے کہا "کتنی اچھی ہے آپ کی یہ بازی یا رسول اللہ"۔ آپ نے فرمایا مَهْ يَا مُعَاوِيَةُ لَيْسَ بِكَرِيْمٍ مَنْ لَمْ يَهْتَزَّ عِنْدَ سَمَاعِ ذِكْرِ الْحَبِيْبِ (دُور ہو اے معاویہ وہ شخص کریم (یعنی سخی و بامروت) نہیں ہے جو دوست کا ذکر سنے اور جھوم نہ اُٹھے)۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک کے چار سو ٹکڑے کر کے حاضرین میں تقسیم کر دیے گئے۔ اور تواجد میں تالیاں بجانے کے متعلق حضرت عتبۃ الغلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کسی سے کوئی شعر سنا اور ہاتھ پر ہاتھ اتنا مارا کہ انگلیوں سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اور خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب فقیر سماع میں ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہے تو شہوات اُس کے ہاتھ سے خارج ہو جاتی ہیں۔ اور جب زمین پر پاؤں مارتا ہے تو پاؤں کے شہوات نکل جاتی ہیں۔ اور جب نعرہ مارتا ہے تو باطن کی شہوتیں باہر نکل جاتی ہیں۔ لیکن سماع میں نعرہ مارنا اُس وقت درست ہے جب باطن میں جذبات کا اتنا غلبہ ہو کہ اس پر قابو نہ پایا جا سکے۔ روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں قصہ کہہ رہے تھے کسی نے نعرہ مارا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے مناجات کے وقت فرمایا بِحُبِّىْ صَاحُوْا وَبِحُبِّىْ نَاحُوْا وَبِوُجْدِىْ رَاحُوْا فَلِمَ تُنْكِرُ عَلٰى عِبَادِىْ (وہ میری محبت میں نعرہ مارتے ہیں میری محبت میں روتے چلاتے ہیں اور میرے قرب سے راحت پاتے ہیں تم ان کو مت جھڑکا کرو) شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب السماع میں یہ روایتیں جمع کی ہیں۔ اب جانو کہ ان لوگو

ذوق وشوق کے اعتبار سے ہر ایک کا ایک خاص مقام اور مرتبہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی تائب سماع سنتا ہے تو حسرت وندامت کی کیفیت زیادہ ہوتی ہے۔ مشتاق کو شوقِ دیدار زیادہ ہوتا ہے۔ مومن کا یقین کامل ہوتا ہے۔ مرید کو بیان کی تحقیق حاصل ہوتی ہے۔ محبت کرنے والے کو تعلقات سے علیحدگی ہوتی ہے فقیر کے لیے ناامیدی کی بنیاد قائم ہوتی ہے تمام چیزوں سے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ سماع کی مثال سورج کی طرح ہے کہ ہر چیز پر اس کی روشنی یکساں پڑتی ہے لیکن ہر چیز اپنی استعداد اور ذوق ومشرب کے اعتبار سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ یہ کسی کو جلاتی، کسی کو چمکاتی، کسی کو بڑھاتی اور کسی کو پگھلاتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ایسی بے خودی اور بے خبری کی حالت میں قوال کے تال وسُر پہ رقص کرتے ہیں اور اُس کی آواز و نغمہ کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان نفسانی قوتوں اور خیالات وخواطر سے بے خبر ہوتا ہے تو اس کا دل زیادہ روشن اور قوی ہو جاتا ہے۔ اور جب نفس کمزور اور دل روشن ہو جاتا ہے تو لامحالہ ضرب سماع اور قوال کے نغموں کو بہتر جانتا اور سمجھتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ جب ان لوگوں کا سماع سچا اور حق کے لیے ہے تو چاہیے تھا کہ مقرب لوگوں کی صحبت میں بیٹھتے اور قرآن مجید پڑھتے، نہ کہ قوالوں کے گیت اور راگ سنتے کیونکہ قرآن کلام حق ہے اور اس کا سننا زیادہ بہتر ہے اس کا یہ جواب ہے کہ قرآن شریف کی قرأت سن کر بھی بہت ذوق وتواجد ہوتا ہے بلکہ اکثر آدمی اس کو سن کر بیہوش ہو جاتے اور بعض جان بھی دیدیتے ہیں۔ جیسا کہ کتابوں میں مسطور ہے۔ لیکن قاری کی جگہ قوال اور قرآن پاک کے عوض نغمے اس لیے سنتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیتیں عشاق کے دلی جذبات سے کُلّی مناسبت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ان آیتوں میں کفار کے قصے، معاملات کے احکام، دنیاوی امور کو سرانجام دینے کے طریقے اور دوسری بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔ جب قاری ان آیات کو پڑھے گا کہ ماں کو میراث میں چھٹا حصہ اور بہن کو آدھا حصہ ملے گا۔ یا یہ آیت پڑھے کہ شوہر کے مرنے پر بیوی کو چار مہینے دس دن عدت میں بیٹھنا چاہیے تو ایسے مضمون سے شوق ومحبت کی آگ تیز نہ ہوگی ہاں البتہ ایسا شخص جس پر عشق کا غلبہ اس درجہ ہو کہ ہر چیز کے سننے سے اس کو تواجد حاصل ہو، خواہ وہ مضمون اس کے مقصد سے دُور ہی کیوں نہ ہو تو اُسے تواجد ہوگا۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو قرآن یاد ہوتا ہے اور بہت پڑھا کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز زیادہ سنی جاتی ہے وہ اکثر حالات میں قرارِ دل ہو جاتی ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ زمانہ رسول

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم میں عرب آکر اول اول قرآن سنتے تھے تو روتے تھے اور ان پہ حال طاری ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کُنَّا کَمَا کُنْتُمْ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُنَا۔ (ہم بھی تمہاری طرح تھے، اب ہمارے دل جم گئے یعنی قرآن سنتے سنتے قرار و سکون آگیا۔ مگر سماع کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مکان، زمان، اخوان۔ مکان، چاہیے کہ مشائخ کی خانقاہ ہو یا کوئی پاک صاف ہوادار کشادہ اور روشن مقام ہو۔ اخوان، چاہیے کہ فقرا و درویش اور یارانِ باتمیز صحبت یافتہ اور ریاضت کشیدہ ہوں اور زمان یہ کہ دل تمام اشغال سے فارغ اور خالی ہو۔ مگر سماع کا ادب یہ ہے کہ جب تک ضروری نہ ہو سماع نہ کرے اور اس کو عادت نہ بنائے اور ہر وقت سماع میں مشغول نہ رہے تاکہ اس کی تعظیم و احترام دل سے نہ نکل جائے۔ اور چاہیئے کہ حرکت کی حالت میں کسی سے موافقت کی امید نہ رکھے۔ اور اگر کوئی موافقت کرے تو منع نہ کرے۔ اگر کوئی تواجد میں ہے تو اُس کے حال پر تصرف (چھیڑ چھاڑ) نہ کرے، اور اس کو اس شعر کے لطف و ذوق سے نہ ہٹائے جس سے وہ تواجد کر رہا ہے، کیوں کہ بڑی پریشانی اور بے برکتی کا باعث ہوتا ہے۔ اور اگر قوال خوش الحانی سے گا رہا ہے تو اس کی تعریف نہ کرے کہ اچھا گاتا ہے۔ اور اگر اچھا نہیں گاتا یا ناموزوں شعر پڑھتا ہے تو نہ کہے کہ بہتر اور درست ادا کر۔ اور اُس سے دل میں رنجیدہ نہ ہو اور شرم سے اُس کی طرف نہ دیکھے بلکہ خود صحیح اور درست سنتا رہے۔ اور اگر کسی جماعت پر سماع کی کیفیت طاری ہو اور تم کو اس سے کوئی حصہ نصیب ہو تو چاہیے کہ اپنی ہوشیاری میں اُن کی مستی اور بے خودی کو نیازمندی کے ساتھ دیکھتے رہو اور تعظیم بجالاؤ تاکہ اس کی برکتیں تمھیں بھی حاصل ہوں۔ اور اگر تم خود صاحب سماع نہ ہو تو چاہیے کہ کسی صاحب سماع اور صاحب قدم کے سایۂ دولت میں آجاؤ۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ تمام حاضرینِ محفل سر کو جھکائے رہیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں۔ اور دورانِ سماع بات چیت نہ کریں، نہ پانی پیئیں، نہ دائیں بائیں دیکھیں نہ ہاتھ پاؤں اور سر ہلائیں بلکہ نماز میں تشہد کی طرح باادب بیٹھے رہیں۔ دل کو خداوند تعالیٰ کی طرف کلیتہً متوجہ رکھیں اور منتظر رہیں کہ سماع کے سبب غیب سے اُن کے دل پر سرِ الٰہی منکشف کیا جائے۔ اور اگر کوئی وجد و حال کے غلبہ سے کھڑا ہو تو اس کی موافقت میں یہ لوگ بھی کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر اُس کی دستار یا ٹوپی گر جائے تو اٹھا کر رکھ لیں۔ یہ سب باتیں اگرچہ بدعت ہیں اور صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہیں۔ لیکن ہر بدعت

ممنوع نہیں ہے۔ بہت سی بدعتیں اچھی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ تراویح امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کی ہے اور یہ اچھی بدعت ہے۔ بدعتِ مذمومہ تو وہ ہوتی ہے جو سنت کی مخالف ہو۔ لیکن ایسے حسن اخلاق سے لوگوں کے دل کو خوش کرنا جس سے احکامِ شرعی میں کوئی نقص و خلل واقع نہ ہو محمود و مستحسن ہے۔ ہر قوم کی ایک عادت ہوتی ہے۔ ان کی اخلاقی عادات کی مخالفت کرنا بے تمیزی ہے۔ شریعت کا فتویٰ تو یہ ہے کہ خَالِقُوا النَّاسَ بِاَخْلَاقِھِمْ (لوگوں کے ساتھ ان کے اخلاق کے موافق اخلاق برتو)۔ اس برتاؤ سے قوم خوش ہوگی اور مخالفت سے متوحش ہو جائے گی۔ اس لیے ان کی موافقت کرنا سنت ہے۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے تھے تو اس طرح کھڑا ہونا وہ کراہیت سمجھتے تھے۔ کیونکہ عرب کی عادت دوسری ہے اور عجم کی عادت دوسری۔ پس ذکرِ سماع اور اُس کے احکام کے متعلق اس مکتوب میں جتنا کچھ لکھا گیا بہت کافی ہے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چورانویواں مکتوب ۹۴

مخلوق سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تمھیں فرمانبرداروں کی بزرگی عطا فرمائے۔ جانو کہ گوشہ نشینی اختیار کرنا اور مخلوق سے علیحدہ رہنا ایک مہم ہے تاکہ اطمینان کے ساتھ عبادت کرنے کا موقع ملے۔ جیسا کہ یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ مشائخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں ایک جماعت کے پاس پہنچا جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ لیکن ایک شخص اُن سے دُور تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس سے باتیں کروں۔ اُس نے کہا "میرے نزدیک باتیں کرنے کی بجائے خدا کا ذکر اچھا ہے"۔ میں نے کہا تم تنہا کیوں بیٹھے ہو؟ اُس نے کہا "میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور دو فرشتے"۔ اور اٹھ کر چلا گیا۔ اس طرح لوگوں سے میل ملاپ آدمی کو عبادت سے روک دیتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ آدمی کو ہلاکت و منسیت میں ڈال دیتا ہے۔ حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے مخلوق سے پانچ چیزیں طلب کیں لیکن نہ پائیں۔ میں نے لوگوں سے طاعت و زہد طلب کیا لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔

میں نے لوگوں سے کہا آؤ میری نیک کاموں میں مدد کرو! کسی نے نہ کی۔ میں نے لوگوں سے کہا جب میں نیک کام کروں تو تم مجھ سے راضی رہو، نہ رہے۔ میں نے کہا مجھے میرے کاموں سے منع نہ کرو۔ نہ مانے۔ میں نے کہا مجھے ان کاموں کی طرف نہ بلاؤ جس میں خدا کی رضا نہیں ہے اور اگر میں وہ کام نہ کروں تو مجھ سے دشمنی نہ کرو، مگر وہ کرتے رہے۔ پس میں نے ان کو ترک کر دیا۔ اور اپنے آپ میں مشغول ہو گیا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشہ نشینی کی تعریف فرمائی ہے اور عزلت پسندوں کو سراہا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ خدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ ہماری اور تمھاری مصلحتوں کے زیادہ جاننے والے اور ہم سے زیادہ ہماری بہتری چاہنے والے تھے۔ تو جب ایسا زمانہ آجائے جیسا حضور نے فرمایا ہے اور اس کی نشانیاں بتائی ہیں تو آپ کا فرمان بجالاؤ اور آپ کی نصیحتوں پر عمل کرو۔ اگر ایسا نہ کرو تو اپنی ہلاکت و بربادی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ فتنوں کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "جب تم دیکھو کہ لوگ اپنے قول و قرار اور وعدوں سے پھر جائیں اور امانتوں میں خیانت کرنے لگیں"۔ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ میں اس وقت کیا کروں؟" فرمایا۔ "اپنے گھر میں پڑے رہو، اپنی زبان کو قابو میں رکھو، جو کچھ جانتے ہو اُس پر عمل کرو، جو نہیں جانتے اُسے چھوڑ دو۔ تمھیں اپنے کام سے کام ہونا چاہیے۔ دوسرے کے کام سے واسطہ نہ رکھو"۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ زمانہ ہرج ہوگا۔ اصحاب نے پوچھا "یارسول اللہ ہرج کیا ہے؟" وہ زمانہ جس میں انسان اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے بھی بے خوف اور مطمئن نہ رہ سکے۔ اور ایک دوسری حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر سے کہ اگر تمھاری عمر طویل ہو تو تمھارے سامنے ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ خطیب اور واعظ زیادہ ہوں گے عمل کرنے والے کم۔ سائل زیادہ ہوں گے اور دینے والے کم۔ وہ زمانہ علم کی ڈینگ مارنے والا ہوگا۔ میں نے کہا کب آئے گا وہ زمانہ یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا۔ "اُس وقت جب لوگ نماز قضا کریں گے، رشوتیں قبول کریں گے اور دین کو دنیا کے تھوڑے داموں پر بیچ دیں گے۔ اے نیک بخت اس زمانے سے دُور رہنا۔ تو اے بھائی جو کچھ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے اپنے اِس زمانے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اب غور کرو کہ تم کو کیا کرنا چاہیے

Marfat.com

اس کے علاوہ اسلافِ صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اپنے زمانہ اور اہلِ زمانہ سے دُور رہنے پر اجماع ہے۔ انھوں نے خود گوشہ نشینی اختیار کی ہے اور اپنے مریدوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ نہایت ہی دانا و بینا ہوئے ہیں۔ اور اُن کے بعد کا زمانہ بہتر نہیں رہا ہی بلکہ اس سے بہت زیادہ خراب و تباہ ہو گیا ہے اور بد تر ہوتا جا رہا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے "اس خداوند رب العزۃ کی قسم کہ سوائے اس کے اور کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں گوشہ نشینی حلال ہو گئی ہے۔ تو اگر سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں گوشہ نشینی حلال تھی تو ہمارے زمانے میں چاہیے کہ واجب اور فرض ہو۔ نیز حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت کی گئی ہے کہ آپ نے عبّاد خواص رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا تھا کہ تم ایسے زمانے میں آپڑے ہو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین اُس سے پناہ مانگتے تھے کہ وہ یہ زمانہ نہ دیکھیں۔ حالانکہ انہیں کو وہ علم تھا جو ہم کو نہیں ہے۔ اُن کو مدد دینے والے تھے ہمارا کوئی ایسا مددگار نہیں ہے اور انھیں وہ قوتیں حاصل تھیں جو ہم کو نہیں ہیں۔ تو اس زمانے میں ہمارا کیا حال ہو گا، کہ ہم تھوڑا علم، تھوڑا صبر اور تھوڑی طاقت والے ہیں اور ہمارے مددگار بھی کم ہیں۔ اور خواجہ فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں زبان کو روکنا اور کسی جگہ چھپ کر بیٹھ جانا چاہیے اور اپنے دل کا علاج کرنا چاہیے۔ جو نہیں جانتے وہ نہ کہیں اور جو جانتے ہیں اُسے بھول جائیں۔ اور حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں روزہ رکھو اور آخرت میں افطار کرو، لوگوں سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ اور عبید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے کسی دانشمند کو نہیں دیکھا جس نے مجھے یہ وصیت نہ کی ہو کہ "اگر تم پسند کرتے ہو کہ تمھیں کوئی نہ پہچانے تو سمجھو کہ تمھارا خاص کام خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ دوسرے یہ کہ عبادات سے تمھیں جو برکات حاصل ہوتی ہیں لوگ تم سے مل کر اُسے باطل کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی وجہ سے تم کو ریا تصنع اور نام و نمود کا سامنا ہوتا ہے۔ اور حضرت خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ لوگوں سے بہت ملنا جلنا ریا و نمود کی بساط ہے اور تمام زاہدانِ گزشتہ اس سے ڈرتے رہے ہیں اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کیا ہے۔ اور روایت کرتے ہیں کہ ہرم ابن حیان نے حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا "اے اویسؓ آؤ ہم دونوں ایک ہی جگہ رہا کریں تاکہ

Marfat.com

ایک سے دوسرے کو فائدہ پہنچے۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کے لیے دعا کرنا ملاقات کرنے سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ زیارت و ملاقات رسم و ریا سے خارج نہیں ہوتیں۔ پس اہلِ زہد و ریاضت کا ایک دوسرے کی ملاقات کے متعلق یہ خیال و احتیاط ہے تو خود غرض اہلِ رعنت و لطالت بلکہ اہلِ شر و جہالت کی ملاقات کا کیا ذکر وہ تو اس زمانے میں قطعاً باطل ہو گئی ہے۔ الا ما شاء اللہ! آج کل کے عوام تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ وہ تم کو عبادات سے روک دیں گے۔ اول تو تم عبادات کر ہی نہ سکو گے اور اگر کچھ کرو گے تو وہ اُسے باطل کر دیں گے۔ اس لیے اس زمانے میں گوشہ نشینی واجب ہے اور لوگوں سے بھاگنا اور زمانہ کی تباہی سے خدا کی بارگاہ میں پناہ مانگنا ضروری۔ اے بھائی ہمیشہ اپنی شکستگی میں مگن رہو اور رنج و غم کے ساغر اور حسرت و اندوہ کے جام چڑھاتے رہو اور ایک لحظہ اپنی مصیبت سے فارغ نہ بیٹھو۔ بھلا کسی کا کیا منھ ہے کہ یہاں شاد و خرم رہ سکے جبکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کونین کے مقصود تھے اپنے وجود کی دردناکی سے یہ فریاد کرتے تھے یَا لَیْتَ رَبُّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (اے کاش محمدؐ کا پروردگار محمدؐ کو پیدا نہ کرتا)۔ ایک شخص حضرت عبداللہ مسعودؓ کے پاس آیا اور بولا: یَا لَیْتَنِیْ اَکُوْنُ مِنْ اَصْحَابِ الْیَمِیْنِ (اے کاش کہ میں اصحاب یمین میں ہوتا)۔ حضرت عبداللہ مسعودؓ نے فرمایا۔ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ اِذَا مِتُّ لَمْ اُبْعَثْ (اے کاش میں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہ کیا جاتا) اور صفحۂ ہستی سے میرا نام و نشان مٹ جاتا۔ اور کبھی خاک سے سر نہ اُٹھاتا۔ ایک شخص وہ ہے جو عبادت کرتا ہے اور ثواب کی لالچ رکھتا ہے۔ ایک وہ ہے جو گناہ کرتا ہے اور بخشش کی امید رکھتا ہے۔ اور ایک وہ ہے جو اپنے وجود سے شرماتا ہے اور دونوں جہاں میں منھ دکھانے کی ہمت نہیں کرتا۔ تمھارے لیے ضروری ہے کہ اپنی تعریف و تطہیر سے دُور رہو اور اپنے کو مردودوں اور بدبختوں میں شمار کرو۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وَمِنْ عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ اَنْ یُّحِبَّ الْمَدْحَ وَیَکْرَهُ الذَّمَّ (منافق کی پہچان یہ ہے کہ اپنی جھوٹی تعریف سے خوش ہو اور سچی مذمت سے ناراض ہو جائے)۔ والسلام

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنچانویواں مکتوب ۹۵

خلق سے جدا ہونے کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالٰے تمھیں اپنے تقویٰ کی بزرگی عطا فرمائے معلوم ہو کہ خلق سے کنارہ کشی اور لوگوں سے علیحدگی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ آدمی جس کی لوگوں کو کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی نہ علمی مباحث میں اور نہ احکامات کے بیان میں۔ ایسے آدمی کو چاہیے کہ لوگوں سے بالکل علیحدہ ہو جائے اور سوائے جماعت و نماز جمعہ و عیدین اور فریضۂ حج اور علمی اور ضروری مجالس کے لوگوں سے میل جول نہ رکھے اور اپنے کو چھپالے اور اس طرح بیگانہ ہو جائے کہ نہ وہ کسی کو پہچانے اور نہ کوئی اُسے پہچان سکے۔ لیکن اگر وہ شخص چاہے کہ لوگوں سے اس طرح قطع تعلق کرلے کہ دین و دنیا کے کسی کام میں شریک نہ ہو اور اپنی خاص مصلحتوں کی بنا پر جن کو وہ خود ہی جانتا ہے جمعہ اور جماعت وغیرہ میں بھی (جن کا ذکر اوپر کیا گیا) ترک کر کے گوشہ نشین ہو جائے تو اُس کے لیے جائز نہ ہوگا، بجز اس کے کہ ان دو باتوں میں سے ایک اختیار کرے۔ ایک یہ کہ کسی ایسی جگہ قیام کرے جہاں جمعہ اور جماعت واجب نہ ہو، جیسے کوہستان اور جزیرے۔ اور شاید اسی وجہ سے اکثر بزرگوں نے آبادی سے دُور ایسی جگہوں پر سکونت اختیار کی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ فی الحقیقت اس بات کو جانتا ہو کہ وہ نقصانات و مضرات جو جمعہ و جماعت میں لوگوں سے ملنے جلنے کی وجہ سے ظاہر ہوں گے وہ جمعہ اور جماعت کے ثواب سے زیادہ ہیں۔ پس جب ثواب کے اعتبار سے گناہ زیادہ نظر آئیں بالضرور اس کی اجازت ہوگی کہ جمعہ اور جماعت کو ترک کرے۔ نقل ہے کہ مکّہ میں ایک صاحب علم بزرگ تھے وہ جماعت وجمعہ کے لیے مسجدِ حرام میں حاضر نہ ہوتے اور بظاہر کوئی عذر مانع بھی نہ تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ لوگوں کے میل جول سے جو گناہ ہوتا ہے وہ جمعہ و جماعت کے ثواب سے زیادہ ہے۔

لیکن درمیانہ طریق کار جو بزرگوں نے کہا ہے یہ ہے کہ جمعہ جماعت اور نیک کاموں میں لوگوں سے میل جول کرے اور اس کے علاوہ سب سے الگ تھلگ رہے۔ اور جو آدمی شہر میں رہ کر جمعہ اور جماعت میں شریک نہ ہو یہ بڑی جرأت کا کام ہے یہ بڑی دقیق نظری اور علمِ کامل سے تعلق رکھتا ہے۔

Marfat.com

ہر شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک ایسا آدمی جو علم میں مقتدا ہو اور دین کے کاموں میں لوگ اُس کے محتاج ہوں اور حقوق کے بیان یا بدعتوں کو رد کرنے یا دین کی طرف اپنے قول و فعل کے ذریعہ دعوت مقصود ہو تو ایسے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے بالکل علیحدگی اختیار کرے بلکہ ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان میں رہے اور بندگان خدا کو نصیحت کرے، اور احکام آخرت بیان کرے۔ روایت ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بدعتیں ظاہر ہوں اور عالم خاموش رہے تو ایسے عالم پر خدا کی لعنت ہے۔ اُس کے لیے گوشہ نشینی جائز نہیں بلکہ لوگوں کے درمیان مل جل کر رہنا لازم ہے۔ روایت ہے کہ استاد ابوبکر فورک رحمۃ اللہ علیہ نے ارادہ کیا کہ لوگوں سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کریں اور خدا کی عبادت میں مشغول ہوں۔ آپ کوہسار سے گزر رہے تھے کہ ایک آواز سنی "اے ابوبکر تجھے خداوند تعالےٰ نے مخلوق پر اپنا دوست بنایا ہے تو بندگانِ خدا سے کیوں کنارہ کش ہوتا ہے"۔ تو آپ اپنے ارادے سے باز آئے اور لوگوں کے درمیان زندگی گزارنے لگے۔ نقل کرتے ہیں کہ استاد ابوبکر اسحق رحمۃ اللہ علیہ نے لبنان کی پہاڑیوں میں رہنے والے عابدوں سے فرمایا "اے گھاس پات کے کھانے والو! تم نے امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہے اور یہاں گھاس کھانے میں مشغول ہو"۔ انھوں نے کہا "ہم لوگوں کو عام مخلوق کی صحبت برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو یہ قوت دی ہے آپ پر واجب ہے کہ آپ ان کو نصیحت کریں"۔ تو ایسا شخص اگر لوگوں کے ساتھ رہ کر حق خدمت ادا کرے تب بھی آخرت کے لیے نیکیوں کا ذخیرہ کرنے کا محتاج ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ "اگر میں راتوں کو سویا کروں تو گویا میں نے اپنے آپ کو ضایع کر دیا۔ اور اگر دن کے وقت سو جاؤں تو گویا میں نے رعایا کو ضایع کر دیا"۔ اور اس طرح کی زندگی بسر کرنا کہ جسم (یعنی ہاتھ پاؤں) مخلوق کے ساتھ ہو اور دل اُس سے دُور رہ کر خدا میں مشغول رہے یہ بہت دشوار ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب دنیا میں فتنہ و فساد کی آندھیاں چلنے لگیں اور دین کے کام ایسی غفلت میں پڑ جائیں کہ عالم کو لوگ تلاش نہ کریں اور تلاش بھی کریں تو اس سے دین کا فائدہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو تو اس وقت عالم معذور ہوگا اور گوشہ نشینی جائز ہوگی۔ وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے علم کو دفن کر سکتا ہے۔ یہ ہے گوشہ نشینی اور لوگوں سے علیحدہ ہو جانے کا بیان۔ ... طرح سمجھ لو۔

Marfat.com

اس کے بڑے بڑے فائدے ہیں اور ضرر و نقصان بھی بہت زیادہ ہے۔ اگر کوئی کہے کہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمھیں جماعت کے ساتھ رہنا ضروری ہے کیونکہ جماعت پر خدا کی رحمت ہے۔ اور شیطان آدمی کے لیے بھیڑیا ہے تنہا رہنے والے کو اُٹھا لے جاتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ رہتا ہے اور جہاں دو آدمی ہوں شیطان اُن سے دُور بھاگتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے لیکن فتنہ و فساد کے دنوں میں گوشہ نشینی اور لوگوں سے دُور رہنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اور آپ کے اقوال میں تناقض (یعنی ایک دوسرے سے نقص اور مخالفت نہیں ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ جمعہ اور جماعت میں لوگوں سے جدا نہ ہو تو ہم خود کہہ چکے ہیں کہ گوشہ نشینی کا حق یہ ہے کہ تمام نیکیوں میں لوگوں کے ساتھ شریک ہو اور باقی اُن سے خلا ملا اور دوسرے کاموں میں اُن کی آفتوں سے بچنے کے لیے پرہیز اختیار کرے۔ نیز فرمایا ہے کہ زمانہ فتنہ و فساد کے علاوہ جماعت کے ساتھ رہنا تمھارے لیے لازم ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ کمزور طبیعت انسان کو تنہا نہیں رہنا چاہیے۔ لیکن مضبوط دل اور صاحب بصیرت انسان جب ایسے فتنہ فساد کے زمانے کو دیکھے جس کی نشانیاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دی ہیں اور اپنی امت کو پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے، گوشہ نشینی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے اُسے چاہیے کہ جمعہ اور جماعت کے علاوہ گھر سے باہر نہ نکلے اور تمام نیک کاموں میں شریک ہوا کرے تاکہ اس کے ثواب سے بھی محروم نہ رہے کہ جماعت کا ثواب بہت زیادہ ہے اگرچہ لوگ اس کی وجہ سے تباہ و برباد بھی ہوئے ہیں۔ ابدالوں کے حالات سے روایت کی جاتی ہے کہ وہ جمعہ اور جماعت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے رہبان (تارک الدنیا) وہ لوگ ہیں جو مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تو اس کا مقصد بھی لوگوں سے دُور رہنے کی ممانعت ہے۔ اس کا جواب بھی فتنہ و فساد کے زمانے کے سوا ہے۔ اور کوئی ہرج نہیں ہے اگر مسجدوں میں بیٹھ جائیں مگر لوگوں سے میل جول نہ رکھیں۔ اور اگر رکھیں تو اس طرح کہ تن بدن ان کے ساتھ مگر دل ان سے جدا رہے۔ گوشہ نشینی کا اصل مقصد یہی ہے نہ کہ تن بدن سے دُور رہنا۔ اے بھائی اگر کوئی چیز زیادہ قیمتی ہے اور تم غریب مفلس ہو کہ خرید نہیں سکتے پھر بھی اس کی آرزو اور خواہش کرنا تو مباح ہے .... اگر گھر کے اندر آب پاشی کریں تو سبزی اور گھاس نہ اُگے گی مگر ٹھنڈک تو ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی دروازہ کھل جائے تو کیا عجب!

Marfat.com

غریب نانبائی محنت و مصیبت جھیلتا ہے، کپڑے سیاہ کرتا ہے اور تنور کی آگ میں جلتا ہے لیکن روٹیاں کوئی دوسرا کھاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اَرِنِیْ کہا اور تیغِ لَنْ تَرَانِیْ کا مزا چکھا اور پتھر کے ٹکڑے کو یہ دولت و خلعت ملی۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (جب اُس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی فرمائی) اگر تم نہیں پلٹتے تو تمھارے لیے اس کا حکم نہیں ہے۔ رنجیدہ نہ ہو، اپنا دل خوش رکھو۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ جو تم نے چاہا تھا اگر تم کو دے دیا جاتا تو ہمارے جمال میں کوئی کمی نہ ہو جاتی اور نہ ہمارے جلال میں کوئی نقصان ہوتا۔ لیکن بیچارہ پہاڑ تمھارے غم میں مبتلا ہو جاتا۔ مگر ہمیں تو تمھارے ساتھ ابھی سروکار باقی ہے ؎

آسان آسان ترا نہ بگذارم من		بازلف ولب تو کارہا دارم من

(میں تجھے آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ تیری زلف ولب سے مجھے بہتیرے کام ہیں)۔ اے بھائی! اگر حضرتِ آدم علیہ السلام کو گیہوں کے بہانے نہ پکڑتے تو اُن کے جلال کے لیے کوئی نقصان نہ تھا۔ اور اگر موسیٰ علیہ السلام کو دیدار کراتے اور جلوہ دکھا دیتے تو اُس کی شانِ جمال میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی لیکن کمالِ حسن و جمال کا یہی تقاضا ہے کہ ہزاروں عاشق نالہ و فغاں میں مصروف اور قہرِ جدائی کی زنجیروں میں مقید رہیں تاکہ حسن و جمال کی عزت ظاہر ہو۔ جس رات تمھارے سر میں درد ہو اس درد کی جان و دل سے خدمت کرو۔ کیونکہ جو دردِ سر اُس کی طرف سے ہو وہ سرسری نہیں ہوتا۔ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو وحی بھیجی گئی کہ اے عزیر اگر میری قدرت و مشیئت سے تم کو زردآلو ملے تو تم اس کی طرف حقارت سے نہ دیکھو، یہ دیکھو کہ روزی تقسیم کرنے کے وقت تم مجھے یاد تھے ؎

نامِ دلم اے نگار در دفترِ تست		شادم ہست بہر آنچہ بارے از لشکرِ تست

(اے محبوب تیرے دفتر میں میرا نام ہے۔ میں خوش ہوں کہ آخر میں تیرا ہی لشکری ہوں)۔ والسلام

—— ⁘ ——

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چھیانویں مکتوب ۹۶

چلہ کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین معلوم ہو کہ چلے میں بیٹھنے سے اس قوم کی کوئی خاص غرض ایسی نہیں ہے جو بغیر چلے کے حاصل نہ ہو سکے لیکن چونکہ دوسری مشغولیتوں سے ان کے اصل کام میں خلل پڑتا ہے اس لیے چلہ کر کے پابند ہو جانے کو اچھا سمجھتے ہیں تاکہ ان کے تمام اوقات چلے کے حکم میں منضبط ہو جائیں کہ یہ ہر وقت ہمت کے ساتھ چلے کی صفات سے متصف رہیں، اس لیے کہ یہ چلہ خداوند تعالیٰ کے ذکر و عبادت کے لیے مخصوص ہے۔ جیسا کہ شریعت کا فتویٰ ہے مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ (جو شخص چالیس رات دن اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دے حکمت کے چشمے اُس کے دل سے اُس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے مباحات کی زیادتی اور دنیاوی کاموں سے انقطاع کے لیے حکم فرمایا ہے۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (ہم نے موسیٰ سے تیس رات دن کا وعدہ کیا پھر ہم نے دس دن اور بڑھا کر اُس کو پورا کر دیا۔ پس انھوں نے اپنے پروردگار کا حکم چلہ کر کے پورا کیا) اور یہ ایک مہینہ ذلقعدہ کا اور دس دن ذی الحجہ کے تھے۔ اس کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ اور سنو! موسیٰ علیہ السلام کا روزہ ایسا نہیں تھا کہ دن کو روزہ رکھتے اور شام کو افطار کرتے بلکہ چالیس رات دن بغیر کچھ کھائے پیے گزار دیے۔ اس دلیل سے معدہ کو غذا سے خالی رکھنا ایک بڑا مجاہدہ ہے اور تزکیہ کی یہی اصل ہے۔

اسی چلے کی بدولت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کی استعداد حاصل ہوئی۔ جو کوئی خلوص دل سے دنیاوی کاروبار کو چھوڑ کر خدا کے ذکر میں مشغول ہو جائے اور اپنے نفس کو خالی پیٹ کے ساتھ باندھ دے تو اللہ تعالیٰ علوم من لدنی کا دروازہ اُس پر کھول دیتا ہے۔ لیکن چالیس دن کے تعین میں کیا حکمت ہے کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں پیغمبروں کو اس کا علم ہوگا کیونکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و مہربانی سے اُن کی تعریف فرمائی ہے۔ یا اولیاء اللہ میں سے وہ واقف ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کے لیے مخصوص کیا ہوگا۔ لیکن عوارف میں جو کچھ

لکھا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک سے پھر اُن کی مٹی کو اتنے عرصہ تک خمیر مایہ کیا جیسا کہ خود صاحبِ شریعت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ طِیْنَۃَ اٰدَمَ بِیَدِہٖ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا۔ (اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی مٹی کو بغیر واسطہ اپنے دستِ قدرت سے چالیس دنوں تک خمیر کیا)۔ یہاں تک کہ آدم علیہ السلام میں دونوں جہان کے تعمیر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی جس طرح اُن سے بہشت کی آبادی مطلوب تھی دنیا کی آبادی بھی مطلوب تھی اس لیے ان کو خاک سے پیدا کیا۔ اور چالیس روز اس لیے اُن کی مٹی خمیر کی گئی کہ چالیس دنوں کی مدت میں چالیس حجاب اُن سے دُور ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے دربار سے ہر ایک حجاب میں ایک خاص معنی پوشیدہ کیے گئے ہیں اور اسی سے دنیا تعمیر کرنے کی سازگاری حاصل ہوتی ہے، اور حضرتِ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے مقامِ قرب تک پہنچنے میں دیر لگتی ہے۔ اگر دیر نہ ہو تو ان حجابات کے واسطے سے دنیا کی آبادی ممکن نہ ہو۔ پس مقامِ قرب سے دُور ہونے کی وجہ سے دنیا کی تعمیر کے لیے حکمت و خلافت و نیابت زمین میں قائم ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہر کام سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور سامانِ معاش سے منھ پھیر لینے سے وہ حجابات جو اُس کی ذات میں پوشیدہ ہیں ہر روز اُٹھتے جاتے ہیں اور جس قدر حجابات اُٹھتے جاتے ہیں اسی قدر کشش و ترقی حاصل ہوتی ہے۔ اور قربِ خداوندی کا مقام نصیب ہوتا ہے جو سارے علوم کا مرکز و مجمع ہے۔ پس جب چالیس دن پورے ہوتے ہیں تو تمام حجابات دُور ہو جاتے ہیں اور اُس پر علوم و معارف کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اب معلوم کرو کہ چلّے کی صحت و تاثیر کی علامت اُس کے اخلاص و وفا کی شرائط پر منحصر ہے۔ اور اُس کی شرائط یہ ہیں کہ دنیا میں پوری پرہیزگاری اختیار کرے، سراپے غرور سے دُور رہے اور سراپے سرور میں قدم رکھے کیونکہ ظہورِ حکمت کے لیے دنیا میں زہد اختیار کرنا ضروری ہے۔ جو شخص دنیا میں پرہیز نہیں کرتا اُس پر حکمت ظاہر نہیں ہوتی جس کو چلّہ کے بعد بھی حکمت ظاہر نہ ہو اُسے جاننا چاہیے کہ چلّے کی شرائط میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ اب معلوم کرو کہ ایک گروہ نے خلوت گزینی اور چلّہ نشینی کے طریق میں غلطی کی ہے اور نقصان اُٹھایا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کسی پیشوائے کامل کی رہنمائی کے بغیر خلوت اختیار کرتے ہیں اور شیطان کے تصرف میں آجاتے ہیں۔ وہ سن چکے ہوتے ہیں کہ مشائخ صوفیہ نے خلوت اور چلّہ نشینی اختیار کی ہے اور اس سے ان کو کمالات اور عجیب و غریب فوائد حاصل ہوئے ہیں اور مکاشفات کے دروازے کھل گئے ہیں تو یہ لوگ بھی

Marfat.com

اسی ہوس اور غرض کو لے کر خلوت نشینی اختیار کرتے ہیں اور یہ بڑا فریب اور سخت گمراہی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ان بزرگوں نے اپنے دین کی سلامتی کے لیے خلوت و تنہائی اختیار کی ہے۔ وہ اس تنہائی میں اپنے نفس کے حالات کو تلاش کرتے ہیں اور خلوصِ نیت کے ساتھ اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ پس یہ غلطی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ وہ بغیر کسی مقتدا اور پیر کامل کے سایے کی وساطت کے اپنی عقلِ خام سے اس راستے میں قدم رکھتے ہیں (اس لیے نقصان اٹھاتے ہیں) خواجہؒ عطار کی روح پر رحمتوں کی بارش ہو کہ اس معنی کی طرف خوب اشارہ کیا ہے۔ مثنوی۔

گر تو اے دل طالبی در راہِ اُو | می نگر از پیش و پس آنگاہ رُو
سالکاں را بین بہ درگاہ آمدہ | جملہ پشتا پشت ہمراہ آمدہ
تو چہ دانی تا کدامی رہ رَوی | وز کدامی رہ بدان درگہ شوی
ہست با ہر ذرّہ درگاہے دگر | پس بہ ہر ذرہ بدو راہے دگر

(اے دل اگر تجھے اُس کے راستے کی تلاش ہے تو آگے پیچھے اچھی طرح دیکھ کر قدم اُٹھا۔ اس راہ کے چلنے والوں کو دیکھ کہ سب کے سب گروہ در گروہ ایک ساتھ اس کے دربار میں پہنچ رہے ہیں۔ تو کیا جانے کہ کس راستے پر چل رہا ہے اور کس راستے پر چل کر اُس کے دربار میں حاضر ہوگا۔ تجھے معلوم نہیں کہ ہر ہر ذرے میں اس کا ایک جداگانہ دربار ہے اور ہر ذرّے سے اُس کے دربار میں پہنچنے کا ایک نیا راستہ ہے)۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے استقامت چاہتا ہے اور تو خدا سے کرامت مانگتا ہے۔ اور صدیقوں پر جو کچھ اُن کے شوق اور صدقِ فراست کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے اور آیندہ پیش آنے والے حالات و واقعات اُن پر روشن ہو جاتے ہیں اور بعض لوگوں پر اس طرح کا انکشاف نہیں ہوتا تو اس میں ہرج یا عیب نہیں ہے بلکہ ہرج و عیب اس وقت ہے جب اُن کا حال استقامت سے پھر جائے۔ اور صدیقوں پر جو باتیں منکشف ہوتی ہیں وہ اُن کے یقین کی زیادتی کا سبب ہوتی ہیں اور ان کے مجاہدے کی سچائی اور اخلاقِ حمیدہ متخلّق ہونے کی دلیل ہوتی ہیں۔ اور اگر کسی ایسے شخص پر اس طرح کی باتیں ظاہر ہوں جو اوامر و احکام شریعت کا پابند نہیں ہے تو یہ اُس کے بُعد کو بڑھانے والی اور حماقت و غرور کا موجب ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ اپنی نگاہ میں لوگوں کو حقیر و مجبور سمجھتا ہے، اور یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اسلام کا حلقہ اس کی گردن سے نکل جاتا ہے اور

Marfat.com

حدودِ احکام اور حرام و حلال سے انکار کرنے لگتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ عبادت کا مقصد صرف یہ ہے کہ خدا کا ذکر کرے اس لیے سنّت کی پیروی ترک کر دیتا ہے اور الحاد و زندقہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اسی فرقہ کی ایک جماعت ایک عرصہ خلوت و ریاضت میں مشغول رہ کر اس غرور میں مبتلا ہو جاتی ہے کہ وہ غیبی آواز سنتے ہیں اور جو خیال اُس کے دل میں گزرتا ہے اُسے خواب کی طرح دیکھتے ہیں تو یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ جب پر یہ حالات وارد ہوں وہ انتہا کو پہنچ گیا اور کامل ہو گیا۔ اب اُسے کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسی کو وہ وصال کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا ہے جس کے لیے عبادات اور ترکِ معصیت کی ضرورت تھی اب ہمارے لیے گناہ کا ارتکاب اور نماز و عبادات ترک کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے اور یہ شعر پڑھا کرتے ہیں۔ رباعی۔

درکوے خرابات چہ درویش چہ شاہ — درراہِ یگانگی چہ طاعت چہ گناہ

برکنگرہ عرش چہ خورشید چہ ماہ — رخسارِ قلندری چہ روشن چہ سیاہ

(شراب خانے میں بادشاہ اور فقیر کی کوئی تمیز نہیں سب برابر ہیں۔ اور اتحاد و یگانگی کے راستے میں عبادت اور گناہ یکساں ہیں۔ عرش کی بلندی پر سورج اور چاند مساوی ہیں اور مست قلندر فقیر کا چہرہ سفید ہو یا سیاہ کوئی فرق نہیں ہوتا)۔ یہ نادان اتنے حقیر اور مفلس ہوتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی بات میں ان کی بزرگی اور شان کا پاس و لحاظ نہ کرے یا اُن کے پیٹھ پیچھے ان کے کسی عیب یا نقصان کا ذکر کرے تو تمام عمر اُن کے دشمن ہو جائیں گے باوجود یکہ اُن کو اپنے کمال کا دعوے ہوتا ہے اور ظاہر کرتے ہیں کہ غصّہ اور غرور کی صفات سے وہ پاک و صاف ہو چکے ہیں بس یہ نادان اگر مردِ کامل ہو چکے ہوتے اور ریاضت و مجاہدہ سے ان کو پورا فائدہ ہوا ہوتا تو ایسی باتوں کی پروا نہ کرتے جب وہ خود ایسی صفتوں میں مقید ہیں تو انھیں کمال کا دعویٰ کرنا زیب نہیں دیتا۔ یا یہ کہ اگر کوئی شخص فی الواقع ایسا ہو گیا ہے کہ عداوت، غصّہ اور شہوت کا شائبہ اس میں باقی نہیں رہ گیا ہے اور اس طرح کی باتیں زبان پر لاتا ہے تو مغرور ہے۔ کیونکہ کسی حالت میں اس کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے درجہ سے آگے بڑھنے کی مجال نہیں رکھتا۔ اور پیغمبران علیہم السلام میں یہ صفت موجود تھی کہ وہ اپنی خطا و ذلّت پر گریہ و زاری کرتے تھے اور صدیق لوگ صغیرہ گناہوں سے بھی پرہیز کیا کرتے تھے۔

اور اس شک و شبہ میں کہ یہ کھانا جو بظاہر حلال سمجھا جاتا ہے کہیں مشتبہ نہ ہو اُس حلال غذا کو بھی چھوڑ دیتے تھے اور ہمیشہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے راستے پر چلتے تھے۔ اور یہ لوگ اپنے کام کے خوف و خطر کی وجہ سے ہر وقت اپنی موت اور نیستی چاہتے تھے۔ لیکن یہ نادان و احمق لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ شیطان کے قابو سے باہر ہیں۔ اور ان کا مرتبہ پیغمبروں کے مرتبے سے زیادہ ہے (نعوذ باللہ) اور جن باتوں سے پیغمبروں کو نقصان ہوتا تھا ان کو نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کچھ کیا ہے خلق کی نصیحت اور فائدے کے لیے کیا ہے تو اُن کو جاننا چاہیے کہ اگر ایسا ہوتا تو صدقے کے ایک کھجور کو منہ میں چبا کر کیوں تھوک دیتے۔ اگر کھا جاتے تو اس سے خلق کو کیا نقصان پہنچ سکتا تھا جبکہ عام لوگوں کے لیے صدقہ حلال ہے۔ مگر بزرگانِ دین تو ابتدا ہی جانتے ہیں کہ جس کی خواہشاتِ نفسانی مغلوب و مقید نہیں ہیں وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ اے بھائی آدمی کا نفس بڑا ہی مکار اور فریبی ہے۔ ہمیشہ جھوٹے دعوے کرتا اور ڈینگیں مارا کرتا ہے کہ ہمارے نفس کی خواہشات مغلوب ہو چکے ہیں تو اُس سے اس دعوے کی دلیل مانگنا چاہیے۔ یقیناً اُس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی جب تک کہ اپنے حکم و ارادے سے قدم روک کر شریعت کے فرمان کے مطابق نہ چلے گا۔ اگر وہ پوری رغبت کے ساتھ شرعی احکامات پر کاربند ہے تو بیشک سچ کہتا ہے۔ اور اگر احکامِ شرعی میں رخصت اور تاویلیں تلاش کر کے اپنی خواہشات کی موافقت کرتا ہے تو وہ بدبخت ابھی تک نفس کی قید میں اسیر ہے۔ اگر اُس پر غصہ اور غضب غالب ہے تو وہ آدمی کی صورت میں کتّا ہے، اگر پیٹ کا بندہ ہے تو جانور اور چوپایہ ہے، اگر شہواتِ نفسانی میں مقید ہے تو سؤر ہے اور اگر لباس و آرائش اور شان و تجمل میں مبتلا ہے تو وہ مرد کی صورت میں عورت ہے۔ لیکن جس نے اپنے آپ کو شریعت کے احکام سے سنوارا اور آزمایا ہے اور اپنی لگام شریعت کے ہاتھ میں دیدی ہے جس طرف شریعت اُسے موڑتی ہے مڑ جاتا ہے اُس وقت اس کی صفتیں مغلوب و مقید ہو جاتی ہیں۔ پس جو لوگ اربابِ بصیرت تھے انھوں نے اپنے کاموں کی حقیقت کو جیسی کہ ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، اور اپنی آخری سانس تک تقوے کی لگام اپنے نفس سے ڈھیلی نہیں کی ہے اور اُسے سختی سے روکے رکھا ہے۔ ایک بزرگ نے نزع کے عالم میں شیطان کو دیکھا۔ شیطان نے کہا "جاؤ، تم میرے ہاتھ سے بچ کر نکل گئے"۔ انھوں نے کہا "ابھی نہیں، ابھی تو ایک سانس باقی ہے"۔ پس صاحبانِ دین اور اربابِ علم و یقین نے اپنی

Marfat.com

عاقبت کو اس نظر سے دیکھا ہے اور خطرات کو ایسے محسوس کیا ہے۔ اے مجبور و ناتواں یہ کام تیرے دست و بازو کے لائق نہیں۔ اگر ہو سکے تو زندگی کی باقی سانسوں کو کسی بزرگ کے جوتوں کے سایے میں گزار دے۔ اور یہ نہ کر سکے تو اپنی بھلائی سے ہاتھ دھو ڈال ؎

ہر کہ شد در کارِ صاحب دولتے نہ بُدش در راہ ہرگز خجلتے
تا نیفتد بر تو مردے را نظر از وجودِ خویش کے یابی خبر

(جو شخص کسی بزرگ صاحب دولت کے سایے میں آ گیا اُس کو راستے میں کسی طرح کی شرمندگی کا سامنا نہ ہوگا۔ جب تک تیرے اوپر کسی مردِ کامل کی نظر نہیں پڑتی تو تجھے اپنے وجود کی بھی کوئی خبر نہیں ہو سکتی)۔ اے بھائی اس راستے میں صدیقوں کے پتے پانی ہو چکے ہیں اور کبر و غرور میں مبتلا لوگ غفلتوں کی مسند پر بیٹھ کر زمانے کی نیرنگیوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یا رسول اللہ میں نہیں جانتا کہ خدائے تعالیٰ نے ازل میں میرے متعلق بھی وہی جانا ہے جو ابلیس کے حق میں جانا ہے"۔ یہ حیرت سبھوں کو ہوتی رہی ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تَعْلَمُ مَا فِی نَفْسِی وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِی نَفْسِكَ (تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے) کہا جاتا ہے کہ انبیاء اور صدیق لوگ ہر چند کہ بے خوف ہوتے ہیں اور انھیں عاقبت و خاتمت کی فکر لاحق نہیں ہوتی۔ پھر بھی عبادت میں کوتاہی اور تقصیر میں شرمندگی سے ضرور ڈرتے ہیں اور اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ اُن سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے کہ عتاب و ملامت کے مستحق ہو جائیں۔ کیونکہ مقامِ قرب میں عتاب و ملامت مقامِ بُعد کے اعتبار سے نہایت سخت اور دشوار تر ہوتی ہے اسی راز کو اس شعر میں بہت خوب بیان کیا ہے ؎

منم اندریں تفکر بہ تامل و تدبر شب و روز در تحیر کہ شود چگونہ حالم

(میں رات دن اسی ادھیڑ بُن اور سوچ بچار میں حیران و پریشان رہتا ہوں کہ میرا کیا حال ہوگا) اسی مقام پر کہا جاتا ہے کہ عارف کا پہلا درجہ حیرت سے شروع ہوتا ہے اور آخری درجہ بھی حیرت پر تمام ہوتا ہے پہلی حیرت شکرِ نعمت میں ہوتی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی پر نوازش و احسان اس درجہ کرے کہ وہ شرم کی وجہ سے حیران و سرگرداں ہو جائے۔ اور دوسری حیرت وہ ہوتی ہے کہ وہ بالیقین جان لیتا ہے کہ

Marfat.com

میں خواہ کتنی ہی نیازمندی بجالاؤں میری نیازمندی وصال کا سبب ہرگز نہ ہوگی۔ اس لیے اول بھی حیرت ہوتی ہے اور آخر بھی حیرت ہوتی ہے۔ جیسا کسی حیران و سرگردان حال نے کہا ہے ؎

بہ ثواب اہلِ جنت بعقاب اہلِ دوزخ　　من ازیں میاں ندانم کہ کیانم از کدانان

(اہلِ جنت ثواب میں ہیں اور اہلِ دوزخ عذاب میں۔ ان دونوں کے درمیان میں کون ہوں اور کس میں ہوں، یہ میں نہیں جانتا)۔ والسلام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ستانویواں مکتوب ۹۷

موت کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین معلوم ہو کہ آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک حریص لالچی، دوسرے تائب مبتدی، تیسرے عارف منتہی۔ حریص لالچی موت کو یاد نہیں کرتا۔ اور کبھی یاد کرتا بھی ہے تو اس لیے کہ اپنی دنیا کے چھوٹ جانے پر افسوس کرے اور دنیا ہی کی بھلائی میں مشغول رہے۔ ایسے شخص کو موت کی یاد بھی خدا سے دُور کر دیتی ہے۔ لیکن تائب مبتدی موت کو اس لیے یاد کرتا ہے کہ اُس کے دل میں خوف و خشیت پیدا ہو اور وہ پوری طرح توبہ پر استقامت حاصل کرے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ موت سے نفرت کرتا ہے اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اتمامِ توبہ، اصلاحِ اعمال اور توشۂ آخرت جمع کرنے سے پہلے ہی موت نہ آجائے۔ اور اس طرح موت سے نفرت کرنے میں وہ معذور و معاف ہے اور اس وعید کے حکم میں نہیں آتا کہ مَنْ کَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہِ کَرِہَ اللّٰہُ لِقَآئَہٗ (جس نے خدا کے دیدار سے کراہت کی اللہ تعالیٰ اس کو دیکھنا پسند نہیں فرماتا)۔ کیونکہ وہ خدا کے دیدار سے کراہت نہیں کرتا بلکہ اپنی تقصیر اور دیدارِ الٰہی کے فوت ہو جانے سے ڈرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اپنے محبوب کے دیدار میں اس لیے توقف کرتا ہے کہ دیدار کی استعداد حاصل کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے تاکہ وہ ایسے بہتر طریقے سے دیدار کرے کہ اُس کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ اس کو دیدار سے کراہت کرنے والا نہ جانیں بلکہ دیدار کی شرائط پورا کرنے میں ہمہ تن منہمک رہتا ہے۔ اگرچہ یہ شرائط بذاتِ خود دیدار نہیں مگر دیدار کے اسباب ہیں اس لیے یہی اس کی دوستی کی علامت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اسی دُھن میں لگا رہتا ہے اور کسی دوسر

کام کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ لیکن عارف منتہی ہمیشہ ہر آن موت کو یاد کرتا ہے کیونکہ موت لقائے دوست کی وعدہ گاہ ہے اور عاشق کبھی دوست کی وعدہ گاہ کو فراموش نہیں کرتا۔ اور اپنی تمام حالتوں میں موت کو پسند کرتا بلکہ محبوب رکھتا اور اُس کے لیے بیقرار رہتا ہے تاکہ اس سرائے معاصی کی قید سے رہا ہو کر قرب وجوار دوست میں داخل ہو جائے۔ جیسا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ انھوں نے خدا سے دعا کی "خداوندا! تو جانتا ہے کہ مجھے امیری سے غریبی زیادہ پسند ہے، اور تندرستی سے بیماری زیادہ عزیز ہے اور زندگی سے موت کو زیادہ دوست رکھتا ہوں تو میرے لیے موت کو آسان کر دے تاکہ تیرے دیدار کی دولت حاصل کر سکوں۔ اب معلوم ہو گیا کہ تائب مبتدی موت سے اکراہ کرنے اور اس کی آرزو سے بچنے میں معذور ہے۔ لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں بلند مرتبہ وہ ہے جو اپنی طرف سے کسی تصرف کو درمیان میں نہ لائے اور اپنا کام بس خدا پہ چھوڑ دے۔ اپنے نفس کے لیے نہ زندگی اختیار کرے نہ موت مانگے۔ یہی تسلیم و رضا کا مقام ہے اور یہی منتہی لوگوں کی حد ہے بہرحال موت کا ذکر نعمت کی لذتوں کو مکدر کرتا ہے اور جو چیزیں انسان کی لذتوں اور شہوتوں کو مکدر اور بے مزہ کرنے والی ہیں وہ نجات کا سبب ہوتی ہیں۔ اسی طرف اشارہ ہے جو یہ فرمایا ہے اَكْثِرُوا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ (ہادم لذات یعنی موت کو زیادہ یاد کیا کرو) تاکہ تمھارے دل کا رجحان ان لذتوں کی طرف سے ہٹ جائے اور خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا لَوْ اَنَّ الْبَهَائِمَ تَعْلَمُ مِنَ الْمَوْتِ مَا تَعْلَمُوْنَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْهَا سَمِيْنًا (اگر چوپائے موت کے متعلق اتنا جانتے جتنا تم جانتے ہو تو تم کسی فربہ جانور کا گوشت نہ کھا سکتے)۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا "یا رسول اللہ! شہدا کے ساتھ کس کا حشر ہو گا؟ آپ نے فرمایا نَعَمْ مَنْ يَذْكُرُ الْمَوْتَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ عِشْرِيْنَ مَرَّةً (ہاں، جو شخص دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرتا ہے)۔ روایت ہے کہ فرمایا تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ (مومن کا تحفہ موت ہے) کیونکہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے کیونکہ جب تک وہ اس دنیا میں ہے ہمیشہ رنج و مصیبت میں مبتلا رہتا ہے اور موت اس قید سے رہائی ہے اور قید سے آزادی ایک تحفہ ہوتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے اَلْمَوْتُ كَفَّارَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (موت ہر مسلمان کے لیے کفارہ ہوتی ہے)۔ اس لیے وہی شخص موت کا طالب ہو گا جو حقیقت میں مسلمان ہے نہ کہ ہماری اور تمھاری طرح۔ مومن حقیقت میں وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے

Marfat.com

تمام مسلمان سلامت اور محفوظ رہیں اور مومنوں کے اخلاق اس کے کردار میں ثابت ہوں اور اس کا دامن گناہِ صغیرہ کے علاوہ گناہِ کبیرہ سے آلودہ نہ ہو۔ ایسے شخص کو موت پاک و صاف کر دیتی ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ موت نے دنیا کو ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ اس نے کسی صاحبِ عقل و دانش کو شاد و خرم نہیں چھوڑا۔ ایک خردمند نے اپنے بھائیوں میں سے ایک شخص کو لکھا۔ "اسی جہان میں موت سے ڈرو قبل اس کے کہ دوسرے جہان میں جاؤ۔ کیونکہ اگر اس جگہ تم موت کی تمنا کرو گے تو نہ پاؤ گے۔ اور جب ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے موت کا ذکر کرتے تو ان کے تمام اعضا ایسے شل ہو جاتے کہ وہ کوئی کام نہ کر سکتے۔ اور عمر بن عبد العزیز ہر رات فقیہوں کو جمع کرتے اور مرگ و قیامت و آخرت کو یاد کرتے اور اس طرح روتے تھے جیسے ان کے سامنے جنازہ رکھا ہوا ہے۔ اور حضرت خواجہ ربیع تمیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دو باتوں نے مجھے دنیا کی لذتوں سے بیزار کر دیا ہے ایک موت کی یاد، دوسرے دربارِ خداوندی میں کھڑے ہونے کا خیال۔ اور کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے "جس شخص نے موت کو پہچان لیا دنیا کے سارے غم اور مصیبتیں اس پر آسان ہو گئیں۔ اور مطرف رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا البصرہ کی مسجد میں مجھ سے کہہ رہا ہے کہ موت کا ذکر ڈرنے والوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے موت کا ذکر کرتے تو ان کے جسمِ مبارک سے خون ٹپکنے لگتا۔ پس اے بھائی! رات دن میں کم سے کم بیس مرتبہ موت کو یاد کرنا اپنے اوپر لازم کر لو۔ اور جہاں تک ممکن ہو اس کی استعداد حاصل کرنے میں مشغول رہو اور ہر وقت منتظر رہو کہ کب آتی ہے۔ حکیم قعقاع نے کہا ہے کہ میں تیس سال سے موت کی تیاری کر رہا ہوں اگر ابھی آجائے تو میں کسی وجہ سے بھی ادنیٰ تاخیر پسند نہیں کروں گا۔ امام ثوری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے کوفہ کی مسجد میں ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا وہ کہتا تھا کہ "میں اس مسجد میں تیس برس سے موت کا انتظار کر رہا ہوں کہ کب آتی ہے۔ اگر آجائے تو پھر کسی چیز کا انتظار نہ کروں گا۔ ذرا بھی دیر نہ ہونے دوں گا۔ میرا کسی پر یا کسی کا میرے اوپر کوئی حق نہیں ہے جس کا خیال آئے"۔ ایک بزرگ نے کسی کو خط لکھا کہ "دنیا خواب ہے اور آخرت بیداری ہے اور ان دونوں کے درمیان موت ہے۔ اور ہم خوابِ غفلت میں مبتلا ہیں"۔ اے بھائی! اگر

Marfat.com

بندے کے سامنے کوئی غم واندوہ اور خوف و عذاب نہ ہو تو صرف موت اور سکراتِ موت کا خیال کافی ہے۔ کیونکہ اس کے تصور سے دنیا کی ساری لذتیں بے مزہ اور تمام خوشیاں بے لطف ہو جاتی ہیں۔ اور تمام غفلتیں بیداری سے بدل جاتی ہیں۔ اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ تلوار مارنے، آری سے کاٹنے اور ناخن سے گوشت کو جدا کرنے کی تکلیف سے بھی موت زیادہ سخت اور دشوار ہے۔ یہ اسی بنا پر ہے کہ حضرتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَکَرَاتِ الْمَوْتِ (خداوند محمدؐ پر سکراتِ موت کی سختیاں آسان فرما دے)۔ اسی طرح حضرت پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا۔ "اے لوگو! خدا سے دعا کرو کہ مجھ پر موت کو آسان کر دے۔ کیونکہ میں موت سے اس قدر ڈرتا ہوں کہ اس کا خوف مجھے موت سے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ نقل ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کسی قبرستان سے گزر رہی تھی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اِن مُردوں میں سے کسی ایک کو زندہ کر دے تاکہ اس سے حالات پوچھیں۔ پس ایک مرد اپنی قبر سے باہر آیا۔ اُس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا۔ اُس نے کہا "اے لوگو! تم مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ پچاس برس گزر چکے ہیں کہ میں نے موت کا مزا چکھا تھا۔ مگر ابھی تک موت کی کڑواہٹ میرے دل سے نہیں گئی ہے"۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مردہ موت کی تکلیف میں اس وقت تک مبتلا رہتا ہے جب تک کہ قیامت میں اپنی قبر سے نہ اُٹھایا جائے"۔ ایک شخص بیماروں سے نزع کی حالت میں موت کی تکلیف پوچھا کرتے تھے کہ تم موت کو کیسا پاتے ہو؟ جب خود بیمار ہوئے اور نزع کی حالت طاری ہوئی تو لوگوں نے اُن سے پوچھا تم موت کو کیسا پاتے ہو؟ انھوں نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان زمین پر پھٹ پڑا ہے اور مجھے سوئی کے ناکے سے نکالا جا رہا ہے"۔ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَوْ اَنَّ شَعْرَۃً مِّنْ شَعْرِ الْمَیِّتِ وُضِعَتْ عَلٰی اَھْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَمَاتُوْا بِاِذْنِ اللّٰہِ لِاَنَّ فِیْ کُلِّ شَعْرَۃٍ اَلَمُ الْمَوْتِ وَلَا یَقَعُ الْمَوْتُ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّا مَاتَ (اگر مردے کے بالوں میں سے ایک بال بھی آسمان اور زمین والوں پر رکھ دیا جائے تو حکم خداوندی سے سب کے سب مر جائیں۔ کیونکہ اس کے ہر بال میں موت ہوتی ہے۔ اور جس چیز پر موت واقع ہوتی تو وہ بالضرور مر جاتی ہے)۔ اور حدیث میں ہے لَوْ اَنَّ قَطْرَۃً مِّنْ اَلَمِ الْمَوْتِ وُضِعَتْ عَلٰی جِبَالِ الْاَرْضِ کُلِّھَا لَذَابَتْ (اگر موت کی تکلیف کا ایک قطرہ زمین کے پہاڑوں پر

Marfat.com

ٹپکا دیا جائے تو سب کے سب پگھل جائیں)۔ نقل ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچی تو پوچھا گیا "اے موسیٰ تم نے موت کو کیسا پایا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا "میں نے اپنے نفس کو ایک چڑیا کی طرح پایا جو توے پر بھونی جا رہی ہو نہ مرتی ہے کہ قصہ پاک ہو اور نہ چھوڑی جاتی ہے کہ اُڑ جائے"۔ اب یہ معلوم کرو کہ مرنے کے وقت مُردے کے ظاہری حال میں مستحب یہ ہے کہ وہ سکون اور آرام کے ساتھ رہے۔ زبان سے کلمۂ شہادت پڑھتا ہے۔ اور خدا کے ساتھ دل میں نیک گمان رکھے۔ حدیث میں آیا ہے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے والوں میں تین باتوں کا خیال رکھو۔ اُس کی پیشانی لبشاش ہو، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ اور ہونٹ خشک ہو جائیں تو یہ رحمتِ خداوندی ہے، جو اُس پر نازل ہو رہی ہے۔ اور اگر گلا گھٹنے کی آواز پیدا ہو رہی ہے، رنگ سُرخ ہو گیا ہے اور ہونٹ سیاہ خاکستری ہو گئے ہیں تو یہ عذابِ الٰہی ہے جو اُس پر اتر رہا ہے۔ پھر بھی اس کی زبان پر کلمۂ شہادت کا جاری ہونا اچھی علامت ہے۔ اور روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ مَاتَ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (جو شخص مر رہا ہے اور یہ جانتا ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہو گا)۔ نقل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کے پاس تشریف لے گئے جو مر رہا تھا۔ آپ نے اُس سے پوچھا "تیرا گمان خدا کے ساتھ کیسا ہے؟" اُس نے کہا کہ میں خدا سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔" آپ نے ارشاد فرمایا لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا الْوَقْتِ لَا اَعْطَاہُ الَّذِیْ یَرْجُوْا وَاٰمَنَہُ الَّذِیْ یَخَافُ (ایسے وقت میں بندے کے دل میں یہ دو باتیں جمع نہیں ہو سکتیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جو امید رکھتا ہے اُسے وہ پورا نہ کرے گا اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اُس سے بے خوف کر دے گا۔ اے بھائی! آخر کار سب کے لیے یہی ایک راستہ ہے۔ فقیر ہو یا بادشاہ، شہنشاہوں کی سلطنت ہو یا فقیروں اور مسکینوں کا فقر و فاقہ سب اس مقام پر یکساں ہے مثنوی۔

اگر مملکت ز ماہی تا بہ ماہ ہست — سرانجامت بدین دروازہ راہ ست

چو بربندند ناگاہت زنخدان — ہمہ ملکِ جہان اینجا زنخ دان

اگر افریدوں ور افراسیابی — درین دریا تو ہم یک قطرہ آبی

Marfat.com

جہانے خلق در غرقاب خون اند — کہ می داند کہ زیر خاک چون اند

(اگر زمین سے آسمان تک تیری سلطنت ہے تو آخر کار تجھے اسی موت کے دروازے سے گزرنا ہے۔ جب اچانک موت تیرا گلا گھونٹے گی تو اس وقت تیری ساری سطوتِ شاہانہ برف کی طرح پگھل جائے گی۔ اگر تو فریدوں کی حشمت اور افراسیاب کی شوکت رکھتا ہے تب بھی تیرا وجود اس سمندر میں پانی کے ایک قطرے کی طرح ہے۔ سارے جہان کی مخلوق دریائے خون میں غرق ہے۔ کون جانتا ہے کہ خاک کے نیچے ان پر کیا گزرتی ہے)۔ اگر تم کہو کہ کس حال میں خوف و رجا میں سے کوئی ایک حالت غالب ہوتی ہے؛ تو جانو کہ جب بندہ قوی، تندرست اور صالح ہو تو خوف کا غلبہ بہتر ہے۔ اور جب بیمار و ضعیف ہو خصوصاً سکراتِ موت کے وقت امید کا غالب ہونا اولیٰ و افضل ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ اس لیے ہے کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے قریب ہوں جن کے دل میرے خوف سے پارہ پارہ ہو چکے ہیں۔ اور موت و سکرات کے وقت امید زیادہ بہتر ہے کیونکہ اُس کا دل اپنے اُن گناہوں کے خوف سے شکستہ ہوتا ہے جو زندگی میں سرزد ہوئے ہیں۔ اور اگر تم کہو کہ خداوندِ عزوجل کے ساتھ نیک گمان رکھنے کے متعلق احادیث موجود ہیں تو جانو کہ ایک گمانِ نیک یہ بھی تو ہے کہ گناہوں سے پرہیز کرے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور اُس کی عبادت و فرمانبرداری کی کوشش کرے۔ اب معلوم کرو کہ تمام امورات کی بازگشت ایک اصل و بنیاد پر ہے اور وہ ایک ایسا نکتہ ہے جس نے کمریں توڑ دی، چہروں کو زرد اور دلوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور آنکھوں سے خون ٹپک پڑا ہے۔ اور وہ معرفت کے سلب ہو جانے کا خوف ہے۔ اور ڈرنے والوں کے خوف کی انتہا اور غایت یہی ہے۔ اور ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ غم تین طرح کے ہیں۔ طاعت و عبادت کا خوف کہ خدا جانے قبول ہوگی یا نہیں۔ گناہوں کا غم کہ بخشے جائیں گے یا نہیں اور معرفت کا خوف کہ کہیں سلب نہ کر لی جائے۔ اور خاصانِ خدا کا کہنا ہے کہ غم صرف ایک ہے اور وہ معرفت کے سلب ہو جانے کا غم ہے۔ اس کے علاوہ اور تمام غم آسان ہیں۔ اس لیے کہ وہ سب کسی نہ کسی طرح کاٹے جا سکتے ہیں۔ پس تمام بزرگوں کی یہی دعا رہی ہے کہ اے بار خدا اور جو کچھ تو چاہے کر لیکن اپنی معرفت سلب کر کے ہم کو اپنے سے جدا نہ کرنا۔

از شوقِ لقائے رویتِ تو — جانہا ہمہ بے قرار گشتہ

Marfat.com

دز خوفِ فراق قالبِ ما ... در ناز و نعیم زار گشتہ

گلہائے مراد بے جمالت ... در چشمِ امید خار گشتہ

(تیرے جلوۂ دیدار کے اشتیاق میں سب کی جانیں تڑپ رہی ہیں۔ تیری جدائی کے خوف سے میرا جسم ناز و نعمت میں رہتے ہوئے بھی لاغر ہو گیا ہے۔ تیرے حسن کی بہار کے بغیر میری مرادوں کے پھول میری پُرامید آنکھوں میں کانٹا ہو گئے ہیں)۔ والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھانویواں مکتوب ۹۸

وعدہ اور وعید کے بیان میں

میرے بھائی شمس الدین تمھیں معلوم ہو کہ اہلِ سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ وعیدِ مطلق (عذاب کا وعدہ) کافروں کے لیے اور وعدۂ مطلق (اجر و ثواب کا وعدہ) مومنوں کے حق میں ہے۔ پھر وہ مومن جو گنہگار رہے وہ کافر تو نہیں ہوتا کہ وعیدِ مطلق کی زد میں آئے اور محسن مطلق بھی نہیں ہوتا کہ وعدۂ مطلق کی امید کرے۔ اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کا قول یہ ہے کہ وہ اہلِ وعیدِ مطلق میں ہے۔ اگر دنیا سے گنہگار گیا تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ لیکن اہلِ سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس کو ان میں سے کسی ایک پر مخصوص نہ کریں بلکہ موقوف رکھیں اس کے لیے نہ وعدۂ مطلق ہے نہ وعیدِ مطلق۔ اس کا حکم مشیئتِ الٰہی کے ساتھ معلق ہے اگر چاہے تو اُس کو بخش دے۔ اور یہ اس کا فضل ہو گا۔ اور اگر چاہے عذاب کرے۔ یہ اس کا عدل ہو گا۔ لیکن مومن کے لیے کسی حال میں خلودِ جہنم نہیں کہتے خواہ وہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جو مومن اس جہان سے گنہگار جاتا ہے تو اس کے ساتھ اِن تین باتوں میں ایک کی جاتی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ اُسے اپنی رحمت سے بخش دیتا ہے یا پیغمبران علیہم السلام کی شفاعت سے اُس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ یا جتنا گناہ ہے اُتنا عذاب کیا جاتا ہے اور پھر آزاد کر دیا جاتا ہے۔ ؎

گر گنہگاری در توبہ است باز ... توبہ کن چون در نہ خواہد شد فراز

گر بدین درگہ بصدق آئی دمے صد فتوحت پیش باز آید ہمے

(اگر تو گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جب تک یہ دروازہ بند نہیں ہوتا، توبہ کیے جا۔ اگر تو پل بھر کے لیے بھی اس دروازے میں داخل ہوجائے گا تو فتح و کامرانی ضرور تجھے حاصل ہوجائے گی)۔ اور اہل سنت والجماعت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر خداوند بزرگ و برتر چاہے تو بندے کو صغیرہ و کبیرہ دونوں گناہوں میں عذاب کرے۔ اگر چاہے صغیرہ معاف کردے اور کبیرہ میں پکڑلے۔ اگر چاہے کبیرہ معاف کردے اور صغیرہ میں پکڑلے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک بندے کا گناہِ کبیرہ معاف کردے اور دوسرے کو گناہِ صغیرہ پر عذاب کرے۔ بہرحال یہ سمجھ لینا چاہیے کہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ اس کی رحمت سے بڑا نہیں ہوسکتا اور گناہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اگر وہ عدل و انصاف سے کام لے تو وہ چھوٹا نہیں رہے گا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے جہاں فضل کی بارش ہو وہاں کبیرہ بھی کچھ نہیں۔ اور جہاں عدل ہو وہاں صغیرہ بھی کبیرہ ہوجاتا ہے۔ غرض یہ کہ فضل کے سامنے کبیرہ کبیرہ اور عدل کے سامنے صغیرہ صغیرہ نہیں رہ جاتا اسی راز کو یہاں بیان کیا ہے ؎

گر فضل کنی یقین برستیم ہمہ در عدل کنی ولے برسوائی ما

(اگر تو نے فضل کیا تو یقیناً ہم سب چھوٹ جائیں گے۔ اور اگر کہیں عدل سے کام لیا تو ہماری ذلت و رسوائی پر ہزار افسوس ہے)۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جس صغیرہ گناہ کو بندہ اپنے خیال میں صغیرہ سمجھ لے (اور پروا نہ کرے) وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور جس گناہ کو بندہ کبیرہ جانتا ہے (اور خوف و خشیت میں مبتلا ہوتا ہے) وہ صغیرہ بن جاتا ہے۔ یہیں سے اس کی اصل ہے کہ بزرگوں نے کسی گناہ کو صغیرہ نہیں کہا ہے۔ الغرض اہلِ سنت کے نزدیک اگر کفر سے پرہیز کیا ہے تو سارے گناہ بخش دیے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ شرک معاف نہ فرمائے گا اور شرک کے سوا جس گناہ کو چاہے معاف فرمائے گا)۔ یہی راز ہے جو یہاں بیان کیا ہے ؎

باز آ آخر کہ در بکشادہ ایم تو غرامت کردہ ما استادہ ایم

عشق بازی بین چہ حکمت می کند می کند این کار و رحمت می کند

گر ہمہ کس جز نمازی نیستے | حکمتش را عشق بازی نیستے
کارِ حکمت جز چنیں نبود تمام | لاجرم جودش چنیں آمد مدام

(تو واپس لوٹ آ کیونکہ ہم نے تیرے لیے دروازہ کھول دیا ہے۔ تو پشیمانی میں مبتلا ہے تو ہم تیرے گناہ معاف کرنے کو تیار ہیں۔ دیکھو عشق بازی کس حکمت سے کام کرتی ہے۔ پہلے یہ کام کرتی ہے (یعنی بندہ گناہ کرتا ہے) اور پھر وہی رحمت کرتی ہے۔ اگر تمام بندے صرف نمازی ہوتے تو اس کی حکمت کو عشق بازی کا موقع نہ ہوتا۔ حکمت کا کام سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ بالضرور اُس کی مہربانی ہمیشہ ایسی ہی رہے)۔ خداوندِ عزوجل نے بغیر کسی شرط کے مشرک کی مغفرت کی نفی کردی۔ اور شرک کے علاوہ جو گناہ ہے اُس کی مغفرت کو مشیئت سے متعلق کردیا۔ اور کبیرہ گناہ چونکہ شرک کے علاوہ ہے اس لیے چاہیے کہ صغیرہ کی طرح مشیئتِ مغفرت اُسے بھی گھیر لے تاکہ تعلیق کا پورا فائدہ حاصل ہو۔ اے بھائی امیدوار رہو، ہر چند کہ تم مفلس اور خالی ہاتھ ہو، پھر بھی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ کسی بزرگ نے کہا ہے ؎

گر بدیں درگہ نہ داری ہیچ تو | ہیچ نیست افگندہ کم تر ہیچ تو
نے ہمہ زہدِ مسلّم می خرند | ہیچ بر درگاہِ او ہم می خرند

(اگر اس کے دربارِ کبریٰ میں تو بالکل خالی ہاتھ ہے اور تجھ سے زیادہ ناکارہ اور کوئی نہیں ہے تو یہ نہ سمجھ کہ وہ صرف زہد ہی کو خریدتے ہیں بلکہ ناکارہ بندے بھی اُس کے دربار میں خریدے جاتے ہیں)۔ اس آیت شریف کی شانِ نزول حضرتِ حمزہ رضی اللہ عنہ (جو حضورؐ کے چچا تھے) کے قاتل وحشی کے حق میں ہے۔ کسی شخص نے حضرت حمزہ کو شہید کرنے کے لیے کچھ مال دینے کا وعدہ کیا تھا مگر جب وحشی نے اُن کو قتل کردیا تو وہ اپنے وعدے سے پھر گیا۔ وحشی نے اپنے دل میں کہا کہ میں حضرتِ حمزہؓ کو زندہ تو نہیں کرسکتا، میں کیوں نہ اپنی ہی زندگی کی فکر کروں۔ اُس نے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ میں نے یہ ظلم کیا ہے کیا میرے لیے صلح کی گنجایش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں، اگر تو واپس لوٹ آئے (توبہ کرے) تو ضرور گنجایش ہے"۔ پھر وحشی نے کہلایا "میں اس کی ضمانت چاہتا ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "میں ضمانت کرتا ہوں"۔ پھر بھی وحشی نے پیغام بھیجا "آپ کے لیے تو خدا کا یہ فرمان ہے لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (آپ کو خود کسی

Marfat.com

امر میں اختیار نہیں ہے) ضمانت تو اُس کی چاہیئے جس کے ہاتھ میں کچھ ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الخ۔ پھر بھی وحشی نے کہلا بھیجا "مغفرت کا حال تو اُس کی مشیئت پر موقوف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ کو بخشے گا یا نہ بخشے گا۔ میں اس سے بہتر شرط چاہتا ہوں تاکہ صلح کرلوں۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ (اور وہ لوگ جنھوں نے کسی دوسرے معبود کو نہ پکارا اور کسی شخص کو بلا جرم وگناہ قتل نہیں کیا اور زنا کے مرتکب نہ ہوئے)۔ وحشی نے جواباً کہلایا میں نے یہ تینوں کام کیے ہیں۔ اور وہ مجھے نہیں بخشے گا تو میں کیوں آؤں۔ اگر اس سے بہتر کوئی بات ہو تو میں حاضر ہو جاؤں ورنہ اپنی جگہ قائم رہوں۔ جواب آیا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (مگر جس شخص نے توبہ کی اور عمل صالح کیا) اس نے پھر جواب کہلا بھیجا کہ یہ شرط مشکل ہے۔ میں یہ کرسکتا ہوں کہ ایمان لاؤں مگر عمل صالح کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ کون جانتا ہے کہ میں کرسکوں گا یا نہیں۔ کوئی بات اس سے بہتر چاہتا ہوں اس پر خدا کا فرمان نازل ہوا قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (کہدو! اے میرے بندو تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، تو خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ تمام گناہوں کو معاف کردے گا۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے)۔ اس پر وحشی نے کہا ہاں، اب ہماری صلح ہے۔ اور دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نَعْمَائِہٖ (خدا کی ان نعمتوں پر اس کا شکر اور تعریف واجب ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام گناہگاروں کی ساری خطائیں اُس کے دریائے فضل وکرم کے سامنے ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے ؎

ہست چون دریائے فضلش بے دریغ ۔۔۔ بر درِ او جرمِ ما یک اشک میغ
ہر کرا باشد چنان بخشائشے ۔۔۔ کے تغیر آرد ش آلایشے

(جبکہ اُس کے فضل وکرم کا دریا بے حد وپایاں ہے تو اُس کے سامنے بندوں کے تمام گناہ بارش کی ایک بُوند کے برابر ہیں۔ جس کے دربار میں بخشش کا یہ عالم ہے تو گناہوں کا میل کچیل اس میں کیا تبدیلی پیدا کرسکتا ہے)۔ اب جانو کہ جب اُس نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (بیشک اللہ سارے گناہ معاف کردے گا) تو مغفرت تمام گناہوں پر شامل ہوگئی اس میں کبیرہ وصغیرہ کی

کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا صَغِیْرُھَا وَکَبِیْرُھَا وَسِرُّھَا وَجَھْرُھَا (بیشک اللہ تعالیٰ تمام چھوٹے بڑے، پوشیدہ اور ظاہر گناہوں کو معاف کردے گا۔ اور یہ جو فرمایا کہ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (وہ بیشک بخشش کرنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے) اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم تم کو اس لیے نہیں معاف کریں گے کہ تم معاف کیے جانے کے قابل ہو بلکہ اس لیے کہ ہماری صفت غفور اور رحیم ہے۔ ہم اپنی صفتوں کے مطابق کام کرتے ہیں تمھاری لیاقت کی بنا پر نہیں۔ اور پہلی آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الخ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب تونے شرک کیا تو میرا بدل قائم کیا۔ اور دوستی میں شرک و بدل کی شرط نہیں ہے۔ اور جب تونے شرک کیا تو کسی دوسرے کو میرا بدل نہ ٹھہرایا۔ اب جو تونے گناہ کیا تو یہ بے ادبی اور گستاخی ہے اور دوستی میں بے ادبی اور گستاخی کو نظر انداز کردینے کی شرط ہوتی ہے۔ یعنی میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ ہاں گستاخیوں کو چھوڑ دوں گا۔ فقہ میں اس کی ایک اصل ہے کہ جب وارث اور موروث کا دین ایک ہو تو کسی وجہ سے بھی مورث محروم نہ کیا جائے گا سوائے قتل کے یعنی اگر موروث نے وارث کو قتل کردیا ہے تو وراثت سے محروم ہوجائے گا۔ کیونکہ قتل سے اصل کی تخریب ہوتی ہے۔ اصل قائم رہے تو شاخیں بھی قائم رہتی ہیں۔ اسی طرح شرک سے اصل ایمان کی تخریب ہوجاتی ہے۔ اگر اصل ایمان قائم رہے تو مغفرت اس پر واقع ہوتی ہے ایک دن شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہیں جارہے تھے ایک آواز سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا کُلُّ ذَنْبٍ لَّکَ مَغْفُوْرٌ سِوَی الْاِعْرَاضِ عَنِّیْ (تیرے سارے گناہ بخش دیے گئے سوائے میرے ساتھ رُوگردانی کے) انھوں نے ایک آہ کی اور بیہوش ہوگئے۔ جب ہوش آیا تو لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ کہنے والے نے جب یہ کہا کہ "تیرے تمام گناہ بخش دیے گئے سوائے اس کے تو مجھ سے منھ پھیرلے" تو میں نے خدا کا یہ کلام سماعت کیا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الخ۔ اس مقام پر خوف غالب رہتا ہے اور یہ لوگ خوف پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور جو بات کرتے ہیں اسی خوف و دہشت کے عالم میں کرتے ہیں۔ سننے والوں کو گمان ہوتا ہے کہ یہ لوگ اہل وعید ہیں مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ اپنے چھوٹے گناہوں کو بھی بڑا سمجھتے ہیں کیونکہ گناہ کو ہیچ سمجھنا فرمان حق کو خفیف جاننا ہے۔

اور گناہوں کو بُرا سمجھنا فرمانِ الٰہی کا اکرام واحترام کرنا ہے۔ یہ خدا کے لیے اپنے نفس کے دشمن ہوتے ہیں نہ کہ اپنے لیے خدا کے دشمن کیونکہ عارفوں کی صحبت نفس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ انھیں حقوقِ نفس کی طلب کیونکر ہو سکتی ہے۔ خداوند عزوجل ان کا دوست ہے اور نفس ان کا دشمن ہے۔ دوست کے لیے دشمن سے لڑتے ہیں۔ دشمن کے لیے دوست سے لڑائی مول نہیں لیتے۔ پس جو شخص اپنے نفس کے ساتھ صلح کرتا ہے خداوند عزوجل سے لڑائی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی صفائی اور پاکبازی کو دیکھتے ہوئے ان کا مطالبۂ حق ان کے نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ راستبازی جو ان کے اندر ہے اپنی تمام امیدیں دوسروں کے لیے اللہ تعالیٰ سے قائم کرتے ہیں۔ اور جتنا خوف ہے وہ اس طرح اپنے لیے سمجھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گویا تمام وعیدیں اُنھی کے لیے وارد ہوئی ہیں۔ اور تمام وعدے دوسروں کے لیے ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ بندے کا ایمان حقیقۃً اُس وقت کامل ہوتا ہے کہ اگر آسمان سے کوئی بلا نازل ہو تو سمجھے کہ یہ میرے شومیِ اعمال کی وجہ سے ہے۔ اور اگر اس کو کوئی نیکی اور بھلائی حاصل ہوتی ہے تو اُسے کسی دوسرے کے طفیل سمجھتا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا ہے۔ رباعی

ما گبرِ قدیم و نا مسلمان ہستیم — نام آور کفر و ننگِ ایمان ہستیم
شیطان چو بیار سد کلہ اندازد — در وسوسہ اوستادِ شیطان ہستیم

(ہم پرانے بت پرست اور کافر ہیں۔ ہم کفر میں مشہور اور ایمان کو رسوا کرنے والے ہیں جب شیطان ہمارے پاس آتا ہے تو اپنے سر سے ٹوپی اُتار لیتا ہے۔ کیونکہ ہم وسوسہ پردازی میں شیطان کے بھی استاد ہیں)۔

حضرت خواجہ فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے عرفات کے میدان میں عرفہ کی رات لوگوں نے پوچھا کہ آپ ان لوگوں (حجاج) کا حال کیسا دیکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "اگر میں ان کے درمیان نہ ہوتا تو سب کے سب بخش دیے جاتے۔ یعنی بدترین خلقِ خدا میں ہوں۔ اگر ان کی بخشش نہ ہو تو یہ میری شومی و بدبختی کی وجہ سے ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اپنی قوم میں ڈھونڈو کہ جو بنی اسرائیل میں سب سے بہتر ہو۔ انھوں نے ایک شخص کو تلاش کیا جو زہد و ریاضت سے آراستہ تھا۔ پھر خدا کا فرمان ہوا کہ اُس شخص سے کہو کہ بنی اسرائیل میں بدترین شخص کو تلاش کرے۔ اُس نے تین دنوں کی مہلت مانگی۔ چوتھے روز اپنی گردن میں رسّی باندھ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ میں بنی اسرائیل کے بدترین آدمی کو تلاش کر کے لایا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم تو بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ عابد

وزاہد ہو، ایسا کیوں کہتے ہو؟ اُس نے کہا "اس لیے کہ میں اپنے گناہوں کو یقین کے ساتھ جانتا ہوں، اور دوسرے کے گناہوں میں مجھے شک ہے۔ اور وہ شخص جس کے گناہوں کا یقین ہو وہ بدتر ہے اُس کے مقابلے میں جس کے گناہوں میں شک ہو"۔ موسیٰ علیہ السلام پر پھر وحی نازل ہوئی "اے موسیٰ بنی اسرائیل میں وہی سب سے بہتر ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ سب سے زیادہ عبادت گزار ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بدترین خلق جانتا ہے"۔ اور خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میں روزانہ چند بار آئینہ دیکھتا ہوں اس خوف سے کہ کہیں میرا منہ سیاہ تو نہیں ہو گیا۔ اسی لیے کہا ہے ؎

گر تو بیش آئی ز موئے در نظر — خویشتن را از بتے بینی بتر
مدح و مذمت گر تفاوت می کند — بتگرے باشی کہ رویت می کند

(اگر تو بال برابر بھی اپنی نگاہوں میں بہتر نظر آتا ہے تو اپنے آپ کو ایک بت سے بھی بدتر سمجھ لے اگر تو اپنی تعریف اور مذمت میں فرق محسوس کرتا ہے تو ایک بت ساز ہے جو تیرا چہرہ بناتا ہے)۔

اے بھائی! بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا میں اخلاص کا نور اور نفاق کی ظلمت بندے کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (اُن کی پیشانی پر سجدوں کی علامت ظاہر ہوتی ہے) مگر جب تک دیکھنے والے کو وہ بصارت حاصل نہ ہو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نہ ہوتی جو آپ نے خدا سے کی کہ میری امت سے خسف (بستیوں کا زمین میں دھنس جانا) اور مسخ (چہروں کا بگڑ جانا) کو اُٹھا لے، تو اس امت میں بڑی رسوائی ظاہر ہوتی۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگلی امتوں میں یہ بلا تھی، مگر امتِ محمدی اس سے محفوظ ہے۔ نیز خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی ایسی جگہ مروں جہاں لوگ مجھے جانتے ہوں معلوم نہیں وہاں کی زمین میری لاش کو قبول کرے یا نہ کرے۔ اور میں رسوا ہو جاؤں۔ اُن کو اپنی ذات سے یہ بدگمانی تھی۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو بدترین مخلوق جانتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے متعلق ایسا گمان نہ کرتے، حالانکہ یہ اس امت کے اگلے بزرگوں میں سے ہیں۔ لیکن خداوند عزوجل نے اس امت کو ایسی رسوائیوں سے بچا لیا ہے۔ اسی راز کو یہاں ظاہر کیا ہے قطعہ

ز درد دین ہمہ پیران رہ را — محاسن ہا ز خونِ دل خضاب ست
ہمہ مردانِ دین را زین مصیبت — جگرہا تشنہ و دلہا کباب ست

Marfat.com

(دین کے درد و اندیشے سے اس راہ کے پرانے چلنے والوں کی داڑھیاں ان کے خونِ دل سے رنگی ہوئی ہیں۔ اس مصیبت سے مردانِ خدا کے جگر تشنہ اور دل جل کر کباب ہو رہے ہیں)۔

اے بھائی! اس عالمِ وجود میں اپنے کو مٹا کر نیست و نابود ہو جاؤ۔ کیونکہ ہست ہونے کا حق اُسی ذاتِ پاک کو ہے اور نیستی تمہارا حق ہے۔ آخر تم نے سنا ہوگا اَلْوُجُوْدُ بَیْنَ الْعَدَمَیْنِ عَدَمٌ (دو عدم کے درمیان جو وجود ہے وہ بھی عدم ہی ہے)۔ اپنی ہستی کا نام و نشان مٹا دو تاکہ کسی دن ہستی کا جلوہ نظر آئے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

تو مباش اصلا کمال این ست و بس　　　تو ز خود گم شو وصال این ست و بس

(جب تو مطلق باقی نہ رہ جائے تو سمجھ لے کہ یہ تیرا کمال ہے۔ اور جب تو اپنی خودی سے گم ہو جائے تو بس یہی وصال ہے)۔ اگر پروانوں کو اپنی ہستی کی ذرہ برابر بھی قدر و قیمت ہوتی تو اس طرح آگ کے شعلوں پر ٹوٹ کر نہ گرتے اور خاک نہ ہو جاتے۔ ساری دنیا کے عشاق اسی تمنا میں ایڑیاں رگڑتے ہیں کہ ان کو اس دنیا سے پروانوں یا دیوانوں کے ساتھ اُٹھائیں۔ اور کوئی ان کی بات پوچھنے کا روادار نہیں ہوتا۔ کسی نے کہا ہے ؎

عاشقان چون حلقہ بر در ماندہ اند　　　زانکہ نزدیکت کسے را راہ نیست

(تیرے دروازے پر تمام عشاق حلقہ باندھ کر پڑے ہوئے ہیں، اس لیے کہ تیرے پاس پھٹکنے تک کی کوئی راہ نہیں ہے)۔ عقلیں اُس کے جلال میں حیران ہیں اور فہم و خرد اس کے جمال و ادراک جبروت میں پریشان اور عاجز ہیں اور فکر و تدبیر اُس کے کاموں میں زیر و زبر ہو کر رہ گئی ہیں۔ اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے (رباعی)۔

اے کبک ہزار باز و در بند از تو　　　اے آہوے شیر گیر تا چند از تو
بس کن کہ نیافت ہیچ پیوند از تو　　　خود را بہ غم و بلا در افگند از تو

(اے وہ، کہ تو ہزار باز و والے کبوتر کو شکار کرتا ہے۔ اے وہ کہ شیروں کو پکڑنے والے ہرن تیری قید میں ہیں۔ اب بس کر، کہ ان میں سے کسی نے تیرا قرب حاصل نہیں کیا اس لیے سب رنج و بلا میں مبتلا ہو گئے ہیں)۔ والسلام۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ننانویواں مکتوب ۹۹

دوزخ کے بیان میں

عزیز بھائی شمس الدین۔ معلوم ہو کہ تمھیں بتایا جا چکا ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (تم میں سے ہر ایک اس میں اُترنے والا ہے) یعنی آگ سب کی جانے ورود ہے۔ اور یہ آیت اس کے بعد ہی فرمائی ہے ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (پھر ان کو نجات ملے گی جنھوں نے پرہیزگاری اختیار کی)۔ پس ہمارا اس میں داخل ہونا بالیقین ہے اور اُس سے نجات پانا شک کے ساتھ ہے۔ اب دوزخ کی وادیوں اور طبقوں پر غور کرو اور دیکھو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ فِیْ جَهَنَّمَ سَبْعِیْنَ اَلْفَ وَادٍ فِیْ كُلِّ وَادٍ سَبْعِیْنَ اَلْفَ شِعْبٍ وَفِیْ كُلِّ شِعْبٍ سَبْعِیْنَ اَلْفَ ثُعْبَانٍ وَسَبْعِیْنَ اَلْفَ عَقْرَبٍ لَا یَنْتَهِی الْكَافِرُ وَالْمُنَافِقُ حَتّٰی یُوَاقِعَ ذٰلِكَ كُلَّهٗ (دوزخ میں ستر ہزار وادیاں ہیں اور ہر وادی میں ستر ہزار غار ہیں اور ہر غار میں ستر ہزار سانپ اور ستر ہزار بچھو ہیں۔ کفار اور منافقین کے عذاب کی انتہا نہ ہوگی جب تک کہ ان سبھوں سے نہ گزر لیں)۔ اور نقل ہے کہ آپؐ نے فرمایا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ اَوْ وَادِی الْحُزْنِ (ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں غم کے کنویں یا غم کی وادی سے)۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ غم کی وادی یا غم کا کنواں کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْهَا جَهَنَّمُ كُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّةً اَعَدَّ اللّٰهُ لِلْقُرَّاءِ الْمُرَائِیْنَ (دوزخ میں ایک وادی ہے جس سے دوزخ بھی ستر بار پناہ مانگتی ہے۔ اُس کو اللہ تعالیٰ نے دکھاوے کے عالموں اور قاریوں کے لیے بنایا ہے)۔ دوزخ کے طبقوں اور اُس کی وادیوں کا یہ حال ہے۔ اس کے شمار کا اندازہ دنیا کی آرزو اور اُس کی خواہشوں کی تعداد پر ہے۔ اور اس کے طبقات کی تعداد بدنِ انسان کے ساتوں بند کے مطابق ہے کہ آدمی انھیں جوارح کے ذریعہ گناہ کرتا ہے۔

Marfat.com

بعض طبقے اوپر ہیں وہ جہنم کے عالی مقام ہیں اس کا نام جہنم ہے پھر سقر، پھر لظٰی پھر حطمہ پھر سعیر پھر جحیم، پھر ہاویہ، یہ سب کے نیچے واقع ہے۔ اب ہاویہ کی گہرائیوں پر غور کرو، اس کی کوئی حد نہیں ہے جس طرح دنیاوی خواہشات کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اور جس طرح دنیا کی ایک خواہش ابھی پوری نہیں ہونے پاتی کہ اُس سے بڑھ چڑھ کر دوسری خواہش پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح ہاویہ جہنم کا ایک عذاب ختم نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا عذاب اس سے سخت تر سامنے آجاتا ہے اور ہاویہ کی گہرائی بڑھتی جاتی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ہم سب نے ایک آواز سنی۔ حضورؐ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیسی آواز ہے۔ میں نے کہا خدا اور اس کا رسولؐ ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ ارشاد فرمایا هٰذَا حَجَرٌ اُرْسِلَ فِیْ جَهَنَّمَ مُنْذُ سَبْعِیْنَ عَامًا اَلْاٰنَ اِنْتَهٰی اِلٰی قَعْرِهَا (یہ ایک پتھر ہے جسے ستر برس پہلے جہنم میں ڈالا گیا تھا آج اس وقت وہ اس کی تہ تک پہنچا ہے)۔ آگ میں جس قسم کا عذاب ایک شخص پر کیا جائے گا وہی عذاب اُس پر بار بار دُہرایا نہ جائے گا بلکہ ہر عذاب کی ایک حد مقرر ہوگی اس کے بعد دوسری قسم کا عذاب کیا جائے گا اور وہ اُس کے جرم و گناہ کے اندازے کے مطابق ہوگا۔ لیکن ادنیٰ درجہ کا عذاب بھی اتنا شدید ہوگا کہ اس کے مقابلے میں اگر ساری دنیا کی نعمت اور آرام پیش کیے جائیں تو سب ہیچ ہو جائیں۔ اور حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اَدْنٰی اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَنْ یَّنْعَلَ بِنَعْلَیْنِ مِنْ نَّارٍ یَغْلِیْ دِمَاغُهٗ مِنْ حَرِّ نَعْلَیْهِ (دوزخ والوں کے لیے کمترین عذاب آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن کی گرمی سے اس کا دماغ کھولتا ہوگا)۔ اب غور کرو کہ کم سے کم جو عذاب ہے اس کا یہ حال ہے تو جس پر سخت عذاب کیا جائے گا اُس کا کیا حال ہوگا۔ تم کو اگر آگ کی جلن اور اس کی گرمی میں شک و شبہ ہے تو ذرا اپنی انگلی آگ کے پاس لے جاؤ اور اندازہ کر لو۔ اگرچہ اس آگ کی گرمی دوزخ کی آگ کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اِنَّ نَارَ الدُّنْیَا غُسِلَتْ بِسَبْعِیْنَ مَاءً مِنْ مِیَاهِ الرَّحْمَةِ حَتّٰی اَطَاقَهَا اَهْلُ الدُّنْیَا۔ (دنیا کی آگ دریائے رحمت کے پانی سے ستر مرتبہ دھوئی گئی ہے جب کہیں دنیا والوں کی برداشت تک ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کی آگ کی صفت اس طرح بیان فرمائی ہے۔ اُوْقِدَتْ تِلْكَ النَّارُ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی احْمَرَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَتْ

Marfat.com

عَلَيْهَا اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى اِبْيَضَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَتْ عَلَيْهَا اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى اِسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ (دوزخ کی آگ ہزار برس تک دہکائی گئی تو سُرخ ہو گئی۔ پھر دوبارہ ہزار برس تک دہکائی گئی تو سفید ہو گئی۔ پھر سہ بارہ ہزار برس تک دہکائی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی۔ پس دوزخ کی آگ کا رنگ بالکل سیاہ اور تاریک ہے)۔ اور روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ يَا رَبِّ اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا نَفَسَيْنِ نَفَسٌ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٌ فِي الصَّيْفِ فَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَهٗ فِي الصَّيْفِ مِنْ حَرِّهَا وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَهٗ فِي الشِّتَاءِ مِنْ زَمْهَرِيْرِهَا۔ (آگ نے اللہ تعالٰے سے فریاد کی کہ اے میرے پروردگار میرے بعض حصے نے میرے بعض حصے کو کھا لیا ہے۔ تو اُس کو دو سانسوں کے چھوڑنے کی اجازت دی گئی ایک جاڑے میں اور دوسری گرمی میں۔ تم گرمیوں میں جو حدت وحرارت پاتے ہو وہ جہنم کی ایک گرم سانس ہے۔ اور جاڑے میں جو سردی پاتے ہو وہ زمہریر کی ایک ٹھنڈی سانس ہے) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر مسجد میں سو ہزار آدمی ہوں یا اس سے بھی زیادہ ہوں اور اہلِ دوزخ میں سے کوئی ایک پھونک مار دے تو سب کے سب مر جائیں۔ حدیث میں ہے کہ دوزخ میں بختی نسل کے اونٹوں سے بھی زیادہ بڑے سانپ ہوں گے۔ جس کو کاٹیں گے وہ ان کے زہر کی تکلیف چالیس برس تک محسوس کرے گا۔ اور بچھو بھی اونٹ کے برابر ہوں گے۔ اُن کے ڈنک کا زہر بھی چالیس برس تک تکلیف دے گا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرد ہو گا جو سات ہزار سال کے بعد آگ سے باہر نکالا جائے گا۔ کاش کہ وہ شخص میں ہوتا۔ اور ایک دن آپ کو دیکھا گیا کہ ایک حجرے میں بیٹھے رو رہے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا "آپ کیوں رو رہے ہیں؟" آپ نے کہا "مجھے اس بات کا خوف ہے کہ میں دوزخ میں ڈالا جاؤں اور آتشِ دوزخ بھی مجھے پاک نہ کر سکے۔ اسی جگہ کہا ہے۔ رباعی

اندر خورِ ما چو ہیچ پاکے نہ بود ۔۔۔ در عالمِ ما حدیثِ خاکے نہ بود
روزِ رحمت نبر کہ در حضرتِ ما ۔۔۔ از کشتن ہیچ پاک باکے نہ بود

(کوئی بھی پاک سے پاک ہمارے دربار کے لائق نہیں تو پھر کسی خاکی کا یہاں کیا پوچھنا۔

Marfat.com

اُس دن رحمت کے بھروسے پر بے خوف نہ بیٹھے رہو۔ کیونکہ ہمارے دربار میں کسی پاک سے پاک کو بھی عذاب دینے میں کوئی خوف نہیں ہے)۔ جب حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہے تو ہم جیسے مشت خاک گنہگار اور خاکسار کیا چیز ہیں اور کس شمار و قطار میں ہیں۔ خواجہ احمد عرب سے روایت ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی دھوپ کے مقابلے میں سایہ کو اختیار کرتا ہے تو دوزخ کے مقابلے میں بہشت کو کیوں اختیار نہیں کرتا؟ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ بہت سے حسین و جمیل اور تندرست فصیح زبان ایسے ہوں گے جو دوزخ کے طبقوں میں چیختے چلاتے اور گریہ وزاری میں مصروف رہیں گے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام سے نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے "خداوندا! میں تیری آگ کی گرمی کیونکر برداشت کروں گا جبکہ تیرے سورج کی گرمی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور تیرے عذاب کی آواز کیونکر سنوں گا جبکہ تیری رحمت کی آواز سننے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔" ذرا ان ہستیوں کو خیال کرو اور دیکھو کہ وہ کتنے خوف و خشیت میں مبتلا رہے ہیں۔ اب جانو کہ اللہ تعالےٰ نے آگ کو بڑا ہولناک پیدا کیا ہے۔ اور اسمیں داخل ہونے والوں کا ایک گروہ بھی پیدا کیا ہے۔ ان کی تعداد نہ بڑھے گی اور نہ گھٹے گی۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو اللہ تعالےٰ کی مشیئت میں مقرر ہو چکی ہے اور اس قضا و قدر سے قلم اُٹھا لیا گیا ہے۔ پس ہماری اور تمھاری اس غفلت پر سخت تعجب اور حیرت ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے کہ روز ازل ہمارے حق میں کیا فرمان جاری ہوا ہے۔ اگر تم کہو، کاش ہم کو معلوم ہو جاتا کہ ہمارا ٹھکانا کہاں ہے، ہم کہاں بھیجے جائیں گے اور ہمارے حق میں قضا و قدر نے کیا لکھا ہے تو جانو کہ اس کی ایک علامت اور نشانی ہے۔ اگر تم اس علامت سے انسیت پیدا کرو تو اس کے ذریعے سے تمھاری امیدیں صادق ہو جائیں گی۔ اور وہ علامت یہ ہے کہ اپنے حال اور اعمال کو دیکھو کہ جو شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اُس کی انجام دہی بھی اُس پر آسان کر دی گئی ہے۔ پس اگر کارِ خیر کی راہیں تمھارے لیے کھول دی گئی ہیں اور اُن پر چلنا تمھارے لیے آسان ہے تو خوشیاں مناؤ کہ تم دوزخ کے عذاب سے دُور ہو۔ اور اگر ایسا ہے کہ کارِ خیر کا تم ارادہ ہی نہ کرو، اور ارادہ بھی کرو تو ایسی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں جن کو تم

Marfat.com

دُور نہیں کر سکتے۔ اور شریعت کی طرف بھی توجہ نہ کرو کہ اس کے ذریعہ رکاوٹوں کے دُور ہونے کا سامان مہیا ہو جائے تو جان لو کہ یہ باتیں تمھارے لیے مقدر کر دی گئی ہیں جن کی طرف تمھاری طبیعت کا رُجحان ہے کیونکہ یہی عاقبت کی دلیل ہے۔ جیسے بارش نباتات کی روئیدگی کی، اور دھواں آگ کی دلیل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (یقیناً نیک لوگ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور بدکردار لوگ دوزخ کی آگ میں جلیں گے)۔ اب اپنے نفس کا اس آیت کی ان دونوں حالتوں سے موازنہ کرو تاکہ اِن دو مقاموں میں سے تمھاری جائے قرار معلوم ہو جائے۔

حضرت خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ کہتے تھے "میں نہیں جانتا کہ ان دو مصیبتوں میں سے کون سی مصیبت زیادہ سخت ہے۔ بہشت سے محروم ہونا یا دوزخ میں جانا۔ لیکن بہرحال جنت کی نعمتوں سے محروم ہونا دوزخ کی تکلیف برداشت کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ اور ہمیشہ دوزخ میں رہنا زیادہ دشوار ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی وقت اس سے رہائی اور عذاب سے چھٹکارا ممکن ہو۔ لیکن دوزخ کا ابدی عذاب تو بہت ہی دشوار ہے۔ کون سا دل اس کو برداشت کر سکتا ہے اور کون سا نفس اس پر صبر کر سکتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ "دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا خیال ڈرنے والوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے"۔ دوزخ اور اُس کے عذاب کا یہ تھوڑا سا بیان ہے جو تم نے سُنا۔ یہاں ایک راز ہے اور وہ یہ ہے کہ جب موت اس دنیا کے حجاب کو اُٹھا دیتی ہے اور نفس اس دنیا کی کدورتوں سے آلودہ رہ جاتا ہے تو کلیتہً اس دنیا سے جدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ اپنے مرتبے میں کم و بیش ہوتا ہے۔ جیسے کسی چیز پر زنگ بیٹھ جاتا ہے اور ایک ایسے آئینے کی طرح ہو جاتا ہے جس کو زنگ کی دبیز تہ نے تباہ و برباد کر دیا ہو۔ اس کی اصلاح اور صیقل و جلا کرنے کی کبھی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ہمیشہ حجاب میں رہا کرتے ہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْھَا۔ اور بعض لوگوں کا جوہر زنگ و کدورت کی اس حد تک نہیں پہنچتا کہ صاف ہونے اور جلا قبول کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جائے تو اس کو دوزخ میں اس لیے ڈالیں گے اور اُس وقت تک رکھیں گے کہ اس کا زنگ و میل دُور ہو جائے۔ اس کا آگ میں

Marfat.com

ڈالا جانا محض تزکیہ اور صفائی کی ضرورت کے مطابق ہوگا اور اس سے ایک پل بھر بھی کمی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ اور یہ بات اکثر گنہگار مومن کے لیے ہوگی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سات ہزار سال میں کوئی نفس ایسا اس دنیا سے رحلت نہیں کرتا جس کے ساتھ اس دنیا کی تیرگی اور آلایش نہ باقی رہتی ہو، اگرچہ تھوڑی ہو۔ اب یہاں اس آیت کے اسرار سمجھنے کی کوشش کرو وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (اور تم میں سے ہر ایک کے لیے اس (دوزخ) میں سے گزرنا ضروری ہے۔ اور یہ بات تمھارے پروردگار نے لازمی مقدّر فرما دی ہے)۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سواں مکتوب ۱۰۰

بہشت کے بیان میں

بھائی شمس الدین معلوم کرو کہ جب اس سرائے (دوزخ) کے درد، دُکھ اور رنج و غم جان چکے تو اس کے مقابلے میں ایک دوسری سرائے (جنت) بھی ہے۔ اب اس کی نعمتوں اور خوشیوں پر غور کرو۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک سے دُور ہوگا لامحالہ دوسری جگہ پہنچے گا۔ پس امید اور خوف دونوں کو اپنے دل میں پیدا کرو۔ دوزخ کی ہولناکیوں کے خیال سے خوف ہوتا ہے اور جنّت کی نعمتوں کے خیال سے امید پیدا ہوتی ہے۔ تمھارا خوف ملکِ عظیم پانے کے لیے ہوتا ہے اور تمھاری امید، عذابِ الیم سے رہائی پانے کے لیے ہوتی ہے۔ پس جب تم چاہو کہ بہشت کے اوصاف معلوم کرو تو خداوند جل و علا کا یہ قول قرآن مجید میں پڑھو۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (اور جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو باغ ہیں) سورۂ رحمٰن کے آخر تک اور سورۂ واقعہ وغیرہ۔ اور جب تم بہشت کی صفتوں اور اس کے حالات جان چکو تو اب ان کی تعداد معلوم کرو۔ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ اَیْ جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ اٰنِیَتُهُمَا وَمَا فِیْهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ اٰنِیَتُهُمَا وَمَا فِیْهِمَا وَمَا بَیْنَ الْقَوْمِ وَبَیْنَ اَنْ یَّنْظُرُوْا اِلٰی رَبِّهِمْ اِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِیَاءِ

Marfat.com

عَلٰی وَجْهِهٖ فِی جَنّٰتِ عَدْنٍ (اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اُس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ یعنی دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے اندر تمام ساز و سامان چاندی کے ہیں۔ اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے اندر تمام ساز و سامان سونے کے ہیں۔ اور خداوند رب العلمین اور اُن لوگوں کے درمیان جو اپنے پروردگار کو دیکھیں گے سوائے ردائے کبریائی کے اور کوئی پردہ حائل نہ ہوگا۔ یہ بہشتِ عدن کا ذکر ہے)۔ اب بہشت کے دروازوں کو دیکھو! وہ تعداد میں بہت ہیں۔ اور ان کا اندازہ اصولِ طاعت وعبادت کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَیْنِ مِنْ مَّالِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ دُعِیَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَلِلْجَنَّةِ اَبْوَابٌ فَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ۔ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّیَامِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصِّیَامِ وَهُوَ بَابُ الرَّیَّانِ۔ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ (جو کوئی خدا کی راہ میں اپنے مال میں سے دو حصہ مال خیرات کرے گا وہ بہشت کے ایک خاص دروازے سے بلایا جائے گا۔ اور جنت کے بہت سے دروازے ہیں۔ جو اہلِ نماز ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے، اور جو روزہ دار ہوگا وہ باب الصیام سے جس کا نام باب الریّان ہے، اور جو اہلِ صدقہ وخیرات ہوگا وہ باب الصدقہ سے اور جو صاحبِ جہاد ہوگا وہ باب الجہاد سے بلایا جائے گا)۔ حضرت امیر المؤمنین صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَی الْجَنَّةِ زُمَرًا (جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے، وہ گروہ در گروہ جنت کی کی طرف ہنکائے جائیں گے)۔ جب بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے پاس پہنچیں گے تو ایک درخت دیکھیں گے جس کے تنے سے دو چشمے بہ رہے ہوں گے۔ ایک چشمہ سے اُن کو پانی پینے کا حکم دیا جائے گا۔ اور جب وہ اُس کا پانی پیئیں گے تو ان کے دل کا تمام خوف ورنج دُور ہو جائے گا۔ پھر حکم کے مطابق دوسرے چشمے کے پاس جائیں گے اور اُس میں غسل کریں گے تو ان کے چہروں پر نعمت کی تازگی دوڑ جائے گی اور ایسے پاک و مطہر ہو جائیں گے کہ ان کے بال تک کبھی گرد آلود نہ ہوں گے نہ اُن کا سر میلا ہوگا، نہ بال

پریشان ہوں گے ایسا معلوم ہوگا کہ تیل مل کر سنوارے گئے ہیں۔ پھر بہشت میں داخل ہوں گے اور اُن سے کہا جائے گا سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِیْنَ (تم پر سلامتی ہو کہ تم دنیا میں پاک رہے۔ اب ہمیشہ کے لیے اس میں آجاؤ)۔ پھر بہشت کے غلمان (یعنی حسین و کم سن خدمت گار) اُنھیں دیکھ کر گھیر لیں گے، جیسے دنیا کے نوکر اور غلام اپنے مالک کے سفر سے واپس آنے پر گھیر لیتے ہیں۔ اور مبارک باد دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے یہ انعام و اکرام کیے ہیں اور ایسے ایسے ساز و سامان بنائے ہیں۔ پھر ان غلاموں میں سے ایک غلام اس شخص کی منسوبہ اور معینہ حورعین سے جاکر کہے گا کہ میں نے فلاں شخص کو (اس کا نام جو دنیا میں تھا وہی لے گا) دیکھا ہے وہ آرہا ہے۔ وہ پوچھیں گی کیا تو نے اس کو دیکھا ہے؟ وہ کہے گا "ہاں میں نے دیکھا ہے اور وہ میرے پیچھے آہی رہا ہے"۔ یہ سن کر وہ خوشی کے مارے آپے سے باہر ہو جائے گی اور دروازے پر آکر کھڑی ہوگی۔ جب وہ شخص اپنے محل کے سامنے آئے گا اور اُس کی بنیاد کو دیکھے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک موتی کی چٹان ہے اور اُس پر سبز و سرخ اور زرد رنگ کا محل ہے۔ پھر سر اُٹھا کر اُس کی چھت کو دیکھے گا، ایسا معلوم ہوگا کہ بجلی کی طرح روشن اور چمک دار ہے لیکن وہ آگ نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اُس کے دیکھنے کی طاقت عطا فرمائے گا۔ ورنہ اُس کی چمک سے آنکھوں کی روشنی زائل ہو جاتی۔ پھر ادھر اُدھر نگاہیں پھیر کر اپنی بیویوں کو دیکھے گا۔ ہر طرف گلاس و صراحیاں رکھی ہوں گی۔ پُر تکلف بستر اور تکیے ایک دوسرے کے برابر لگے ہوں گے۔ ہر مقام پر فرش بچھے ہوں گے۔ پھر وہ مسند پر بیٹھ کر کہے گا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ (اُس خداوند کریم کی حمد و ثنا اور شکر جس نے ہم کو یہ راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہماری ہدایت نہ فرماتا تو ہم اس قابل نہ تھے کہ ہدایت پاتے)۔ پھر ایک منادی آواز دے گا "تم ہمیشہ زندہ رہو اور کبھی تم کو موت نہ آئے۔ یہاں مقیم رہو اور کبھی یہاں سے نہ جاؤ۔ ہمیشہ تندرست رہو اور کبھی بیمار نہ ہو"۔

اب بہشت کی کھڑکیوں اور اُس کے مختلف درجات کی بلندیوں پر غور کرو۔ جس طرح یہاں لوگوں کے درمیان عبادات اور اخلاق میں فرق ہوتا ہے اسی طرح بہشت میں اُس کی مناسبت سے اجر و ثواب میں فرق ہوگا۔ اب اگر تم وہاں بہت اونچا درجہ چاہتے ہو تو کوشش کرو کہ عبادت

Marfat.com

اور طاعتِ خداوندی کوئی تم سے سبقت نہ لے جائے ؟ اگر کسی کو طاعت و عبادت میں اپنے سے زیادہ دیکھو تو ایسا رشک ہونا چاہیئے) جیسے تمہارا کوئی دوست یا ہمسایہ تمہارے مکان کے سامنے اونچا دروازہ یا تمہارے مکان سے زیادہ بلند مکان بناتا ہے تو تمھیں رشک ہوتا ہے۔ (اور اس تمنا میں کہ تمہارا مکان اس سے زیادہ اونچا ہوتا) تمھاری زندگی گراں ہو جاتی ہے۔ تمھاری بہتر حالت تو ہے کہ تم بہشت میں اپنی جگہ بناؤ اور یہ گوارا نہ کرو کہ کوئی جماعت مرتبے میں تم سے آگے بڑھ جائے کیونکہ وہاں کی ایک ایک نعمت ایسی ہے کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی کل نعمتیں ہیچ ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اَھْلَ الْجَنَّۃِ لَیَرَوْنَ اَھْلَ الْغُرَفِ فَوْقَھُمْ کَمَا تَرَوْنَ الْکَوَاکِبَ الْغَابِرَۃَ فِی الْاُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَیْنَھُمْ (ساکنانِ بہشت یقیناً اپنے اوپر جھروکوں میں رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم مشرق و مغرب سے پچھلی رات کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ اور یہ اُن کی فضیلت کی وجہ سے ہوگا جو انھوں نے ایک دوسرے کے درمیان حاصل کی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ منزلیں پیغمبروں کے لیے خاص ہیں یا اور کسی کو بھی ملیں گی فرمایا ہاں! وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ رِجَالٌ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِیْنَ (اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ لوگ خدا پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔ اور یہ بھی فرمایا اِنَّ اَھْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی لَیَرَاھُمْ مَنْ تَحْتَھُمْ کَمَا تَرَوْنَ النَّجْمَ الطَّالِعَ فِیْ اُفُقٍ مِنْ اٰفَاقِ السَّمَآءِ وَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ وَّ عُمَرَ مِنْھُمْ وَاَنْعَمَا (یقیناً بہشت میں اونچے مقام کے رہنے والے اپنے سے نیچے درجے میں رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم کسی طلوع ہونے والے ستارے کو آسمان کے کسی افق میں دیکھتے ہو اور یقیناً ابوبکرؓ اور عمرؓ انھیں لوگوں میں سے ہیں بلکہ ان سے زیادہ)۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَا اُحَدِّثُکُمْ بِغُرَفِ الْجَنَّۃِ (کیا میں جنت کے جھروکوں کی بات تم سے نہ بتاؤں؟)۔ ہم نے کہا "ہاں، یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں"! فرمایا اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ غُرَفًا مِنْ اَصْنَافِ الْجَوَاھِرِ کُلِّہٖ یُرٰی ظَاھِرُھَا مِنْ بَاطِنِھَا وَبَاطِنُھَا مِنْ ظَاھِرِھَا وَفِیْھَا مِنَ النَّعِیْمِ وَاللَّذَّاتِ

Marfat.com

وَالشُّہُوْدِ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ (بیشک جنت میں شفاف جواہرات کی قسم کے جھروکے (کمرے) ہیں جن کے اندر سے باہر کی تمام چیزیں نظر آتی ہیں اور باہر سے اندر کی تمام چیزیں نظر آتی ہیں۔ اس میں نعمتوں، لذتوں اور خوشی و انبساط کے ایسے ایسے سامان ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں اس کا گمان گزرا ہے)۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ یہ حجرے کس کے لیے ہیں؟ آپ نے فرمایا لِمَنْ اَفْشَی السَّلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَاَدَامَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ۔ (جس نے سلام کو ظاہر کیا، لوگوں کو کھانا کھلایا، ہمیشہ روزہ رکھا اور راتوں میں نمازیں پڑھیں جبکہ لوگ میٹھی نیند سوتے رہے) ہم نے کہا یا رسول اللہ اتنی طاقت کس میں ہے؟ آپ نے فرمایا اُمَّتِیْ یُطِیْقُ ذٰلِكَ وَسَاُخْبِرُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ مَنْ لَقِیَ اَخَاهُ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ فَقَدْ اَفْشَی السَّلَامَ وَمَنْ اَطْعَمَ اَهْلَهٗ وَعِیَالَهٗ مِنَ الطَّعَامِ حَتّٰی یُشْبِعَهُمْ فَقَدْ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَمَنْ صَامَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَمِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فَقَدْ اَدَامَ الصِّیَامَ وَمَنْ صَلَّی الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ وَصَلَّی الْغَدَاةَ فِی الْجَمَاعَةِ فَقَدْ صَلَّی اللَّیْلَ وَالنَّاسُ نِیَامٌ اَلْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی وَالْمَجُوْسُ (میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے اور میں تم کو بتاتا ہوں کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو دیکھ کر سلام کیا، یا سلام کا جواب دیا تو بالضرور اس نے سلام کو ظاہر کیا جس نے اپنے اہل و عیال کو شکم سیر کھانا کھلایا۔ اس نے لوگوں کو کھانا کھلایا جس نے ماہ رمضان کے روزے اور ہر مہینے میں تین دن کے روزے (یعنی ایام بیض، چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ) رکھے تو ضرور اس نے ہمیشہ روزہ رکھا اور جس نے عشاء کی نماز تاخیر سے باجماعت ادا کی اور صبح کی نماز باجماعت پڑھی تو گویا اس نے تمام رات نماز پڑھی جبکہ لوگ (یہود و نصاریٰ اور مجوس) پڑے سوتے رہے)۔ اور صحابہؓ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت وَمَسَاكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ (اور بہشت عدن میں پاکیزہ اور صاف ستھرے مکانات ہیں) کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا قَصْرٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ فِیْ ذٰلِكَ الْقَصْرِ سَبْعُوْنَ دَارًا مِنْ یَاقُوْتٍ حَمْرَاءَ فِیْ كُلِّ دَارٍ سَبْعُوْنَ بَیْتًا مِنْ زُمُرُّدٍ خَضْرَاءَ فِیْ كُلِّ بَیْتٍ سَبْعُوْنَ سَرِیْرًا عَلٰی كُلِّ سَرِیْرٍ سَبْعُوْنَ فِرَاشًا مِنْ كُلِّ لَوْنٍ وَعَلٰی كُلِّ فِرَاشٍ زَوْجَةٌ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ۔ فِیْ كُلِّ بَیْتٍ

Marfat.com

سَبْعُوْنَ مَائِدَۃً عَلٰی کُلِّ مَائِدَۃٍ سَبْعُوْنَ لَوْنًا مِنَ الطَّعَامِ وَیُعْطَی الْمُؤْمِنُ فِیْ کُلِّ غَدَاۃٍ مِنَ الْقُوْتِ مَا یَاْتِیْ عَلٰی ذٰلِكَ اَجْمَعَ (بہشت میں ایک دانہ مروارید سے بنا ہوا ایک محل ہے۔ اُس محل میں یاقوتِ سُرخ کی بنی ہوئی ستر سرائیں ہیں۔ ہر سرائے میں زمرد سبز کے ستر حجرے ہیں۔ ہر حجرے میں ستر تخت بچھے ہیں۔ ہر تخت پر مختلف رنگ کے ستر فرش پڑے ہیں ہر فرش پر ایک حور عین بیٹھی ہے۔ نیز ہر سرائے میں ستر دستر خوان ہیں ہر خوان پر ستر رنگ کے کھانے چُنے ہوئے ہیں۔ اور ہر صبح مومنوں کو اتنا رزق دیا جائے گا جو سب کے لیے کافی ہوگا) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ حَائِطَ الْجَنَّۃِ لَبِنَۃٌ مِّنْ ذَهَبٍ وَلَبِنَۃٌ مِّنْ فِضَّۃٍ تُرَابُهَا زَعْفَرَانٌ وَطِيْنُهَا مِسْكٌ (جنت کی دیواریں سونے چاندی کی اینٹوں سے بنی ہوئی ہیں۔ ان میں زعفران کی مٹی اور مشک کا گارا استعمال کیا گیا ہے) اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے کلام میں جو کہا گیا ہے وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ مَا بَیْنَ الْفِرَاشَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (دو بستروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا فاصلہ زمین اور آسمان کا ہے) اور حضرت زید ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک یہودی حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا "اے ابوالقاسم، تم کہتے ہو کہ بہشت میں ساکنانِ بہشت کھائیں گے اور پئیں گے؟" یہ شخص اپنے دوستوں سے کہہ کر آیا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس بات کا اقرار کریں گے تو ہم ان کو شکست دے دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بَلٰی وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ اَحَدَهُمْ لَيُعْطٰی قُوَّۃَ مِائَۃِ رَجُلٍ فِی الْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَالْجِمَاعِ (ہاں، اُس خدائے بزرگ و برتر کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اُن میں سے ایک ایک مرد کو سو مردوں کی طاقت دی جائے گی کھانے پینے میں اور جماع میں) اُس یہودی نے کہا کہ "جو شخص کھاتا پیتا ہے اُس کو (پیشاب پاخانہ کی) حاجت بھی ہوتی ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حَاجَتُهُمْ عَرَقٌ يَّفِيْضُ مِنْ جُلُوْدِهِمْ مِثْلَ الْمِسْكِ فَاِذَا الْبَطْنُ قَدْ ضَمَرَ (اُن کی رفع حاجت اس طرح ہوگی کہ پسینہ اُن کے بدن سے خارج ہوگا جو مشک کی طرح خوشبودار ہوگا۔ اور اُن کا پیٹ ہلکا ہو جایا کرے گا۔ نقل ہے کہ

Marfat.com

کسی وقت ایک یہودی نے ایک بزرگ سے کہا "تمھارے مذہب میں تین مسئلے مشکل نظر آتے ہیں۔ اگر تم ان کے جوابات دو اور مثال سے سمجھادو تو میں تمھارا دین قبول کرلوں۔!" انھوں نے کہا وہ تین مسئلے کیا ہیں؟ اُس نے کہا۔ "تم کہتے ہو بہشت میں کھائیں پئیں گے اور بول و براز کی حاجت نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ تم کہتے ہو کہ بہشت میں ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخیں ہر جگہ پہنچی ہوئی ہیں۔ تیسرے یہ کہ تم کہتے ہو کہ جس قدر کھائیں پئیں گے بہشت کی نعمتیں کم نہ ہوں گی۔" انھوں نے جواب دیا کہ کھانے پینے پر بھی بول و براز نہ ہونے کی مثال دنیا میں یہ ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں کھاتا پیتا ہے مگر بول و براز کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور درخت کی مثال دنیا میں آفتاب ہے۔ اگرچہ وہ ایک ہے مگر اس کی کرنیں ساری دنیا میں ہر جگہ موجود رہتی ہیں۔ اور یہ کہ کھانے پینے سے نعمتوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی اس کی مثال دنیا میں قرآنِ پاک ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان اسے پڑھتے سنتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں مگر (اس کے نور اور اس کی لذت اور سرور میں) کوئی کمی نہیں ہوتی۔" یہ سن کر یہودی فوراً ایمان لے آیا اور مسلمان ہوگیا۔ اور تفسیر میں ہے کہ اگر کوئی حور دریا میں اپنا تھوک ڈال دے تو کسی دریا میں کھاری پانی نہ رہ جائے (بلکہ سارا سمندر میٹھا ہو جائے)۔ اور اگر اندھیری راتوں میں بہشت کے باہر ایک انگلی نکال دے تو رات بھی دن کی طرح روشن ہو جائے۔ اور ابو سعید خُدری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے کلام میں ہے: كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (گویا کہ وہ حوریں یاقوت اور مرجان کی ہیں) اَیْ یُنْظَرُ وَجْهُهَا فِيْ خِدْرِهَا اَصْفٰى مِنَ الْمِرْاٰةِ وَاِنَّ اَدْنٰى لُؤْلُؤَةٍ عَلَيْهَا لَتُضِيْءُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَاِنَّهٗ يَكُوْنُ عَلَيْهَا سَبْعُوْنَ ثَوْبًا يَنْفُذُهَا بَصَرُهٗ حَتّٰى يُرٰى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَّرَاءِ ذٰلِكَ۔ (یعنی ان کے چہرے پردوں کے اندر بھی آئینے سے زیادہ صاف اور روشن دکھائی دیں گے اور اُن کے ادنیٰ درجے کے موتی کی چمک سے مغرب و مشرق کے درمیان کی فضا روشن ہو جائے گی۔ اور جبکہ اُن کے جسم پر ستر کپڑوں کا لباس ہوگا پھر بھی اُن سے نگاہیں پار ہو جائیں گی۔ یہاں تک کہ پنڈلیوں کی ہڈی کا گُودا نظر آئے گا۔) اور حضرت انس رضی اللہ نے روایت کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَمَّا اُسْرِیَ

Marfat.com

فِی دَخَلْتُ الْجَنَّةَ رَأَیْتُ مَوْضَعًا یُسَمّٰی بِبَیْدَخ عَلَیْهِ خِیَامُ اللُّؤْلُؤِ وَالزَّبَرْجَدِ الْاَخْضَرِ وَالْیَاقُوْتِ الْاَحْمَرِ یَقُلْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقُلْتُ یَا جِبْرِیْلُ مَا هٰذَا النِّدَاءُ فَقَالَ هٰؤُلَاءِ الْمَقْصُوْرَاتُ فِی الْخِیَامِ اِسْتَأْذَنَّ رَبَّهُمْ فِی السَّلَامِ فَاَذِنَ لَهُنَّ فَیَقُلْنَ وَیَقُلْنَ نَحْنُ الرَّاضِیَاتُ فَلَا نَسْخَطُ وَنَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَرْتَحِلُ وَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰی حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ۔ (جب مجھے معراج کی رات سیر کرائی تو میں جنت میں گیا۔ وہاں ایک جگہ دیکھی جسے بَیدَخ کہا جاتا ہے، وہاں موتیوں، سبز زبرجد اور سرخ یاقوت کے خیمے نصب تھے۔ آواز آئی "السلام علیک یا رسول اللہ"! میں نے جبریل سے پوچھا "یہ کیسی آواز ہے"؟ انھوں نے کہا "یہ مقصورات خیام ہیں۔ انھوں نے اپنے پروردگار سے اجازت چاہی کہ آپ کو سلام کریں تو رب العلمین نے ان کو اجازت دیدی"۔ پھر وہ کہنے لگیں کہ ہم ایسی خوش رہنے والیاں ہیں کہ ہمیں کبھی غصہ نہیں آتا۔ اور ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، ہم کبھی رحلت نہ کریں گے"۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام حُوْرٌ مقصورات فی الخیام پڑھا اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالےٰ کے اس قول وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (وہ پاک وصاف بیویاں ہیں) کی یہ وضاحت کی ہے کہ وہ حیض، بول و براز، پسینہ، بلغم، منی اور بچے جننے کی آلائشوں سے پاک و صاف ہیں۔ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلام فِیْ شُغُلٍ فَاكِهُوْنَ (وہ خوش طبعی اور مسرتوں کے مشغلہ میں مصروف رہیں گے) کے متعلق بیان کیا ہے کہ ان کا شغل تو بس دوشیزاؤں کا انتخاب کرنا ہوگا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بہشت کی کمترین منزل میں رہنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کی خدمت کے لیے ایک ہزار خدمتگار ہوں گے۔ اور ہر ایک کے سپرد صرف ایک ہی کام ہوگا تاکہ اُس پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ اور روایت کرتے ہیں، کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ الرَّجُلَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ لَیَتَزَوَّجُ خَمْسَ مِائَةِ حَوْرَاءَ وَاَرْبَعَةَ اٰلَافِ بِكْرٍ وَّثَمَانِیَةَ اٰلَافِ ثَیِّبَةٍ یُعَانِقُ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ مِقْدَارَ عُمْرِهٖ فِی الدُّنْیَا۔ (اہل بہشت میں سے ہر ایک مرد کو پانسو حوریں، چار ہزار باکرائیں اور آٹھ ہزار ثیبائیں (عورتیں) دی جائیں گی۔ اور وہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی دنیاوی عمر کے برابر وقفہ تک اپنی بغل میں رکھے گا)۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ بہشت میں ایک بازار ہے

Marfat.com

جہاں خرید و فروخت نہ ہوگی۔ بس مردوں اور عورتوں کی صورتیں ہوں گی جس کا جی چاہے گا وہ اُس دن وہاں جائے گا۔ وہ حورعین حاصل کرنے کی جگہ ہے۔ وہ ایسی خوش الحانی سے پکاریں گی کہ کسی مخلوق نے نہ سنی ہوگی اور کہیں گی "ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں کبھی نہیں مریں گی۔ ہم ایسی خوش عیش ہیں کہ کبھی فقیر و مفلس نہ ہوں گی (یعنی ہماری خوش عیشی میں کبھی کمی نہ ہوگی) ہم ہمیشہ شاد و خرم رہنے والیاں ہیں کبھی غصہ اور ناراض نہ ہوں گی۔ اُس شخص کو مبارک باد جو ہمارے لیے ہے اور ہم اُس کے لیے ہیں" ایک روایت میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بہشت میں جائے گا اُس کے سرہانے اور پائینتی دو حوریں بیٹھ کر ایسی خوش الحانی سے نغمہ سرائی کریں گی کہ آدمیوں اور پریوں نے کبھی نہ سنی ہوگی۔ اور وہ شیطانی ساز و نغمے نہ ہوں گے بلکہ خداوند عالم کی حمد و ثنا اور تقدیس ہوگی۔ ایک شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا "یارسول اللہ! بہشت میں گھوڑے بھی ہوں گے کیونکہ میں گھوڑوں سے بہت محبت کرتا ہوں؟" آپ نے فرمایا "اِنْ اَحْبَبْتَ ذٰلِكَ اُوتِيْتَ بِفَرَسٍ يَاقُوْتَةٍ حَمْرَاءَ يَطِيْرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ (اگر تم گھوڑا پسند کرتے ہو تو تمھیں یاقوت سرخ کا گھوڑا دیا جائے گا اور بہشت میں جہاں کہیں تم جانا چاہو گے وہاں بہت جلد پہنچا دے گا) اور ایک دوسرے آدمی نے کہا "مجھے اونٹ پسند ہے بہشت میں اونٹ بھی ہوں گے؟" آپ نے فرمایا يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِنْ اُدْخِلْتَ الْجَنَّةَ فَلَكَ فِيْهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنَاكَ (اے خدا کے بندے اگر تو جنت میں داخل کیا گیا تو وہاں جس چیز کی خواہش ہوگی اور جن چیزوں سے تیری آنکھیں لطف اندوز ہو سکیں گی سب تیرے لیے موجود ہوں گی)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بہشتی مردوں کے بچے بھی ہوں گے۔ اور جب وہ اولاد کی خواہش کریں گے تو استقرار حمل، بچے کا پیدا ہونا اور جوان ہو جانا ایک ساعت میں سب ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب اہل بہشت بہشت میں مقیم ہو جائیں گے تو ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی سے ملنے کی خواہش کرے گا۔ تو ایک کا تخت دوسرے کی طرف روانہ ہوگا اور وہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ اور جو جو واقعے دنیا میں اُن کے ساتھ ہوئے ہوں گے ان کا ذکر کریں گے۔ اور کہیں گے "اے بھائی، تمھیں وہ دن یاد ہے

Marfat.com

جب فلاں مجلس میں ہم دونوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو ذکر و دعا کے ساتھ یاد کیا تھا۔ اُس نے ہم کو بخش دیا"۔ اور فرمایا اَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدٌ مُرْدٌ بِيضٌ جِعَادٌ مُكَحَّلُونَ أَبْنَاءُ ثَلَثٍ وَثَلَاثِيْنَ عَلَى خَلْقِ آدَمَ طُولُهُمْ سِتُّونَ ذِرَاعًا فِي عَرْضِ سَبْعَةِ أَذْرُعٍ (اہلِ بہشت کے بدن اور چہروں پر بال نہ ہوں گے۔ اُن کا رنگ سفید اور سر کے بال گھونگھریالے اور آنکھیں سرمہ آلود ہوں گی۔ اور اُن کا سن تینتیس برس کا ہوگا۔ وہ آدم علیہ السلام کی خلقت پر قد و قامت میں ساٹھ گز کے لمبے اور سات گز چوڑے ہوں گے۔ اور تفسیر میں آیا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح حسین و جمیل ہوں گے۔ وہ اخلاقِ محمدی سے آراستہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح خوش آواز ہوں گے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے یدِ قدرت سے پیدا کیا۔ اور توریت اپنے یدِ قدرت سے لکھا۔ اور بہشت کو اپنے یدِ قدرت سے آراستہ کیا۔ پھر اُس کو بولنے کا حکم دیا تو اُس نے کہا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (بیشک مومنوں نے فلاح و نجات پائی)۔ اور جو لوگ بہشت میں جائیں گے اُن میں کمترین مرتبہ کا جنتی وہ ہوگا جس کے ملک کی وسعت پانسو برس کی راہ ہوگی۔ سونے چاندی کے محل اور موتی کے خیمے ہوں گے۔ اُن کی بینائی میں اتنی طاقت عطا کی جائے گی کہ وہ اپنے ملک کی انتہائی دُور و دراز وسعتوں کو اسی طرح دیکھیں گے جیسے قریب سے دیکھتے ہیں۔ ہر صبح اور ہر شام اُن کے سامنے ستر ہزار سونے کے پیالے لائے جائیں گے۔ ہر پیالے کا رنگ دوسرے پیالے سے جُدا ہوگا۔ ہر پیالے کی نعمت دوسرے پیالے سے مختلف ہوگی۔ اول و آخر ہر کھانے کا مزا یکساں مرغوب ہوگا۔ اور بہشت میں ایک یاقوت اتنا بڑا ہے کہ اس میں ستر ہزار سرائیں ہیں۔ اور سرائے میں ستر ہزار مکان ہیں جن کی دیواروں میں کہیں رخنہ یا سوراخ نہیں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بہشت میں ایک حور ہے جس کا نام علینا ہے۔ اُس کے دائیں بائیں ستر ہزار باندیاں ہیں۔ وہ کہے گی "کہاں ہیں وہ لوگ جو امر معروف (نیکی کا حکم) اور نہی منکر (بدی سے ممانعت) کرتے تھے۔ (اے بھائی) یہ باتیں ہمارے تمہارے لائق ہیں جو تم نے سنیں۔ اور یہ ہمارے اور تمہارے حوصلے کی قوت تھی جو بیان کی گئی۔ لیکن بھلا وہ مرتبہ کہاں؟ لیکن پھر بھی ہم نا امید نہیں ہیں اللہ تعالےٰ چاہے تو یہ مرتبہ بھی عنایت کرے گا۔ اور وہ مرتبہ صدیقوں کا مطلوب اور ولیوں اور پیغمبروں کا مقصود ہے صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اب جانو کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ (اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے خوبی کے ساتھ نیکیاں انجام دیں اجر اور زیادہ ہے)۔ یہ خداوند رب العزۃ کا دیدار ہے۔ اور یہ اتنی بڑی لذت ہے کہ بہشت کی تمام لذتیں فراموش ہو جاتی ہیں۔ حضرت جُریر عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا الْقَمَرَ (بیشک تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو بے حجاب)۔ نقل ہے کہ جب اہلِ بہشت بہشت میں اور اہلِ دوزخ دوزخ میں جا چکیں گے تو ایک منادی پکار کر کہے گا۔ "اے بہشت والو، تم سے اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ کیا تھا!" وہ کہیں گے "خداوندا! کیا تو نے ہمارے چہرے سفید نہیں کر دیے ہیں؟" وہ کہے گا "ابھی وہ وعدہ باقی ہے!" وہ کہیں گے "بارالہا! کیا تو نے ہمیں دوزخ سے بچا کر بہشت نہیں عطا فرمائی؟" وہ کہے گا۔ "مگر وہ وعدہ ابھی باقی ہے!" وہ کہیں گے "کیا تو نے ہمارے نامۂ اعمال ہمارے داہنے ہاتھ میں نہیں دیے؟" ہاں، ابھی وہ باقی ہے۔ اور وہ ہمارا دیدار ہے؟" پھر تمام پردے اُٹھا دیے جائیں گے۔ اور وہ لوگ اپنے پروردگار کو دیکھیں گے۔ لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار کسی عمل کا بدلہ نہیں ہے بلکہ محض اُس کا فضل و کرم ہے۔ جس طرح دنیا میں ایمان کی توفیق اور معرفت اُس نے اپنے فضلِ خاص سے عنایت فرمائی ہے۔ اسی پر اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک خاص قبہ ایک دانۂ مروارید سے بنایا ہے جس کے چار ہزار دروازے ہیں۔ ہر دروازے کی کشادگی پانسو برس کی راہ ہے اور ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک کا فاصلہ بھی پانسو برس کی راہ ہے۔ اُس قبہ میں ایک دسترخوان بچھا ہوا ہے جہاں تمام اہلِ بہشت بلائے جائیں گے اور سب ایک ہی دسترخوان پر بیٹھیں گے اور جبریل و میکائیل اور آسمان کے تمام فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس دسترخوان کے چاروں طرف کھڑے ہوں اور خدمت کریں۔ مومنین اس دسترخوان پر تیس لاکھ برس تک کھانا کھاتے رہیں گے جب کھانے سے فارغ ہوں گے تو مشک سے سربمہر کی ہوئی شراب کی بوتلیں لائی جائیں گی۔ جیسا کہ فرمایا ہے وَخِتَامُہٗ مِسْکٌ (اُس کی مہریں مشک سے لگی ہوں گی) اُس مہر پہ لکھا ہوگا ھٰذَا

شَرَابٌ طَاهِرٌ مِنْ رَبٍّ طَاهِرٍ لِعَبْدٍ طَاهِرٍ (یہ پاک شراب پاک پروردگار کی طرف سے پاک بندوں کے لیے ہے)۔ ہر ایک اپنا اپنا پیالہ اُٹھائے گا اور شراب پیئے گا۔ جب شراب پینے سے فارغ ہوں گے تو تمام پردے اُٹھا دیے جائیں گے تاکہ خداوند عزوجل کا دیدار کریں۔ بعض حدیث میں ہے کہ جب بہشتی بہشت میں مقیم ہو جائیں گے تو عرشِ اعظم کے نیچے سے ایک ہوا چلنے لگی گی۔ اس کا نام بادِ لطافت ہے۔ اس سے بہشت کے درختوں کی پتیاں ہلنے لگیں گی جب ایک پتّا دوسرے پتے سے ٹکرائے گا تو اس سے پاکیزہ نغمے کی آواز پیدا ہو گی اور بہشت کے کنگرے صدائے بازگشت پیدا کریں گے، بہشت کی زنجیریں ہلنے لگیں گی اور ایسی آوازِ سماع خوش آہنگی کے ساتھ پیدا ہو گی کہ مومنین اسے سُن کر وجد میں آجائیں گے۔ اللہ رب العزۃ اُن کی آنکھوں سے پردے اُٹھا دے گا اور فرمائے گا ھَا اَنَا ذَا رَبُّكُمْ فَانْظُرُوْا اِلَیَّ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ۔ (آؤ، میں تمھارا پروردگار ہوں، مجھے دیکھو۔ تم پر سلامتی ہو۔ تم پاک و صاف کیے گیے ہو اب اس جگہ ہمیشہ ہمیش رہو)۔ اور اس آیت وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (اور ان کا پروردگار اُن کو اپنے ہاتھ سے شرابِ طہور پلائے گا) کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ میں خود پلاؤں گا کسی دوسرے کی معرفت نہ بھیجوں گا۔ کیونکہ اگر کسی دوسرے کے ہاتھ سے شراب ملے گی تو تم اُس کو دیکھو گے۔ میں خود اس لیے دوں گا کہ تم مجھ کو دیکھو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نیک لوگ باغِ بہشت میں ہرے بھرے درختوں کے سایے میں حور و غلمان کے ساتھ بہشتی نعمتوں کا لطف اُٹھائیں گے۔ لیکن مقربانِ خاص اللہ رب العزۃ کے دربار میں ہمہ وقت معتکف رہیں گے۔ اور اس لطفِ قربِ خداوندی کے مقابلے میں بہشت کی جملہ نعمتوں کو ذرّے سے بھی زیادہ حقیر جانیں گے۔ ابرار کی جماعت تو شکم سیری اور خواہشِ جنسی اور نفسانی لذتوں کی تکمیل میں مشغول رہے گی۔ مگر حضرت رب العزۃ کی مجلسِ قرب میں بیٹھنے والا ایک دوسرا ہی گروہ ہو گا۔ اور حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے ایک نقل روایت ہے کہ آپ نے فرمایا بَیْنَا اَھْلُ الْجَنَّةِ فِی الْجَنَّةِ اِذَا اطَّلَعَ عَلَیْھِمُ الرَّبُّ جَلَّ جَلَالُہٗ فَیَتِیْھُوْنَ بَیْنَ جَلَالِہٖ وَجَمَالِہٖ بِثَمَانِ مِائَةِ اَلْفِ عَامٍ اِذَا نَظَرُوْا اِلَی الْجَمَالِ تَابُوْا وَاِذَا نَظَرُوْا اِلَی الْجَلَالِ ذَابُوْا۔ (جب اہلِ بہشت بہشت میں ہوں گے تو اللہ جل جلالہٗ اُن پر تجلی فرمائے گا، تو وہ جلال اور جمال کے درمیان آٹھ لاکھ برس تک استعجاب و حیرت میں پڑے رہ جائیں گے

کیونکہ جب اُس کے جمال کا نظارہ کریں گے تو خوش و خرم ہو جائیں گے اور جب اُس کے جلال کو دیکھیں گے تو پگھل جائیں گے) پگھلنے کے معنی یہاں اپنے آپ سے بے خود ہو جانے کے ہیں۔ یعنی جو کچھ لذتیں طعام و شراب اور شہوت حور و قصور اور اشجار و انہار کی خوشیاں ہوں گی اُن میں سے ذرہ برابر بھی باقی نہ رہ جائیں گی۔ اور بعض حدیثوں میں وارد ہے کہ جب مومنین بہشت میں آئیں گے اور قیام کریں گے تو فرمان آئے گا تَمَنَّوْا عَلَی الْمَاجِدِ الْوَاحِدِ۔ (اپنے بزرگ و برتر پروردگارِ واحد سے آرزو کرو)۔ لیکن وہ نہ جانیں گے کہ کیا آرزو کریں۔ تو اپنے عالموں کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ جب ہمیں دنیا میں کوئی مشکل پیش آتی تھی ہم آپ کے پاس آکر پوچھ لیتے تھے۔ اب ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم آرزو کریں۔ اب آپ بتائیے کہ ہم کیا آرزو کریں؟ علما جواب دیں گے کہ خداوند عزوجل کے دیدار کی آرزو کرو۔ اور حدیث میں ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بندوں کو خداوند رب العزۃ کا دیدار کب ہوگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ اِلٰى رَبِّهٖ فِي الشَّهْرِ مَرَّةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ اِلٰى رَبِّهٖ فِي الْجُمُعَةِ مَرَّةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ اِلٰى رَبِّهٖ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جو ایک مہینے میں ایک مرتبہ اپنے پروردگار کو دیکھے گا۔ کوئی ایسا ہوگا جو جمعہ کے دن ایک مرتبہ دیکھے گا۔ اور کوئی ایسا ہوگا جو صبح اور شام برابر اپنے پروردگار کو دیکھتا رہے گا)

رَزَقَنَا اللّٰهُ بِفَضْلِهٖ وَكَرَمِهٖ وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِحُرْمَةِ اَنْبِيَائِهٖ وَاَوْلِيَائِهٖ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى مَلٰٓئِكَتِهٖ وَعَلٰى عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

(اے اللہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اور جملہ مومنین اور مومنات کو اس نعمت عظمیٰ کی روزی اور حصہ عنایت فرما اپنے انبیا اور اولیا کی حرمت کے وسیلے اور واسطے سے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے آل و اصحاب اور تمام پیغمبروں اور رسولوں اور فرشتوں اور اپنے تمام نیک بندوں پر درود و سلام اور رحمت نازل فرما۔ اور ہمیں کوئی توانائی اور طاقت نہیں سوائے خداوند علی و عظیم کے) والسلام

Marfat.com

مناجات!

خالقا بیچارۂ راہم ترا | ہیچو مورِ لنگ درگاہم ترا
بے تنے بے دولتے بے حاصلے | بے نوائے بے قرارے بے دلے
دین زدستم رفت دنیا گم شدہ | صورتم نا ماندہ معنےٰ گم شدہ
من نہ کافر نے مسلماں ماندہ ام | درمیانِ ہردو حیراں ماندہ ام
نے مسلمانم نہ کافر چون کنم | ماندہ سرگرداں ومضطر چون کنم
یارب اشک وآہ بسیاریم ہست | گرنہ دارم ہیچ این یاریم ہست
ہم تنِ زندانیم آلودہ شد | ہم دلِ محنت کشم فرسودہ شد
ماندہ ام درچاہِ زنداں پابست | درچنین چاہم کہ گیرد جز تو دست
پاک کن این گردِ رہ از جانِ من | پس بشو از اشکِ من دیوانِ من
گرچہ بس آلودہ در راہ آمدم | عفو کن گر حبس در چاہ آمدم

(اے میرے پروردگار میں تیری راہ میں بے یار و مددگار ہوں۔ تیرے آستانے پر ایک لنگڑی چیونٹی کی طرح پڑا ہوا ہوں۔ میں ایک بے کس غریب اور مفلس ہوں۔ بے ساز و ساماں بے دل اور بے چین ہوں۔ دین بھی میرے ہاتھ سے گیا اور دنیا بھی کھو گئی۔ صورت بھی باقی نہیں رہی اور جان بھی کھو بیٹھا۔ میں نہ کافر ہوا اور نہ مسلمان ہی رہ گیا۔ اب ان دونوں کے بیچ میں حیران و پریشان پڑا ہوا ہوں۔ جب میں کافر بھی نہیں اور نہ مسلمان بس پریشان اور بے چین ہوں تو میں کروں تو کیا کروں۔ بارِ الٰہا! میری آہیں بہت ہیں اور آنکھوں میں آنسوؤں کی فراوانی ہے۔ اگرچہ اور کچھ نہیں ہے۔ لیکن یہی دونوں میرے مددگار ہو سکتے ہیں۔ یہ قید میں

Marfat.com

گرفتار میرا جسم کثافتوں سے آلودہ ہے۔ اور یہ محنت اُٹھانے والا میرا دل نحیف و زار ہوچکا ہے۔ میں کنویں کی قید میں مقید پڑا ہوا ہوں۔ ایسے تاریک کنویں سے سوائے تیرے اور کون میرا ہاتھ پکڑ کر نکال سکتا ہے۔ راستے کی گرد و غبار سے میری جان کو پاک و صاف کر دے۔ اور میرے ہی آنسوؤں سے میرا نامۂ اعمال دھو دے۔ اگرچہ تیرے راستے میں گناہوں سے بہت ہی آلودہ ہو کر آیا ہوں تو مجھے معاف فرما دے۔ کیوں کہ میں دنیا کی قید اور حرص دنیا کے کنویں سے نکل کر آرہا ہوں)۔

بعونہٖ تعالےٰ تمت بالخیر

ترجمہ از حضرت سید شاہ الیاس یاس بہاریؒ

نظرثانی: فقیر بے نوا محمد نعیم غفرلہٗ

۲۰ رجون ۱۹۶۸ء ۱۳۸۸ھ

(حیدرآباد پاکستان)

ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
رحم فرما کہ زحد می گذرد تشنہ لبی
نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگِ کوے تو شد بے ادبی

ذرہ خاکپاے سگانِ شرف
شاہ محمد نعیم ندوی

Marfat.com

مناجات از حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ

الٰہی اَنْتَ رَبِّیْ وَ قَوِیٌّ وَ اَنَا عَاجِزٌ الٰہی اَنْتَ مَالِکِیْ وَ اَنَا مَمْلُوْکٌ

الٰہی عاجز ترینِ عاجزانم الٰہی جاہل ترینِ جاہلانم۔ الٰہی نمی دانم تا چہ گونہ رضائے تو جویم الٰہی نمی دانم تا چہ گویم۔ الٰہی عجز و درماندگی من تو می بینی۔ الٰہی حاجت من تو می دانی۔ الٰہی من بیچارہ و عاجزم ہیچ حیلہ و قوت و وسیلہ نہ دارم و آنچہ جز تست ازان بیزارم۔ الٰہی من ضعیف و درماندہ را و منِ نحیف درہائے راندہ را و منِ مدہوش سیاہ کار گناہگار را و منِ بدکردار را و منِ انقیادِ شیطان (فرمان) را و منِ استادِ مکتبِ عاصیان را و منِ مدہوش سرگشتہ را و منِ عاجز در بدر گشتہ را و منِ گنہ گارِ بد افعال را (و منِ خاکسارِ بد اعمال را) و منِ تابتِ ناتمام را و منِ عہد شکنِ خود کام را و منِ گندم نمائے جو فروش را و منِ زنّار دار خرقہ پوش را و منِ سیاہ رو نامہ سیاہ را و منِ منافقِ تبہ کار را بہ فضلِ عمیم و لطفِ قدیمِ خود از بندِ نفسِ امارہ خلاصی دہ و توبۂ نصوحا عطا کن کہ طاقتِ حضرتِ عدل تو ندارم۔ الٰہی مرا توفیق دِہ کہ ترا بہ پرستم کہ بے توفیقِ تو ترا نتوان پرست۔ الٰہی مرا تعریف دِہ کہ ترا بشناسم کہ بے تعریفِ تو ترا نتوان شناخت۔ الٰہی ضایع کردم عمرِ خویش بران چیز کہ رضائے تو نبود۔ و من نہ دانستم ازان توبہ کردم و بیزار گشتم۔ اے دستگیرِ ہر شکستہ واے دلیلِ ہر درماندہ واے فریادرسِ دشوارہائے واے چارہ سازِ بےچارگان واے قبول کنندۂ توبۂ عاصیان واے پذیرندۂ گریختگان۔ واے حلیمے کہ حلمِ تو مارا گستاخ کرد۔ واے رحیمے کہ رحمِ تو مرا بے باک گردانید۔ این گستاخی و بے باکی از ما عفو کن و خلعتِ معرفت ہمہ اعضائے ما را بپوشان۔ الٰہی بحق طفیل و تسبیح و تحمید و تمجید جملہ روحانیان و کروبیان۔ الٰہی بحرمتِ عابدان و زاہدان، الٰہی بحرمت خواصگانِ درگاہِ تو، الٰہی بحرمتِ لواحقانِ حضرتِ تو، الٰہی بحرمتِ غریبانِ شہادت جوانان، الٰہی بحرمتِ آبِ دیدۂ عاصیان الٰہی بحرمتِ عفو و توبۂ عاصیانِ درگاہِ تو الٰہی بحرمتِ عز و جلالِ تو الٰہی بحرمتِ عظمت و کمالِ تو کہ حاجاتِ من و جملہ مسلمانان روا کنی؛ و ایمانِ ما را در دنیا و آخرت بر ما ارزانی

داری۔ الٰہی چون دران حجرۂ تنگ و تاریک بے شمع مارا مبتلا کنی ایمان مارا چراغ لحد گردانی۔ بحق لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

غزل حضرت شیخ زماں سلطان ممالک تفرید قہرمان ایکہ تجرید شہباز اوج ولایت عنقاء قاف عبادت

شیخ الشیوخ حضرت مولانا شاہ امین احمد فردوسی قدس اللہ سرہ العزیز

دیوانگی ربود چو در ہر طرف مرا
در ہر طرف نمود جمال شرف مرا

روزے نخست من ہدف تیر او شدم
دیگر نگاہ کس نہ نماید ہدف مرا

وابستہ است زیستن و مردنم بتو
این عہد بستہ شد ز خلف تا سلف مرا

از بیم ہجر دغدغہ دل نہ رفتنی است
لا تحزنم بگوئی و گر لا تخف مرا

دنیا ہمہ ز کف رود اما محبتش
سرمایہ ایست ہاں نرود این ز کف مرا

راہ طریق مستقیم بکشا از رہ کرم
عمر عزیز بیہدہ گردد تلف مرا

نیسان صفت محبت او آبروے ماست
زنہار این گہر نہ رود از صدف مرا

یا اللہ کہ نیست در نظرم چون تو دلبرے
قرآن برائے حلف دہ اینک بکف مرا

خاک ستانہ تو نہ ارزد بہ کیمیا
سنگ در تو ہست چو در نجف مرا

چندان کہ ہیچ طلعت زیبا نہان کنی
چندان شود بدیدن رویت شغف مرا

لعل و گہر خذف بود اندر نگاہ من
در کوئے تست لعل و گہر ہر خذف مرا

بر ہد ثبات تا بجہان از فریب نفس
یارب طفیل پیر شرف دہ کشف مرا

دیگر

دل بتو پرداختنم آرزوست | وز ہمہ برداشتنم آرزوست
ہست بہر انجمنم خلوتے | این ہمت اگر انجمنم آرزوست
اہلِ دلان راست سفر در وطن | زان سفر اندر وطنم آرزوست
ہست بہ عشق از ہمہ سوز و گداز | با غمِ او ساختنم آرزوست
ناصیہ ہر چند نہم بر درت | سجدہ بران تا کہ نہم آرزوست
شمع صفت با ہمہ سوز و گداز | سوختن و ساختنم آرزوست
از نظرِ لنگرِ دریاے عشق | فیضِ حسین و حسنم آرزوست
زانکہ لقب نوشۂ توحید داشت | ہمتِ شیخ عبد کنم آرزوست
در صفت و ذاتِ پر انوارِ دوست | ذرہ صفت گم شدنم آرزوست
ہر چہ تواند شدن از غیر دوست | خویش تہی ساختنم آرزوست
از لب منصور انا الحق زنم | گر سرِ دار و رسنم آرزوست
گرچہ فرشتہ نیم از زورِ عشق | تا بفلک تاختنم آرزوست
قیس صفت در ہوس کوے دوست | خاک بہ سر بیختنم آرزوست
بہر فدا بر سرِ تو بار بار | مردن و لیس زیستنم آرزوست

قیدِ خودی ہست چو زندان ثبات
رستن ازین ما و منم آرزوست

قطعہ تاریخ طباعت

جناب ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں صاحب مدّ فیوضہ وبرکاتہٗ

ایم۔اے، ایل ایل۔بی، پی ایچ۔ڈی۔ ڈی لٹ

صدر شعبۂ اُردو۔ جامعہ سندھ حیدر آباد (مغربی پاکستان)

شرف بخشد چنان شیخِ منیری

کہ افشا می کند اسرارِ مکتوم

بہ ہر لفظش مضامینِ عجیبہ

بہ ہر مکتوب مروارید منظوم

طباعت یافتہ از فکرِ ایماں

۸ ۸ ۳ ۱ ھ

زبورِ صدق مکتوباتِ مخدوم

۸ ۶ ۹۰ ۱ ۶

دعاگو خادم الخیر ابوالعلیٰ محمد اسحاق نقشبندی

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

قیمت
3/6

فذکر ان نفعت الذکریٰ

مکتوباتِ صدی

جلد دوم

از ۵۱ تا ۱۰۰

متن با ترجمہ

سید السالکین زبدۃ العارفین سلطان المحققین

مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز

ترجمہ

حضرت شاہ الیاس یاس بہاری فردوسی

ناشر

سید شاہ محمد نور العین المعروف محمد نعیم ندوی فردوسی القادری

استاد شعبۂ اردو، جامعہ سندھ حیدر آباد (پاک)

کوارٹر نمبر بی ۵، یونٹ نمبر ۶، شاہ لطیف آباد، حیدر آباد (مغربی پاکستان)

Marfat.com